سيرة عائشة

رضي الله عنها

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کے
واقعاتِ زندگی اور اخلاق و عادات کی تفصیل اور انکے علوم
و
مجتہدات پر بحث و تبصرہ

از

علامہ سیّد سلیمان ندوی مرحوم

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No: 076425
MAILSI

اس کتاب کے حقوق اشاعت جناب سید سلیمان ندوی صاحب سے حاصل کئے گئے

پاکستانی پہلا اڈیشن
۱۹۶۷ء

کتابت
شفاعت الحسن چغتائی

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

مطبوعہ
ملت پرنٹنگ پریس، کراچی

Masood Faisal Jhandir Library

اردو مرکز — گنپت روڈ - لاہور

فہرست مضامین

سیرۃ عائشہ رض

مضامین	صفحہ
دیباچہ	
۱۳ - ۱۴	
تمہید	۱۵
سیرۃ عائشہ رض کی اہمیت	۱۶
ماخذ	۱۷
انتساب	۱۸
ابتدائی حالات	
(از ولادت تا ازدواج)	
۱۹ - ۳۳	-
نام و نسب و خاندان	۱۹
ولادت	۲۱
بچپن	۲۲
شادی	۲۳

مضامین	صفحہ
ہجرت	۲۸
رخصتی	۳۰
جاہلیت کی رسموں کو مٹانا	۳۳
تعلیم و تربیت	
۳۳ - ۴۱	
عرب میں نوشت و خواند کا حال	۳۳
باپ سے تعلیم حاصل کرنا	۳۵
شوہر سے تعلیم حاصل کرنا	″
لکھنا پڑھنا	″
تعلیم کا طریقہ	۳۶
مجلس درسِ نبوی سے استفادہ	″
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علمی سوالات	″
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رض کو	″

تہذیب اور سلیقہ کی باتیں سکھانا ۴۰

خانہ داری

۴۲ - ۴۵

گھر کا نقشہ ۴۳
اثاث البیت ۴۳
فقر و فاقہ ۴۴
اپنے ہاتھ سے پکانا ۴۴
نظم و آمدنی و صرف ۴۵

معاشرت ازدواجی

۴۵ - ۶۶

اسلام اور عورت ۴۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ بیویوں کیساتھ ″
بیوی کی محبت ۴۷
شوہر کی محبت ۵۰
بیوی کی مدارات ۵۲
دل بہلانا ۵۳
ساتھ کھانا ۵۶
سفر میں ہمراہی ۵۷
ساتھ دوڑانا ″
پیار کا ناز ۵۸
خدمت گذاری ۶۱
اطاعت اور احکام کی پیروی ۶۱
باہمی مذہبی زندگی ۶۳
گھر میں فرائض نبوت ۶۵

سوکنوں کے ساتھ برتاؤ

۶۷ - ۸۰

حضرت عائشہؓ کی سوکنیں ۶۷
حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ۶۸
حضرت سودہؓ کے ساتھ ″
حضرت حفصہؓ کے ساتھ ۶۹
حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ ″
حضرت جویریہؓ کے ساتھ ۷۰
حضرت زینبؓ کے ساتھ ″
حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ ۷۴
حضرت میمونہؓ کے ساتھ ″
حضرت صفیہؓ کے ساتھ ″
مشتبہ اور غلط روایات ۷۶

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ

۸۱ - ۸۴

سوتیلی اولادیں ۸۱
حضرت زینبؓ ″
حضرت فاطمہؓ کے ساتھ برتاؤ ۸۲

غلط اور مشتبہ روایات ۸۴

واقعۂ افک

۸۵ - ۹۸

منافقین کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں ۸۵
غزوۂ بنی مصطلق میں منافقین کی کثرت
اور شرارتیں ۸۵
حضرت عائشہؓ کی ہم سفری ۸۶
سفر میں ہار کا گم ہونا ۸۷
ہار کی تلاش میں تاخیر ۸۷
قافلہ کی روانگی اور حضرت عائشہؓ کی تنہائی ۸۷
منافقین کی شرارت اور تہمت ۸۸
صفوان اور حسان اور دیگر شرکائے افک ۸۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علیؓ اور
حضرت اسامہؓ سے مشورہ ۹۰
لونڈی کی شہادت ۹۰
بنو امیہ کا ایک الزام حضرت علیؓ پر اور
اس کی تردید ۹۰
مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ
اور منافقین کی شورش ۹۱
حضرت عائشہؓ کی حالت ۹۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال اور
حضرت عائشہؓ کا جواب ۹۱
اس سازش سے منافقین کے مقاصد ۹۲
نزول برائت ۹۲
سر ولیم میور کی غلطیاں ۹۵
تیمم کا حکم ۹۷
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی خوشی ۹۸

تحریم، ایلا اور تخییر

۹۹ - ۱۰۷

تحریم کا واقعہ ۹۹
ازالۂ شکوک ۱۰۳
ایلاء کا واقعہ ۱۰۵
تخییر کا واقعہ ۱۰۷

بیوگی

۱۰۸ - ۱۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کا آغاز ۱۰۹
حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آنا اور اس کا سبب ۱۰۹
حضرت ابوبکرؓ کی امامت کا واقعہ ۱۰۹
حضرت عائشہؓ کی گود میں سر رکھے ہوئے ۱۰۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات پانا ۱۱۰
حضرت عائشہؓ کا حجرہ مدفن نبوی بنا ۱۱۱

امہات المومنین کے لئے نکاح ثانی کی
ممانعت اور اس کے اسرار ١١١

عام حالات

١١٣ - ١٢٢

عہدِ صدیقی ١١٣
وراثت کے جھگڑے "
یتیمی کا داغ ١١٤
وفات کے وقت حضرت ابوبکر رض کی "
حضرت عائشہ رض سے گفتگو "
عہدِ فاروقی ١١٥
حضرت عمر رض کا سلوک حضرت عائشہ رض کے ساتھ "
حضرت فاروق رض کی وفات اور حضرت "
عائشہ رض کا ایثار ١١٦
حضرت عثمان رض کا عہد "
اسلام میں فتنہ کا آغاز اور اس کے
اسباب ١١٧
ابنِ سبا کی جماعت کا پیدا ہونا ١١٨
کوفہ، بصرہ اور مصر کے باغیوں کی سازش ١٢٠
مدینہ کا محاصرہ ١٢٠
حضرت عائشہ رض کا اپنے بھائی محمد کو سمجھانا ١٢١
حضرت عائشہ رض کا سفر حج ١٢٢
حضرت عثمان رض کی شہادت ١٢٢
حضرت عائشہ رض کی روش "
حضرت علی رض کا عہد "
کبار صحابہ رض کا حضرت عثمان رض کی "
شہادت کے متعلق اضطراب اور حضرت "
عائشہ رض سے مشورہ "

دعوتِ اصلاح

١٢٣ - ١٥٧

مسلمان عورت کے فرائض ١٢٣
حضرت عائشہ رض قوی دل تھیں ١٢٤
حضرت عائشہ رض کی فوج کے ساتھ
بصرہ کی سمت روانگی ١٢٥
بنوامیہ کا مادۂ فاسد ١٢٦
نہر حواب اور ایک پیشین گوئی "
مسلمانانِ کوفہ کی کیفیت ١٢٧
بصرہ میں حضرت عائشہ رض کی تقریر ١٢٨
والی بصرہ کی ناعاقبت اندیشی اور
مسجد میں تقریریں ١٢٩
اضطراب اور ہیجان ١٣٠
مجمع میں حضرت عائشہ رض کی تقریر "
فریقین میں چھیڑ چھاڑ ١٣٣

مخالفین کا حملہ اور حضرت عائشہ رض
کی فہمائش ۱۳۳
فریقین کا سمجھوتہ ۱۳۴
پھر اختلاف ۱۳۵
حضرت عائشہ رض کا بصرہ پر قبضہ اور
امرائے کوفہ کے نام خط ۱۳۶
جنگِ جمل ۱۳۸
میدانِ جنگ کا منظر ۱۳۹
مصالحت 〃
بنوامیہ اور فرقۂ سبایہ کا باہم شبخون مارنا 〃
شب میں ناواقفیت کی جنگ کا آغاز 〃
حضرت عائشہ رض کا مصالحت کے لئے آنا 〃
حضرت علی رض کی گفتگو اور حضرت طلحہ رض اور
حضرت زبیر رض کی علیحدگی کی شہادت 〃
حضرت عائشہ رض کا مسلمانوں کو قرآن کا
واسطہ دینا ۱۴۰
سبائیوں کا حضرت عائشہ رض پر حملہ اور
بنوضبہ کی دلاوری اور ان کا رجز 〃
جنگ کا خاتمہ ۱۴۲
حضرت علی رض کا حضرت عائشہ رض کو
بعزت تمام رکھنا اور مدینہ واپس بھیجنا - ۱۴۳
حضرت عائشہ رض کی ندامت ۱۴۳
حضرت عائشہ رض اور حضرت علی رض کے باہمی
ملالِ خاطر کی تردید ۱۴۴
حضرت معاویہ رض کا زمانہ ۱۴۸
امیر معاویہ رض اور حضرت عائشہ رض 〃
خوارج کے متعلق حضرت عائشہ رض کی رائے ۱۴۹
یزید کی بیعت کا واقعہ ۱۵۰
امام حسن رض کی تدفین کا واقعہ 〃
وفات ۱۵۲
متروکات ۱۵۴
متبنّٰے لینا ۱۵۵
حلیہ اور لباس ۱۵۷

اخلاق و عادات

۱۵۷ - ۱۷۳
قناعت پسندی ۱۵۸
ہمجنسوں کی امداد 〃
شوہر کی اطاعت ۱۵۹
غیبت اور بدگوئی سے احتراز 〃
احسان نہ لینا ۱۶۰
خودستائی سے پرہیز 〃
خودداری 〃

انصاف پسندی ۱۶۱
دلیری ۱۶۲
فیاضی ״
خشیتہ الٰہی اور رقیق القلبی ۱۶۴
عبادت الٰہی ۱۶۵
معمولی باتوں کا لحاظ ۱۶۶
غلاموں پر شفقت ۱۶۷
فقراء کی حسب حیثیت اعانت ״
پردہ کا خیال و اہتمام ۱۶۸
مناقب ۱۶۹
فضل و کمال ۱۷۰

علم و اجتہاد
(قرآن مجید)
۱۷۴ - ۱۸۴

ام المومنین رض کا عہدِ طفولیت اور قرآن مجید ۱۷۴
قرآن مجید لکھوانا ۱۷۵
مصحف عائشہ رض ״
قرآن مجید کے ساتھ اُن کا شغف ۱۷۶
صحابہ اور روایاتِ تفسیر ״
کتب حدیث میں تفسیر کا حصّہ ״
حضرت عائشہ رض کی تفسیری روایتیں ۱۷۷
إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ کی تفسیر ۱۷۷
اصول تفسیر کا ایک نکتہ
حَتّٰی إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ کی تفسیر ۱۷۸
وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامٰی
کی تفسیر ״
يَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ کی تفسیر ۱۷۹
مَنْ كَانَ غَنِيًّا کی تفسیر ۱۸۰
حضرت ابن عباس کا اختلاف ۱۸۰
وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا
کی تفسیر ۱۸۱
إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ کی تفسیر ״
حَافِظُوا الصَّلَوٰتِ کی تفسیر ۱۸۲
وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ کی تفسیر ״
بعض صحابہ رض کے اختلافات ۱۸۳
قرأت شاذہ ״
آیت رضاعت میں غلط فہمی ۱۸۴

علم حدیث
۱۸۵ - ۲۰۶

حضرت عائشہ رض اور دیگر ازواج کا فرق ۱۸۶
اکابر صحابہ رض کی قلتِ روایت کا سبب ۱۸۷
مکثرین روایت ״

مکثرین روایت میں حضرت عائشہ رضؓ کا درجہ ۱۸۸
حضرت عائشہ رضؓ کی روایتوں کی تعداد ؍؍
مکثرین میں روایت کے ساتھ درایت ؍؍
رعایتِ مصالح ۱۸۹
بار بار پوچھنا ۱۹۱
روایت میں احتیاط ۱۹۲
صحابہ رضؓ پر استدراک ؍؍
روایت مخالفِ قرآن حجت نہیں ۱۹۳
مغزِ سخن تک پہنچنا ۱۹۹
ذاتی واقفیت ۲۰۳
قوتِ حافظہ ۲۰۵
معاصرین کی روایتوں پر گرفت ؍؍
حضرت عائشہ رضؓ کی حدیثوں کی ترتیب وتدوین ۲۰۶
عمرہ کی روایتیں ۲۰۶

فقہ وقیاس

۲۰۷ - ۲۰۹

علم فقہ کی ابتدائی تاریخ ۲۰۷
حضرت عائشہ رضؓ کا اصولِ فقہ ؍؍
قرآن مجید سے استنباط ۲۰۸
حدیث سے استنباط ۲۱۱
قیاس عقلی ۲۱۳
سنن کی تقسیم ۲۱۴
معاصرین کے مسائل فقہی میں اختلاف ۲۱۵
فہرست مسائل مختلف فیہا ۲۱۶

علم کلام وعقائد

۲۲۰ - ۲۲۸

خدا کے لئے اعضار کا اطلاق ۲۲۰
رویت باری تعالیٰ ۲۲۱
علم غیب ۲۲۲
پیغمبر اور اخفائے وحی ۲۲۳
انبیاء معصوم ہیں ۲۲۵
معراجِ رُوحانی ؍؍
الصحابۃ عدول ۲۲۷
ترتیبِ خلافت ۲۲۸
عذابِ قبر ؍؍
سماعِ موتیٰ ؍؍

علم اسرار الدین

۲۲۹ - ۲۴۴

علم اسرارِ دین اور حضرت عائشہ رضؓ ۲۳۰
قرآن کی ترتیبِ نزول ۲۳۱

مدینہ میں اسلام کی کامیابی کا سبب ۲۳۴
جمعہ کے دن نہانا ۲۳۵
سفر میں دو رکعت نماز 〃
نماز صبح اور نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے
کی ممانعت ۲۳۵
بیٹھ کر نماز پڑھنا ۲۳۶
مغرب میں تین رکعتیں کیوں ہیں ۲۳۷
صبح کی نماز دو ہی رکعت کیوں رہی 〃
صوم عاشورار کا سبب 〃
پورے رمضان میں آپ نے تراویح کیوں
نہیں پڑھی ۲۳۹
حج کی حقیقت 〃
وادیِ محصب میں قیام ۲۴۰
قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ
رکھنے کی ممانعت 〃
تعمیر کعبہ اور بعض اعمالِ حج ۲۴۱
سوار ہو کر طواف کرنا ۲۴۲
ہجرت ۲۴۳
آپ کا حجرہ میں دفن ہونا ۲۴۴

طب، تاریخ، ادب، خطابت و شاعری

۲۴۵ - ۲۵۷

طب ۲۴۵
تاریخ ۲۴۶
ادب ۲۴۸
خطابت ۲۴۹
شاعری ۲۵۰

تعلیم افتا اور ارشاد

۲۵۸ - ۲۸۱

تعلیم ۲۵۸

حضرت عائشہ رضؓ کی درسگاہ ۲۵۹
تعلیم و درس کا طریقہ 〃
طلبہ 〃
متبنّٰی اور یتیم طلبہ ۲۶۰
عام مستفیدین 〃
غلام طلبہ اور اعزّہ ۲۶۱
خواتین تلامذہ کی فہرست ۲۶۳
تلامذۂ خاص ۲۶۴
عروہ بن زبیرؓ 〃
قاسمؒ بن محمد 〃
ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف ۲۶۵
مسروق کوفی 〃
عمرہ بنت عبدالرحمٰن رضؓ 〃

صفیہ بنت شیبہ ۲۶۶
کلثوم بنت عمر القرشیہ ۲۶۷
عائشہ رض بنت طلحہ ״
معاذہ بنت عبداللہ العدویہ ״

افتار

״
خلفائے اسلام کا استفتا کرنا ۲۶۸
اکابر صحابہ کا فتویٰ پوچھنا ۲۶۹
تمام ممالکِ اسلامیہ سے فتاوے آنا ۲۷۰
اختلافات صحابہ میں حکم ہونا ۲۷۱
ارشاد و اصلاح و موعظت ۲۷۴
مردوں کو موعظت ۲۷۵
عورتوں کی اصلاح ۲۷۸
اصلاحِ عام ۲۷۹
زمانۂ حج میں مکہ میں قیام اور اصلاح ۲۸۱
ایک واقعہ ״

جنس نسوانی پر حضرت عائشہؓ کے احسانات

۲۸۲ — ۲۹۴
عورتوں کے جنسی درجہ کو بلند کرنا ۲۸۲
صحابیات کی عرضداشت کو حضرت
رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کرنا ۲۸۳
جن مسائل سے عورتوں کی تحقیر سمجھی
جاتی تھی ان کو صاف کرنا ۲۸۴
مسائلِ مختلفہ میں عورتوں کی سہولت
کا خیال رکھنا ۲۸۵
غسل میں بال کھولنا ״
حج میں بالوں کا قصر ״
حج میں موزے پہننا ״
حالتِ احرام میں خوشبو لگانا ״
احرام میں چہرہ پر نقاب ڈالنا ۲۸۶
زیور پر زکوٰۃ ۲۸۷
خونبہا میں عورت کا حصّہ ۲۸۸
وراثت میں عورتوں کا حصّہ ۲۸۹
زنانہ مسائل کی تشریح ״
دامن کا طول ״
نکاح میں عورت کی رضامندی ۲۹۰
اولیا کو جبر کا حق نہیں ״
زمانۂ عدت میں مسکن و نفقہ ״
زمانۂ عدت میں سفر سے گھر آنا ۲۹۱
بیوی کو اختیار دینا طلاق نہیں ہے۔ ۲۹۲
جبری طلاق کی تردید ۲۹۳
تین طلاقوں کی اور زمانۂ رجعت کی تجدید ״

حج میں نسوانی معذوری ۲۹۴

عالمِ نسوانی میں حضرت عائشہؓ کا درجہ

۲۹۵ - ۲۹۸

حضرت عائشہؓ اور غیر مُسلم مشہور عورتیں ۲۹۵

حضرت عائشہؓ اور مشاہیر خواتینِ اسلام ۲۹۶

حضرت عائشہؓ اور حضرت خدیجہؓ اور حضرت فاطمہؓ ۹۶

خاتمہ

عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیّدۃ عائشۃؓ علی الصّحابہ ۲۹۹ تا ۳۱۴

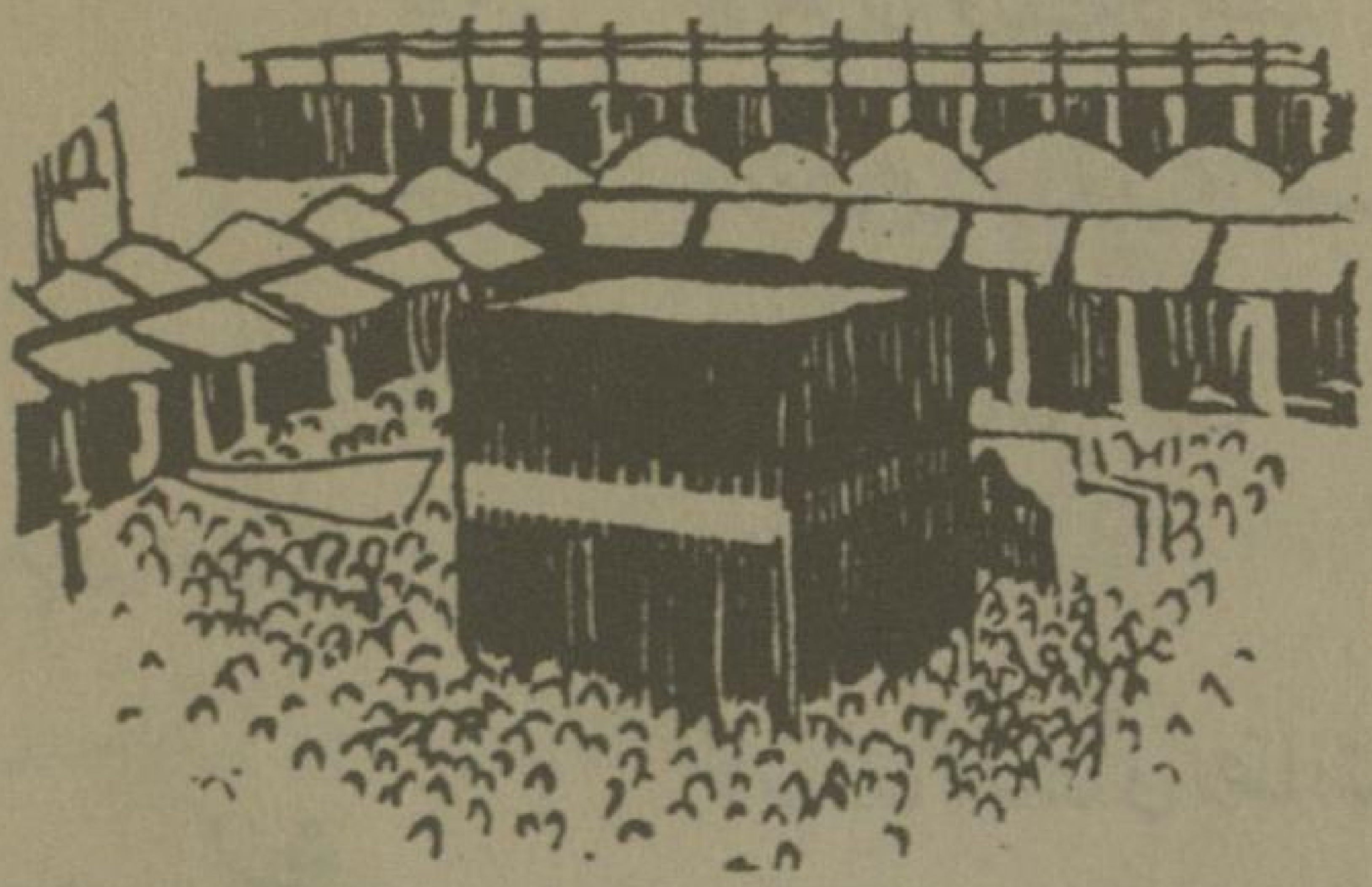

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع سوم

سیرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میری ابتدائی تصنیف ہے، جس کا آغاز طالب العلمی ہی میں کیا گیا تھا، مگر اس کی تکمیل استاد مرحوم کی وفات کے بعد ہوئی اور اشاعت سنہ ۱۹۲۰ء میں اس وقت ہوئی جب خاکسار وفد خلافت کے سلسلہ میں لندن میں مقیم تھا، اس کے بعد دوسری دفعہ بھی چھپی مگر نظر ثانی کی نوبت نہیں آئی مدت سے خیال تھا کہ بعض فقہی مسائل کے متعلق میری تحقیق کا جو نقطۂ نظر بدلا ہے اس کی اصلاح اس میں کردی جائے۔ بحمداللہ کہ اب اس کا موقع ہاتھ آیا، حوالوں کی دیکھ بھال، عبارت کی درستگی اور بعض نکات کے بڑھانے کی توفیق بھی ملی، آخر کتاب میں علامہ سیوطی کا رسالہ عین الاصابہ فی استدراک عائشہؓ کو بھی بطور ضمیمہ شامل کرنا مناسب معلوم ہوا تاکہ یہ نایاب رسالہ منظرِ عام پر آجائے اور خاکسار کو حدیث شریف کی ایک ادنیٰ خدمت کا شرف حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا بیحد شکر ہے کہ اس نے ایک ہیچمدان و ہیچمیرز کو یہ سعادت بخشی کہ کاشانۂ نبوت کے اس نور باطن کو اس کے ہاتھوں عالم آشکار فرمایا جس سے مسلمان بی بیوں کو

اپنی ایک ہم جنس کی شکل میں تعلیم نبویؐ کی مکمل تعلیم کا آئینہ نظر آتا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کے وقت چاہے مؤلف کی غرض طالب علمانہ ہو اور اس کی تکمیل کے وقت ایک رئیسۂ وقت کی فرمائش کا خیال ہو، لیکن اب بحمداللہ اس نظرِ ثانی میں حق اور ذاتِ حق کے سوا کچھ مطلوب نہیں، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اوراق سے مسلمانوں کو عموماً اور مسلمان بی بیوں کو خصوصاً اہلِ بیت نبویؐ کی محبت اور عمل کی توفیق اور خاکسار مؤلف کو حُسنِ خاتمہ اور مغفرت کا انعام ملے۔

ہیچمدان سلیمان

۲۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نو برس گذر گئے، جب مجھے سیرتِ عائشہؓ کا اوّل اوّل خیال آیا، اس وقت میں الندوہ کا سب ایڈیٹر تھا، اور یہ میرے تعلیمی زمانہ کا آخری سال تھا۔ اپریل ۱۹۰۶ء میں ایک عریضہ کے ذریعہ سے اپنے خیالات اُستاد مرحوم کی خدمت میں عرض کیے، انھوں نے ہمّت بندھائی اور کتابوں کے نام بتائے، چنانچہ دو برس کے بعد ایک ٹکڑا ربیع اوّل ۱۳۲۶ھ مطابق اپریل ۱۹۰۸ء کے الندوہ میں شائع بھی کیا گیا، پھر سوء اتفاق سے یہ خیال کچھ سرد سا پڑ گیا، لیکن احباب کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا،

مولوی عزیز مرزا مرحوم سے جب ملاقات ہوتی، سیرت عائشہؓ کا تقاضا کرتے، اور میں مسکرا کر خاموش ہو رہتا۔ حضرت الاستاذ بھی بار بار اس کی تکمیل کی ہدایت فرماتے رہتے[3] میرے احباب میں سید عبد الحکیم صاحب ایک بزرگ ہیں، ان کا کوئی خط "سیرت عائشہؓ" کے تقاضے سے خالی نہیں آیا۔ آخر میں نے اپنے سکوت سے ان کو خاموش کر دیا لیکن میرے دوستوں میں ایک صاحب نہایت مستقل مزاج اور صابر نکلے منشی محمد امین صاحب مہتمم صیغہ تاریخ بھوپال، پورے آٹھ مہینے تک میرے انکار و تعلل سے بھی مایوس نہ ہوئے آخر ۲۷ رجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۱۴ء کو ان کا اصرار میرے انکار پر غالب آیا

چونکہ اس کام کی تکمیل میں ایک زمانہ صرف ہوا اور تکمیل کے بعد بھی سامان طبع کی گرانی کے باعث اس کی اشاعت میں تاخیر ہوئی اور مختلف تقریب سے اس کا ذکر

---

[1] تاریخ آغاز تصنیف یعنی ۱۹۱۴ء تک، ورنہ اختتام تصنیف یعنی ۱۹۱۷ء تک ۱۲ سال گذرے۔

[2] مکاتیب شبلی جلد ۲ مکتوب ۱۴۱ [3] مکاتیب شبلی جلد ۲ مکتوب ۵۸، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳

قلم سے نکل چکا تھا، اس لئے بہت جلد اس کا نام زبانوں پر آگیا، یہ دیکھ کر بعض مستعجل اصحابِ قلم نے اس نام سے کئی کتابیں شائع کیں لیکن مجھے اس کا غم نہیں ہوا، اور اُمید ہے کہ میری طرح ناظرین کو بھی غم نہ ہوگا کہ یہ مُصنّف الفاروق کی سنت ہی جو بہرحال مُصنّفِ سیرت عائشہ رضؓ کو پیش آئی تھی، فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ،

سیرت عائشہ رضؓ کی اہمیّت اُردو کی نشأۃ جدید نے ہماری زبان میں جن تصنیفات کا ذخیرہ فراہم کیا ہی، اُن سے رجالِ اسلام کے کارنامے ایک حد تک منظرِ عام پر آگئے ہیں، لیکن مخدراتِ اسلام کے کارہائے نمایاں اب تک پردۂ خفا میں ہیں، سیرۃ عائشہ رضؓ پہلی کوشش ہے جس کے ذریعہ سے اس صنف کے کارناموں کو بے نقاب کیا گیا ہے، اس کے بعد حالات نے اجازت دی تو نسار الاسلام مرتّب ہو گی۔

آج مسلمانوں کے اس دَورِ انحطاط میں ان کے انحطاط کا بحصہ رسدی آدھا سبب "عورت" ہی، وہم پرستی، قبر پرستی، جاہلانہ مراسم، غم و شادی کے موقعوں پر مسرفانہ مصارف اور جاہلیت کے دوسرے آثار صرف اس لئے ہمارے گھروں میں زندہ ہیں کہ آج مسلمان بی بیوں کے قالب میں تعلیمات اسلامی کی رُوح مردہ ہو گئی ہی، شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے سامنے "مسلمان عورت" کی زندگی کا کوئی مکمّل نمونہ نہیں، آج ہم ان کے سامنے اس خاتون کا نمونہ پیش کرتے ہیں جو نبوتِ عظمیٰ کی نہ سالہ مشارکتِ زندگی کی بنا پر خواتین خیر القرون کے حرم میں کم وبیش ۴۰ برس تک شمع ہدایت رہی۔

ایک مسلمان عورت کے لئے سیرت عائشہ رضؓ میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات، انقلابات، اور مصائب، شادی، رخصتی، سُسرال، شوہر، سوکن، لاولدی، بیوگی، غربت، خانہ داری، رشک وحسد، غرض اس کے ہر موقع اور ہر حالت کے لئے تقلید کے قابل نمونے موجود ہیں، پھر علمی، عملی، اخلاقی ہر قسم کے گوہر گرانمایہ سے پاک زندگی مالا مال ہی۔ اس لئے سیرت عائشہ رضؓ اس کے لئے ایک آئینہ ہے جس میں صاف طور پر یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی

کی حقیقی تصویر کیا ہے؟

ایک خاص نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے، وہ یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی سیرۃ مبارکہ نہ صرف اس لئے قابلِ احترام ہے کہ وہ ایک حجلہ نشین حرمِ نبوت کی پاک زندگی کے واقعات کا مجموعہ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے کہ یہ "دنیا کے بزرگ ترین انسان" کی زندگی کا وہ نصف حصہ ہے، جو "مرأۃ کاملہ (کامل عورت) کا بہترین مُرقّع ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

ماخذ سوانح عمریوں کے لئے عموماً تاریخ کی کتابیں کار آمد ہوتی ہیں، لیکن اس وقت جس زمانہ کے واقعات لکھنا ہیں اس کی تاریخ صرف حدیث کی کتابیں ہیں، یہ تمام ذخیرہ درحقیقت جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، امہات المومنینؓ اور صحابِ کبار رضؓ کی مقدس زندگیوں کی علمی تاریخ ہے، اس بنا پر میری معلومات کا ماخذ صرف احادیث کی کتابیں ہیں۔ جوامع، مسانید اور سنن سے عموماً اور کہیں کہیں اسماء الرجال کی کتابوں مثلاً طبقات ابن سعد، تذکرۃ الحفاظ ذہبی، تہذیب ابن حجر وغیرہ اور فتح الباری، قسطلانی، نووی وغیرہ۔ شروحِ احادیث سے بھی مدد لی گئی ہے۔ عام تاریخ کی کتابوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا ہے، جنگِ جمل کے متعلق بے شبہ مجبوری تھی کہ اس کا مفصل تذکرہ احادیث میں نہیں، اس لئے اس باب میں زیادہ تر طبری پر اعتماد کیا گیا ہے۔

حدیث کی زیادہ تر کتابوں میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد اور مسند امام احمد بن حنبل "میرے پیشِ نظر رہی ہیں، ان کتابوں کا ایک ایک حرف میں نے پڑھا، مسند کی چھٹی جلد میں حضرت عائشہ رضؓ کے مرویات میں ان کے حالات کثرت سے ملے۔ اس کتاب کے ماخذوں میں سب سے نادر کتاب حاکم کی مستدرک[1] اور سیوطی کی عین الاصابہ فی استدراکِ عائشہ رضؓ علی الصحابہ ہے۔ عین الاصابہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں وہ حدیثیں جمع کی گئی ہیں جن میں حضرت عائشہ رضؓ

---

[1] اس کتاب کی تصنیف کے وقت یہ کتاب قلمی تھی چھپی نہ تھی لیکن اب دائرۃ المعارف حیدر آباد نے اس کو شائع کر دیا ہے۔ "س"

نے اپنے معاصرین کی غلطیاں یا غلط فہمیاں ظاہر کی ہیں۔

ارباب نظر جانتے ہیں کہ کتبِ احادیث خصوصاً بخاری میں حالات اس قدر متفرق اور منتشر ہیں کہ ان کو ڈھونڈ کر یکجا کرنا چیونٹیوں کے مُنہ سے شکر کے دانے چننا ہے تاہم مسلسل مُطالعہ نے جو سرمایہ فراہم کر دیا ہے وہ پیشِ نظر ہے۔ اس موقع پر یہ لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ایک ہی واقعہ حدیث کی مختلف کتابوں میں یا ایک ہی کتاب کے مختلف ابواب میں مذکور ہوتا ہے، میں نے جہاں کہیں کسی کتاب یا کتاب کے باب کا حوالہ دیا ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ واقعہ حدیث کی دوسری کتابوں یا دوسرے ابواب میں نہیں ہے بلکہ جہاں جو حوالہ مناسب سمجھا گیا دیدیا گیا، اس لئے آپ کہیں کہیں ایک ہی واقعہ کے مختلف حوالے پائیں گے۔

انتساب سیرۃ عائشہؓ کا آغاز گو مصنف نے اپنے شوق سے کیا تھا، لیکن الحمداللہ کہ اس کا انجام اسکے آغاز سے بہتر ہوا۔ ان اوراق میں جس مخدومۂ جہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات لکھے گئے ہیں، اس کے مقدس شریکِ زندگی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارک، تاجِ ہند ہزہائینس والیۂ عالیہ بھوپال کی اعانت سے ہماری زبان میں تصنیف ہو رہی ہے ایسی حالت میں ضرور تھا کہ حرمِ نبوت کی سیرتِ پاک کی تصنیف کا ایما بھی ادھر ہی سے ہوتا۔

اس تصنیف کی تکمیل کا باعث درحقیقت حضور ممدوحہ ہی کا ارشاد ہے، پہلے مولانائے مرحوم کے ذریعہ[1] سے اور ان کی وفات کے چند روز بعد ۲۹ نومبر ۱۴ء کو جب مجھے باریابی کا شرف حاصل ہوا تو مشافہۃً سرکارِ عالیہ نے اسکی تکمیل کا حوصلہ دلایا۔ برسوں کی محنت اور زحمت کشی کے بعد بحمداللہ کہ ایک علمی خدمت کے انجام کے ساتھ تعمیلِ ارشاد کی مسرت بھی حاصل کر رہا ہوں۔

سید سلیمان

۱۹۲۰ء

---

[1] مکاتیب شبلی جلد ۲ ص ۱۲۸ و ۱۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین والہٖ وازواجہٖ واصحابہٖ اجمعین

نام، نسب، خاندان

عائشہؓ نام، صدیقہ لقب، ام المومنین خطاب، ام عبداللہ کنیت اور حمیرا لقب[1] ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت الصدیق سے خطاب فرمایا ہے[2]۔

عبداللہ، حضرت عائشہؓ کے بھانجے یعنی آپ کی بہن حضرت اسماءؓ کے صاحبزادے تھے، جو زیادہ تر اپنے باپ کی نسبت سے عبداللہ بن زبیرؓ کے نام سے مشہور ہیں، عرب میں کنیت شرافت کا نشان ہے، چونکہ حضرت عائشہؓ کے اولاد نہ تھی، اس لئے کوئی کنیت بھی نہ تھی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسرت کے ساتھ عرض پرداز ہوئیں کہ اور بی بیوں نے تو اپنی سابق اولادوں کے نام پر اپنی اپنی کنیت رکھ لی ہے، میں اپنی کنیت

---

[1] جن روایتوں میں حضرت عائشہؓ کا لقب "حمیرا" (گوری) ہے، محدثین کے نزدیک وہ سنداً ثابت نہیں ہیں جیسا کہ کتب موضوعات میں زیر حدیث خذوا شطر دینکم من الحمیرا مذکور ہے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ نسائی کی ایک روایت میں بسند صحیح یہ لقب مذکور ہے، لیکن مجکو تلاش پر بھی یہ روایت نہیں ملی، بلکہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں حمیرا آئے ہیں جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے (کشف الخفاء ومزیل الالتباس عما اشتہر علی السنۃ الناس احمد عطار حلبی جلد ۱ صفحہ ۳۷۴) بہرحال مصنفین کتب رجال نے حمیرا آپ کا لقب لکھا ہے اور لغات الحدیث مثلاً مجمع البحار، اور نہایہ وغیرہ میں بھی زیر لفظ "حمرا" اس کی تصریح ملتی ہے، واللہ اعلم، [2] ترمذی تفسیر سورۂ مومنین۔

کس کے نام پر رکھوں، فرمایا "اپنے بھانجے عبداللہ کے نام پر"[1] چنانچہ اسی دن سے ام عبداللہ حضرت عائشہ رضؓ کی کنیت قرار پائی۔

حضرت عائشہ رضؓ کے والد کا عبداللہ نام، ابوبکر رضؓ کنیت اور صدیق لقب تھا، ماں کا نام ام رومان تھا، باپ کی طرف سے سلسلۂ نسب عائشہ بنت ابی بکر صدیقؓ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد ابن تیم، بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک، اور ماں کی طرف سے عائشہؓ بنت ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبدشمس بن عتاب بن اذینہ، بن سبیع، بن وہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہ رضؓ باپ کی طرف سے قریشیہ تیمیہ، اور ماں کی طرف سے کنانیہ ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کا نسب ساتویں آٹھویں پشت پر جاکر مل جاتا ہے اور ماں کی جانب سے گیارہویں بارہویں پشت میں کنانہ پر جاکر ملتا ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ کے والد حضرت ابوبکر رضؓ نے ۱۳ھ میں وفات پائی، انکی ماں ام رومان کی نسبت اکثر مورخوں نے لکھا ہے کہ انھوں نے ۵ھ یا ۶ھ میں انتقال کیا[2]، لیکن یہ صحیح نہیں معتبر حدیثوں سے ثابت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت تک زندہ رہیں، ۶ھ کے "واقعۂ افک" کے سلسلہ میں تمام حدیثوں میں ان کا نام آیا ہے، ۹ھ کے "واقعۂ تخییر" کے وقت بھی وہ زندہ تھیں[3] صحیح بخاری میں مسروق تابعی کی روایت ان سے متصلاً مروی ہے[4]، امام بخاری نے تاریخ صغیر میں ان کا نام ان لوگوں میں لکھا ہے جنھوں نے حضرت ابوبکر رضؓ کے زمانہ میں انتقال کیا اور پہلی روایت پر اعتراض کیا ہے[5]۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں اس پر محققانہ نقد لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ امام بخاری کا بیان بالکل صحیح ہے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب و مسند ابن حنبل مسند عائشہ رضؓ جلد ۶ صفحہ ۹۳ و صفحہ ۱۰۷ [2] اسد الغابہ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۵۸۳ مطبوعہ مصر، [3] طبقات النساء ابن سعد صفحہ ۵۴ طبع یورپ و صحیح بخاری و مسلم واقعۂ تخییر و مسند ابن حنبل جلد ۶ [4] صحیح بخاری تفسیر سورۂ نور، [5] تاریخ صغیر امام بخاری صفحہ ۲۱ طبع الہ آباد۔

ولادت

حضرت اُمِّ رومانؓ کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا تھا، عبداللہ کے انتقال کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کے عقد میں آئیں، اُن سے حضرت ابوبکرؓ کی دو اولادیں ہوئیں عبدالرحمن اور حضرت عائشہؓ۔ حضرت عائشہؓ کی ولادت کی تاریخ سے تاریخ و سیر کی عام کتابیں خاموش ہیں۔

مؤرخ ابن سعد نے لکھا ہے اور بعض ارباب سیر نے اسی کی تقلید کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نبوت کے چوتھے سال کی ابتدا میں پیدا ہوئیں اور نبوت کے دسویں سال چھ برس کے سن میں بیاہی گئیں، لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر نبوت کے چوتھے سال کی ابتدا میں اُن کی ولادت مان لی جائے تو نبوت کے دسویں سال ان کی عمر ۶ سال کی نہیں بلکہ سات سال کی ہوگی، اصل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق چند باتیں متفقہ طور پر ثابت ہیں ہجرت سے تین برس پہلے ۶ برس کی عمر میں بیاہی گئیں، شوال ۱ھ میں ۹ برس کی تھیں کہ رخصتی ہوئی، ۱۸ سال کی عمر میں یعنی ربیع الاول ۱۱ھ میں بیوہ ہوئیں، اس لحاظ سے ان کی ولادت کی صحیح تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہوگا، یعنی شوال ۹ھ قبل ہجرت مطابق جولائی ۶۱۴ء۔

آئندہ کے تاریخی واقعات کے سمجھنے کے لئے یہ جان لینا چاہیئے کہ نبوت کے ۲۳ سال میں سے تقریباً ۱۳ سال مکہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں گذرے ہیں، حضرت عائشہؓ جب پیدا ہوئی تھیں تو نبوت کے چار سال گذر چکے تھے اور پانچواں سال گذر رہا تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو افگن ہوئیں، اس بنا پر حضرت عائشہؓ اسلام کے ان برگزیدہ لوگوں میں ہیں جنکے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سُنی، خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا، اُن کو مسلمان پایا۔

حضرت عائشہ رضؓ کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا تھا، وائل کی کنیت ابوالفقیعس تھی، وائل کے بھائی افلح حضرت عائشہ رضؓ کے رضاعی چچا کبھی کبھی اُن سے ملنے آیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں[1] اور اُن کے رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی اُن سے ملنے آیا کرتے تھے۔[2]

بچپن

غیر معمولی اشخاص اپنے بچپن ہی سے اپنے حرکات وسکنات اور نشو ونما میں ممتاز ہوتے ہیں، ان کے ایک ایک خط وخال میں کشش ہوتی ہے۔ ان کے ناصیۂ اقبال سے مستقبل کا نور خود بخود چمک چمک کر نتیجہ کا پتہ دیتا ہے حضرت عائشہ رضؓ بھی اسی قسم کے لوگوں میں تھیں، بچپن ہی میں ان کے ہر انداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے، تاہم بچہ بچہ ہے وہ صرف کھیلتا ہے اور کھیلنا ہی اس کی عمر کا تقاضا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ بھی لڑکپن میں کھیل کود کی بہت شوقین تھیں، محلہ کی لڑکیاں ان کے پاس جمع رہتیں اور وہ اکثر ان کے ساتھ کھیلا کرتیں، لیکن اس لڑکپن اور کھیل کود میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہر وقت ملحوظ رہتا۔

اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عائشہ رضؓ کھیلتی ہوتیں، ارد گرد سہیلیوں کا ہجوم ہوتا، اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ جاتے، وہ جلدی سے گڑیوں کو چھپا لیتیں، سہیلیاں آپ کو دیکھ کر چھپ جاتیں، لیکن چونکہ آپ بچوں سے خاص محبت رکھتے تھے اور انکے کھیل کود کو بُرا نہیں سمجھتے تھے، اس لئے لڑکیوں کو پھر بُلا بُلا کر حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ کھیلنے کو کہتے تھے[3]۔ تمام کھیلوں میں اِن کو دو کھیل سب سے زیادہ مرغوب تھے، گڑیاں کھیلنا اور جھولا جھولنا۔[4]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضؓ گڑیاں کھیل رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے

---

[1] بخاری شریف جلد ا ص ۳۶۰ [2] صحیح بخاری جلد ا ص ۳۶۱ [3] ابن ماجہ باب مدارۃ النساء، صحیح مسلم فضائل عائشہ رضؓ [4] ابوداؤد وکتاب الادب۔

گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے، آپ نے استفسار فرمایا، عائشہ! یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ "گھوڑا ہے" آپ نے فرمایا "گھوڑوں کے پر تو نہیں ہوتے"۔ انھوں نے برجستہ کہا "کیوں؟ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر تو تھے"! آپ اس بیساختہ پن کے جواب پر مسکرا دیئے[1]۔ اس واقعہ سے حضرت عائشہؓ کی فطری حاضر جوابی مذہبی واقفیت، ذکاوتِ ذہن اور سرعتِ فہم کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عموماً ہر زمانہ کے بچوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل کے بچوں کا ہے کہ سات آٹھ برس تک تو انھیں کسی بات کا مطلق ہوش نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی بات کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ لڑکپن کی ایک ایک بات یاد رکھتی تھیں، ان کی روایت کرتی تھیں ان سے احکام مستنبط کرتی تھیں، لڑکپن کے جزئی جزئی واقعات کی مصلحتوں کو بتاتی تھیں لڑکپن کے کھیل کود میں اگر کوئی آیت ان کے کانوں میں پڑ جاتی تو اس کو بھی یاد رکھتی تھیں، کہ مکہ میں یہ آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ نازل ہوئی تو میں کھیل رہی تھی[2]۔ ہجرت کے وقت ان کا سن آٹھ برس کا تھا، لیکن اس کم سنی اور کم عمری میں ہوش مندی اور قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرت نبویؐ کے تمام واقعات بلکہ تمام جزئی باتیں ان کو یاد تھیں، ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعہ کا تمام مسلسل بیان محفوظ نہیں رکھا ہے[3]۔

شادی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ بنت خویلد ہیں۔ آپؐ کا سن شریف اس وقت پچیس برس کا تھا اور حضرت خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں، اس کے

---

[1] مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء، ابو داؤد کتاب الادب میں ہے کہ غزوۂ خیبر یا غزوۂ تبوک کے زمانہ کا واقعہ ہے غزوۂ خیبر ۷ھ میں اور تبوک ۹ھ میں ہوا۔ اس لحاظ سے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۳ یا ۱۵ برس کی ہوگی، [2] بخاری تفسیر سورۂ قمر، [3] صحیح بخاری باب الہجرۃ

بعد وہ پچیس برس تک شرفِ صحبت سے ممتاز رہیں۔ رمضان سنہ ۱۰ نبوت میں ہجرت سے تین برس پہلے انھوں نے وفات پائی، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس کی تھی اور حضرت خدیجہ رضؓ ۶۵ برس کی تھیں۔

اسلام میں بیوی کا جو درجہ ہونا چاہیئے وہ اس سے ظاہر ہے کہ دنیا میں اپنے عزیز شوہر کے بعد حضرت خدیجہ رضؓ دوسری مسلمان تھیں، تنہائی کے اضطراب میں مصیبتوں کے ہجوم میں اور ستمگاریوں کے تلاطم میں ہر جگہ وہ اپنے مقدس شوہر کے ساتھ تھیں، وہ ہر ایسے موقع پر آپؐ کو تسکین دیتی تھیں، آپؐ کے ساتھ ہمدردی کرتی تھیں اور آپؐ کی مصیبتوں میں آپؐ کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ اب ایسی رفیق و غمگسار بیوی کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ملول رہا کرتے تھے، بلکہ اس تنہائی کے غم سے زندگی بھی دشوار ہوگئی تھی[1]، جاں نثاروں کو اس کی بڑی فکر ہوئی، حضرت عثمانؓ بن مظعون المتوفی سنہ ۲ھ ایک مشہور صحابی ہیں، ان کی بیوی خولہؓ بنت حکیم آپؐ کے پاس آئیں اور عرض کی یا رسول اللہ آپؐ دوسرا نکاح کرلیں، آپؐ نے فرمایا، کس سے؟ خولہ رضؓ نے کہا بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں، جس کو آپ پسند فرمائیں، اس کے متعلق گفتگو کی جائے، فرمایا وہ کون ہیں؟ خولہؓ نے کہا بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں، اور کنواری ابوبکر رضؓ[2] کی لڑکی عائشہ رضؓ، ارشاد ہوا بہتر ہے، تم

---

[1] ابن سعد جلد ص ۱۴۱ طبع لائیڈن [2] یورپ کے مستشرقوں اور عیسائی محققوں کی شرمناک جہالتوں کا ایک نمونہ یہ ہے کہ "چونکہ بکر عربی میں کنوارے کو کہتے ہیں، اور عائشہ رضؓ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی تنہا کنواری بیوی تھیں، اس شرف و امتیاز کی بنا پر ان کے باپ کا خطاب اسلام میں ابوبکر قرار پایا"۔ اگر بیگانوں کو اصل واقعہ کی خبر نہ ہو تو محلِ افسوس نہیں، افسوس تو یہ ہے کہ اپنوں کو بھی گھر کی اطلاع نہیں، مسٹر امیر علی جو ہماری جدید تعلیم کے بہترین پیداوار ہیں۔ لائف آف محمدؐ باب ۱۲ میں اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں، عرب میں کنیت، عزت کا نشان سمجھا جاتا تھا، کنیت سے خطاب کرنا عربوں میں انتہائی تعظیم تھی، جو لوگ انتہائی معزز ہوتے تھے کنیت کے آگے انکے اصلی نام گم ہو جاتے تھے، ابوسفیان، ابوجہل، ابولہب، ابوذر کو سب جانتے ہیں لیکن انکے نام کون جانتا ہے، ابوبکر کا بھی یہی حال ہے، یہ کنیت نہ صرف حضرت عائشہ رضؓ کی پیدائش بلکہ خود اسلام کی پیدائش سے بھی پہلے رکھی جا چکی تھی، پھر انکو کون بتائے کہ عربی میں کنوارے کو بکر نہیں کہتے، وہ لفظ بالکسر بکر ہے، بکر، زید، عمر وغیرہ کی طرح عرب کا ایک مشہور علم ہے، بنوبکر بن وائل مشہور قبیلہ تھا، اس کا بکر کے لفظ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

ان کی نسبت گفتگو کرو۔

حضرت خولہ رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پاکر پہلے حضرت ابوبکر رضؓ کے گھر آئیں اور اُن سے تذکرہ کیا، جاہلیت کا دستور تھا، کہ جس طرح سگے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز نہیں، عرب اپنے مُنہ بولے بھائیوں کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے، اس بنا پر حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا، خولہ! عائشہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے، آپ سے اس کا نکاح کیونکر ہوسکتا ہے، حضرت خولہ رضؓ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا، آپ نے فرمایا ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں، اور اس قسم کے بھائیوں سے نکاح جائز ہے[۱]، حضرت ابوبکر رضؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے قبول کرلیا۔

لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہ رضؓ جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہوچکی تھیں، اس لئے اُن سے بھی پوچھنا ضرور تھا، حضرت ابوبکر رضؓ نے جبیر سے جاکر پوچھا کہ تم نے عائشہ رضؓ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی، اب کیا کہتے ہو، جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا، جُبیر کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا، اس کی بیوی نے کہا اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آگئی تو ہمارا بچہ بددین ہوجائے گا، ہم کو یہ بات منظور نہیں[۲]۔

حضرت عائشہ رضؓ کم سن بچی تھیں، کبھی کبھی بچپن کے تقاضے سے ماں کی خلاف مرضی کوئی بات کر بیٹھتی تھیں، تو ماں سزا دیتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں دیکھتے تو رنج ہوتا، اس بنا پر حضرت اُمِ رومان رضؓ سے تاکید فرمادی تھی، کہ ذرا میری خاطر سے اُن کو ستانا نہیں، ایک بار آپ حضرت ابوبکر رضؓ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ رضؓ کواڑ سے لگ کر رو رہی ہیں، آپ نے حضرت اُمِ رومان رضؓ سے کہا کہ تم نے میری بات کا لحاظ نہیں رکھا، انھوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ باپ سے میری بات جاکر لگاتی ہے، آپ نے فرمایا جو کچھ بھی کرے، لیکن اس کو ستاؤ نہیں[۳]۔

---

[۱] صحیح بخاری ص۷۶۰، باب تزویج الصغار من الکبار [۲] مسند احمد جزو ۶ ص۲۱۱، [۳] مستدرک حاکم،

حدیثوں میں آیا ہے کہ نکاح سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے سامنے کوئی چیز پیش کر رہا ہے، پوچھا کیا ہے؟ جواب دیا کہ آپ کی بیوی ہیں، آپ نے کھول کر دیکھا تو حضرت عائشہ رض تھیں[1]۔

حضرت عائشہ رض کا جب نکاح ہوا تھا تو وہ اس وقت چھ برس کی تھیں[2]۔ اس کمسنی کی شادی کا اصل منشا نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی تھی، ایک تو خود عرب کی گرم آب و ہوا میں عورتوں کے غیر معمولی نشو و نما کی طبعی صلاحیت ہے، دوسرے عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قویٰ میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے، اسی طرح قد و قامت میں بھی بالیدگی کی خاص قابلیت ہوتی ہے، اسی کو انگریزی میں "پری کوشیش" کہتے ہیں، بہرحال اس کمسنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رض کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا، اس بات کی صریح دلیل ہے کہ لڑکپن ہی سے ان میں نشو و نما، ذکاوت، جودتِ ذہن اور نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے۔

حضرت عطیہ رض حضرت عائشہ رض کے نکاح کا واقعہ اس سادگی سے بیان کرتی ہیں کہ "حضرت عائشہ رض لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، اُن کی انّا آئی اور ان کو لے گئی، حضرت ابوبکر رض نے آکر نکاح پڑھا دیا۔

مسلمان عورت کی شادی صرف اس قدر اہتمام چاہتی ہے، لیکن آج ایک مسلمان لڑکی کی شادی مسرفانہ مصارف اور مشرکانہ مراسم کا مجموعہ ہے لیکن کیا خود سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] صحیح بخاری مناقب حضرت عائشہ رض، [2] بعض بے احتیاط لوگوں نے اس خیال سے کہ کمسنی کی یہ شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موزوں نہیں، اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس کے بجائے ۱۶ برس کی تھی، لیکن یہ کوشش تمام تر بے سود اور اُن کا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے، حدیث و تاریخ کے پورے دفتر میں ایک حرف بھی انکی تائید میں موجود نہیں، جسکو تفصیل درکار ہو وہ معارف جولائی ۱۹۲۸ء و جنوری ۱۹۲۹ء میں اس بحث کو دیکھے۔ "س"

کی یہ مقدس تقریب اس کی عملی تکذیب نہیں؟ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی، کہ میرا نکاح ہوگیا، جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی، تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہوگیا، اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔[1]

ابن سعد کی دو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں حضرت عائشہؓ کو ایک مکان دیا تھا جس کی قیمت پچاس درہم تھی یعنی دس روپیے، لیکن درایۃً یہ صحیح نہیں ہے۔ دس روپیے تو بدحیثیت سے بدحیثیت اور چھوٹے سے چھوٹے مکان کی قیمت بھی نہیں ہوسکتی، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ چار سو درہم مہر مقرر ہوا تھا، لیکن ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے جو خود حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا،[2] یعنی پانچ سو درہم، جس کے قریباً سو روپیے ہوئے، صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ازواجِ مطہرات کا مہر عموماً پانچ سو درہم ہوتا تھا۔[3] مسند ابن حنبل میں بھی خود انہی سے روایت ہے کہ ان کا مہر پانچ سو درہم تھا۔[4] بہرحال مہر کی اس مقدار کا مقابلہ آج کل کے زرِ مہر کی تعداد سے کرو جو ہمارے ملک میں جاری ہے، آج مہر کی کمی خاندان کی ذلت سمجھی جاتی ہے، لیکن کیا اسلام کا کوئی خاندان، خانوادۂ صدیقؓ سے شریف تر ہے اور کوئی مسلمان لڑکی صدیقۂ کبریٰؓ سے زیادہ بلند پایہ ہے۔

حضرت عائشہؓ کی ازدواج کی تاریخ میں اختلاف ہے، علامہ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح سنہ ہجرت سے دو برس پہلے، اور کہا جاتا ہے کہ تین برس پہلے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ڈیڑھ برس پہلے ہوا تھا۔[5] بعض اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین برس بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا تھا، اور بعض اہلِ سیر کہتے ہیں کہ جس سال حضرت خدیجہؓ کا

---

[1] طبقات ابن سعد ص۴۰ لائیڈن، [2] ص ۴۰ [3] کتاب النکاح، [4] مسند عائشہؓ ص ۹۴،
[5] عمدۃ القاری جلد ا ص۴۵ قسطنطنیہ

انتقال ہوا، اسی سال حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح ہوا۔

ممکن تھا کہ حضرت خدیجہ رضؓ کے انتقال کی تاریخ سے نکاح کی تاریخ مقرر کی جاتی لیکن خود حضرت خدیجہ رضؓ کے انتقال کی تاریخ بھی متفق علیہ نہیں، ایک روایت ہے کہ سنہ ہجرت سے پانچ برس پہلے انتقال ہوا، دوسری روایت ہے کہ چار برس پہلے اور بعض روایتوں میں ہے کہ تین برس پہلے ہوا، اس اختلاف کے موقع پر خود حضرت عائشہ رضؓ کا قول زیادہ معتبر ہوسکتا تھا، لیکن لطف یہ ہے کہ بخاری اور مسند میں خود ان سے دو روایتیں ہیں، ایک میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین برس بعد نکاح ہوا[1] اور دوسری میں ہے کہ اسی سال کا یہ واقعہ ہے[2]۔ جمہور محققین کا فیصلہ یہ ہے اور روایتوں کا بڑا مستند حصہ اسی کا مؤید ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ نے نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تقریباً تین برس پہلے رمضان المبارک میں انتقال کیا اور اسی کے ایک مہینہ کے بعد شوال میں حضرت عائشہ رضؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا، اور اس وقت حضرت عائشہ رضؓ کا چھٹا سال تھا، اس حساب سے شوال ۳؁ قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰؁ء میں حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح ہوا استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر نے بھی اسی قول کی توثیق کی ہے، حضرت عائشہ رضؓ سے جو دو روایتیں مذکور ہیں، میری رائے میں اس میں راوی کی غلط فہمی کو دخل ہے، نکاح تو اسی سال ہوا جس سال حضرت خدیجہ رضؓ نے وفات پائی لیکن زن و شوئی کے تعلقات تین برس بعد قائم ہوئے، جب وہ نو برس کی ہوچکی تھیں۔

ہجرت

حضرت عائشہ رضؓ نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک میکہ ہی میں رہیں، دو برس تین مہینے مکہ میں، اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں۔

---

[1] صحیح بخاری فصل خدیجہ رضؓ و مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۵۸، [2] ” تزویج عائشہ رضؓ و مسند عائشہ رضؓ ص ۱۱۸

. مسلمانوں نے اپنے وطن سے دو بار ہجرتیں کی ہیں، پہلے ملک حبش میں اور اس کے بعد مدینہ میں، حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضؓ نے بھی حبش کی طرف ہجرت کرنی چاہی تھی، اور برک الغماد تک جو مکہ سے پانچ روز کی مسافت پر ایک منزل ہے، پہنچ چکے تھے کہ اتفاق سے ابن الدغنہ نام ایک شخص کہیں سے آرہا تھا، اُس نے یہ دیکھ کر کہ ابو بکر رضؓ بھی اب وطن چھوڑ رہے ہیں، قریش کی بدقسمتی پر اس کو افسوس ہوا، اور نہایت اصرار سے اپنی پناہ میں مکہ واپس لایا[1]، ممکن ہے کہ اس سفر میں حضرت عائشہ رضؓ اور ان کا خاندان بھی ہمراہ ہو۔

دوسری مرتبہ جب مکہ کے مشرکوں کے ظلم وستم کے شعلے مسلمانوں کے صبر وتحمل کے خرمن میں آگ لگا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا، حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ آپ روزانہ صبح یا شام کو حضرت ابو بکر رضؓ کے گھر بلا ناغہ آیا کرتے تھے، ایک دن خلافِ معمول چہرۂ مبارک چادر سے لپیٹے، دوپہر کو تشریف لائے، حضرت ابو بکر رضؓ کے پاس حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت اسماء رضؓ دونوں صاحبزادیاں بیٹھی تھیں، آپ نے پکار کر آواز دی کہ ابو بکر ذرا لوگوں کو ہٹا دو، میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کوئی غیر نہیں، آپ ہی کے اہلِ خانہ ہیں، آپ تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا، حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت اسماء رضؓ نے مل جل کر سامانِ سفر درست کیا، دونوں صاحبوں نے مدینہ کی راہ لی، اور تمام اہل وعیال کو یہیں دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ گئے، جس دن یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا مدینہ پہنچا، نبوت کا چودھواں سال اور ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی[2]۔

مدینہ میں ذرا اطمینان ہوا تو آپ نے اہل وعیال کے لانے کے لئے حضرت زید بن حارثہ رضؓ اور ابو رافع رضؓ اپنے غلام کو مکہ بھیجا، حضرت ابو بکر رضؓ نے بھی اپنا آدمی بھیج دیا، چنانچہ

---

[1] بخاری جلد ا ص۵۵۲، باب الہجرۃ، [2] پوری تفصیل خود حضرت عائشہ رضؓ کی زبانی صحیح بخاری باب الہجرۃ جلد اول ص۵۵۲ میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ اپنی ماں اور دونوں بہنوں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوئے اتفاق سے جس اونٹ پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں، وہ بھاگ نکلا، اور اس زور سے دوڑا کہ ہر منٹ پر یہ ڈر تھا کہ پالان گرا، اور اب گرا، عورتوں کا جیسا کہ قاعدہ ہی، ماں کو اپنی پرواتو نہ تھی، لیکن لختِ جگر کے لئے زار و قطار رونے لگیں، آخر میلوں پر جاکر جب اونٹ پکڑا گیا تو ان کو تشفی ہوئی۔ یہ مختصر قافلہ جب مدینہ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی اور اس کے آس پاس مکانات بنوا رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور آپ کی بیوی حضرت سودہؓ بنت زمعہ اسی نئے گھر میں فروکش ہوئیں[1]۔

رخصتی

حضرت عائشہؓ اپنے عزیزوں کے ساتھ بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں اتریں[2] اور سات آٹھ مہینے تک یہیں اپنی ماں کے ساتھ رہیں، اکثر مہاجرین کو مدینہ کی آب و ہوا ناموافق آئی، متعدد اشخاص بیمار پڑ گئے، حضرت ابوبکرؓ سخت بخار میں مبتلا ہو گئے، کمسن بیٹی اس وقت اپنے بزرگ باپ کی تیمارداری میں مصروف تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہو کر خیریت پوچھتی، وہ یہ شعر پڑھتے،

کُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِی اَھْلِہٖ — والموت ادنی من شراک نعلہ

ہر آدمی پر اپنے اہل و عیال ہی میں ڈاکہ پڑ رہا ہے — اور موت اسکی چپل کے تسمے سے بھی اس سے قریب ہے،

حضرت عائشہؓ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیفیت عرض کی، آپنے دعا فرمائی اس کے بعد وہ خود بیمار پڑیں اور اب باپ کی غمخواری کا موقع آیا، حضرت ابوبکرؓ بیٹی کے پاس جاتے اور حسرت سے منھ پر منھ رکھ دیتے، یہ اس شدت کی علالت تھی کہ حضرت عائشہؓ

---

[1] طبقات النساء، ابن سعد ص ۴۳ میں یہ کل تفصیل موجود ہے، [2] ابو داؤد کتاب الادب

کے سر کے تمام بال گر گئے۔[1] صحت ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں بلوا لیتے، آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لئے روپیے نہیں ہیں، گذارش کی کہ میری دولت قبول ہو، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ اور ایک نش یعنی سو روپیے حضرت ابوبکرؓ سے قرض لیکر حضرت عائشہؓ کے پاس بھجوا دیئے،[1] اس واقعہ سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے، جو مہر کو دنیا کا وہ فرض سمجھتے ہیں جو ادائیگی کی منت سے بے نیاز ہے، مہر عورت کا حق ہے اور اس کو ملنا چاہیئے۔

مدینہ گویا حضرت عائشہؓ کی سسرال تھی، انصار کی عورتیں دلہن کو لینے حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئیں، حضرت اُمّ رومانؓ نے بیٹی کو آواز دی، وہ اس وقت سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں، آواز سنتے ہی ماں کے پاس ہانپتی کانپتی دوڑی آئیں، ماں بیٹی کا ہات پکڑے دروازے تک لائی، وہاں مُنھ دُھلا کر بال سنوار دیئے، پھر ان کو اس کمرے میں لے گئیں جہاں انصار کی عورتیں دُلہن کے انتظار میں بیٹھی تھیں، دُلہن جب اندر داخل ہوئی تو مہمانوں نے علی الخیر والبرکۃ وعلیٰ خیر طائرٍ یعنی تمہارا آنا بخیر و بابرکت اور فال نیک ہو، کہکر استقبال کیا، دُلہن کو سنوارا، تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔[2]

اس وقت آپ کی ضیافت کے لئے دودھ کے ایک پیالہ کے سوا کچھ نہ تھا، حضرت اسماء بنت یزیدؓ حضرت عائشہؓ کی ایک سہیلی بیان کرتی ہیں کہ میں اس وقت موجود تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ سے تھوڑا سا دودھ پی کر حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھایا، وہ شرمانے لگیں، میں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ واپس نہ کرو" انھوں نے شرماتے شرماتے

---

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ میں یہ تمام واقعات مذکور ہیں [1] طبقات النساء ابن سعد صد ۴۳

[2] صحیح بخاری تزویج عائشہؓ ص ۵۵۱ و صحیح مسلم کتاب النکاح۔

لے لیا، اور ذرا سا پی کر رکھدیا، آپؐ نے فرمایا کہ اپنی سہیلیوں کو دو، ہم نے عرض کی یا رسول اللہ اس وقت ہم کو اشتہا نہیں، فرمایا، جھوٹ نہ بولو، آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے[1]

حضرت عائشہؓ کی رخصتی صحیح روایتوں کی بنا پر دن کے وقت شوال ۱ھ میں ہوئی علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی جنگِ بدر کے بعد ۲ھ میں ہوئی تھی[2] لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ اس بیان کے موافق حضرت عائشہؓ کا دسواں سال ہوگا، حالانکہ حدیث اور تاریخ کی تمام کتابیں متفق ہیں کہ اس وقت حضرت عائشہؓ صرف نو سال کی تھیں۔

مذکورہ بالا بیانات سے اتنا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عائشہ کا نکاح، مہر، رخصتی غرض ہر رسم کس سادگی سے ادا کی گئی تھی جس میں تکلف، آرائش اور اسراف کا نام تک نہیں، وَفِی ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔

حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تقریب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے عرب کی بہت سی بیہودہ اور لغو رسموں کی بندشیں ٹوٹیں سب سے اوّل یہ کہ عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے، اسی لئے خولہ نے جب حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا اظہار کیا تو انھوں نے حیرت سے کہا کیا یہ جائز ہے، "عائشہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے" لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انت اخ فی الاسلام تم صرف اسلامی بھائی ہو۔

دوسری رسم یہ تھی کہ اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے، پہلے کبھی شوال میں عرب میں طاعون ہوا تھا، اس لئے ماہ شوال کو وہ منحوس سمجھتے تھے اور اس مہینے میں شادی کی کوئی تقریب انجام نہیں دیتے تھے[3]

حضرت عائشہؓ کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں، اور اسی لئے وہ شوال ہی

---

[1] احمد بن حنبل مسند اسماء بنت یزید۔ [2] عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۵۴، طبع قسطنطنیہ۔

[3] ۔ طبقات النسا ابن سعد ص ۴۱،

کے مہینہ میں اس قسم کی تقریبوں کو پسند کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میری شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں اور بااین ہمہ شوہر کے حضور میں مجھ سے خوش قسمت کون تھی۔[۱]

عرب میں قدیم سے دستور تھا کہ دلہن کے آگے آگے آگ جلاتے تھے اور یہ بھی رسم تھی کہ شوہر اپنی عروس سے پہلی ملاقات محمل یا محفہ کے اندر کرتا تھا، بخاری اور قسطلانی نے یہ تصریح کی ہے کہ ان رسوم کی پابندی بھی اس تقریب میں ٹوٹی۔[۲]

تعلیم و تربیت

عرب میں خود مردوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا تو عورتوں میں کیا ہوتا۔ جب اسلام آیا تو قریش کے سارے قبیلہ میں صرف سترہ آدمی لکھ پڑھ سکتے تھے ان میں شفاء بنت عبداللہ عدویہ صرف ایک عورت تھیں[۳]، اسلام کی دنیوی برکتوں میں یہ واقعہ بھی کچھ اہم نہیں ہے کہ اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ نوشت و خواند کا فن بھی فروغ پاتا جاتا تھا، بدر کے قیدیوں میں جو نادار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہ مقرر کیا تھا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھادیں[۴]، صفہ والوں میں کم و بیش سو صحابہ داخل تھے، ان کو دیگر تعلیمات کے ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا[۵]۔

ازواجِ مطہرات میں حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا لکھنا پڑھنا جانتی تھیں، حضرت حفصہ رض نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ فن شفا بنت عبداللہ عدویہ سے سیکھا تھا[۶]۔ بعض اور صحابیات بھی نوشت و خواند سے آشنا تھیں[۷]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازدواج اور خصوصاً حضرت عائشہ رض کی اس کمسنی کی شادی میں بڑی مصلحت یہ تھی کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی فیضانِ صحبت نے

---

[۱] صحیح بخاری و مسلم کتاب النکاح، [۲] کتاب النکاح، [۳] فتوح البلدان بلاذری امر الخط، [۴] مسند جلد ۱ ص ۲۴۶، [۵] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۳۷، [۶] ابوداؤد کتاب الطب، [۷] فتوح البلدان بلاذری امر الخط۔

سیکڑوں مردوں کو سعادت کے درجۂ اعلیٰ پر پہنچا دیا تھا، لیکن فطرۃً یہ موقع عام عورتوں کو میسّر نہیں آسکتا تھا، صرف ازواجِ مطہرات رضؓ اس فیض سے متمتع ہوسکتی تھیں اور پھر یہ نور آہستہ آہستہ انھی ستاروں کے ذریعہ سے پوری کائنات نسوانی میں پھیل سکتا تھا۔

حضرت عائشہ رضؓ کے علاوہ دوسری ازواجِ مطہرات بیوہ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے حبالۂ عقد میں داخل ہوئی تھیں، اس بنا پر ان میں حضرت عائشہ رضؓ ہی تنہا خالص فیضانِ نبوت سے مستفیض تھیں، لڑکپن کا زمانہ جو عین تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے، ابھی شروع ہوا ہی تھا کہ سعادت نے ظلمت اور نقص کمال کے ہر گوشہ سے الگ کر کے کاشانۂ نبوّت میں پہنچا دیا۔ کہ ان کی ذاتِ اقدس پُر نور اور کامل بنکر دنیا کی نصف لطیف آبادی کے لئے شمع راہ بن جائے۔

حضرت ابوبکر رضؓ سارے قریش میں علم انساب و شعر کے ماہر تھے[1]، قریش کے شاعروں کے جواب میں اسلام کے زبان داں شاعر چوٹی کے جو شعر کہتے تھے، کفّار کو یقین نہیں آتا تھا کہ وہ حضرت صدّیق رضؓ کی صلاح و مشورہ کے بغیر لکھے گئے ہیں[2]، حضرت عائشہ رضؓ نے اسی باپ کی آغوش میں تربیت پائی تھی، اس لئے علم انساب کی واقفیت اور شاعری کا ذوق ان کا خاندانی ورثہ تھا[3]۔

حضرت ابوبکر رضؓ اپنی اولاد کی تربیت میں نہایت سخت تھے، اپنے بیٹے عبد الرحمٰن کو اس جرم پر کہ انھوں نے مہمان کو جلد کھانا کیوں نہیں کھلا دیا، ایک دفعہ مارنے کو تیار ہو گئے تھے[4]، حضرت عائشہ رضؓ شادی کے بعد بھی اپنی لغزشوں سے باپ سے ڈرا کرتی تھیں[5]، کئی موقعوں پر حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کو سخت تنبیہ کی[6]۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے یہ موقع پیش آیا، تو آپؐ نے ان کو بچا لیا[7]۔

---

[1] صحیح مسلم مناقب حسان، [2] اصابہ و استیعاب ذکر حضرت حسان رضؓ بن ثابت، [3] مستدرک حاکم ذکر حضرت عائشہ رضؓ
[4] صحیح بخاری، [5] صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات، [6] صحیح بخاری باب التیمم و صحیح مسلم باب القسم والزوجات، [7] ابو داؤد کتاب الادب باب المزاح۔

حضرت عائشہ رضؓ کی تعلیم و تربیت کا اصلی زمانہ رخصتی کے بعد سے شروع ہوتا ہے، انھوں نے اسی زمانہ میں پڑھنا سیکھا، قرآن دیکھ کر پڑھتی تھیں[۱]، ایک روایت میں ہے کہ لکھنا نہیں جانتی تھیں[۲]، احادیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے لئے انکا غلام **ذکوان** قرآن لکھتا تھا[۳]، اس سے یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ وہ خود لکھنا نہ جانتی ہونگی، لیکن بعض روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ "فلاں خط کے جواب میں انھوں نے یہ لکھا"[۴] ممکن ہے کہ راویوں نے مجازاً لکھوانے کے بجائے لکھنا کہدیا ہو جیسا کہ ایسے موقعوں پر عموماً بولتے ہیں۔

بہرحال نوشت وخواند تو انسان کی ظاہری تعلیم ہے، حقیقی تعلیم و تربیت کا معیار اس سے بدرجہا بلند ہے، انسانیت کی تکمیل، اخلاق کا تزکیہ، ضروریاتِ دین سے واقفیت، اسرارِ شریعت کی آگاہی، کلامِ الٰہی کی معرفت، احکام نبوی کا علم بھی اعلیٰ تعلیم ہے اور حضرت عائشہ رضؓ اس تعلیم سے کامل طور پر بہرہ اندوز تھیں، **علومِ دینیہ** کے علاوہ تاریخ، ادب اور طب میں بھی ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا[۵]۔

تاریخ و ادب کی تعلیم تو خود پدر بزرگوار سے حاصل کی تھی[۶] **طب** کا فن اُن وفودِ عرب سے سیکھا تھا، جو گاہ گاہ اطرافِ ملک سے بارگاہِ نبوت میں آیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر کے آخر دنوں میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے، اطبائے عرب جو دوائیں بتایا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضؓ ان کو یاد کرلیتی تھیں[۷]۔

علومِ دینیہ کی تعلیم کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا، معلّمِ شریعت خود گھر میں تھا اور شب و روز اسکی صحبت میسّر تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم وارشاد کی مجلسیں روزانہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھیں، جو حجرۂ عائشہ رضؓ سے بالکل ملحق تھی، اس بنا پر آپ گھر سے باہر بھی لوگوں کو جو

---

[۱] صحیح بخاری باب تالیف القرآن و بلاذری، فصل خط، [۲] صحیح بخاری صلوٰۃ الوسطی، مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۷۳، [۳] مسند جلد ۶ صفحہ ۸۷ و ترمذی صفحہ ۳۹۷، [۴] مستدرک للحاکم ذکر عائشہ فی الصحابیات [۵] ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۶۷، [۶] ابن حنبل، مسند عائشہ، صفحہ ۶۷۔

درس دیتے تھے وہ اس میں شریک رہتی تھیں، اگر کبھی بُعد کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب زنانخانہ میں تشریف لاتے، دوبارہ پوچھ کر تشفی کر لیتیں[1]، کبھی اٹھ کر مسجد کے قریب چلی جاتیں[2]، اس کے علاوہ آپ نے عورتوں کی درخواست پر ہفتہ میں ایک خاص دِن ان کی تعلیم و تلقین کے لئے متعین فرمادیا تھا[3]۔

شب و روز میں علوم و معارف کے بیسیوں مسئلے ان کے کان میں پڑتے تھے، ان کے علاوہ خود حضرت عائشہ رضؓ کی عادت یہ تھی کہ ہر مسئلہ کو بے تامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیتی تھیں اور جب تک تسلی نہ ہولیتی صبر نہ کرتیں[4]، ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ من حوسِبَ عُذِّبَ قیامت میں جس کا حساب ہوا، اس پر عذاب ہوگیا، عرض کی یا رسول اللہ! خدا تو فرماتا ہے۔

فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَاباً یَّسِیْراً۔ (انشقاق) اُس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا یہ اعمال کی پیشی ہے لیکن جس کے اعمال میں جرح و قدح شروع ہوئی وہ تو برباد ہی ہوا[5]۔

ایک دفعہ انھوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! خدا فرماتا ہے[6]

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم - ۷)

جس دن زمین و آسمان دوسری زمین سے بدل دیئے جائیں گے اور تمام مخلوق خدائے واحد و قہار کے روبرو ہو جائے گی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت پڑھی[7]

وَالْاَرْضُ جَمِیْعاً قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ (زمر - ۷)

تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔

"جب زمین و آسمان کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے"، آپ نے فرمایا "صراط پر"

---

[1] مسند عائشہ صفحہ ۷۷، [2] ایضاً صفحہ ۱۵۹، [3] صحیح بخاری کتاب العلم، [4] ایضاً ص ۲۱، [5] صحیح بخاری ص ۲۱ کتاب العلم، [6] مسند احمد ص ۳۵، [7] مسند ص ۱۱۰۔

اثنائے وعظ میں ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "قیامت میں لوگ برہنہ اٹھیں گے"۔ عرض کی یارسول اللہ زن و مرد یکجا ہوں گے تو کیا ایک دوسرے کی طرف نظریں نہ اُٹھ جائیں گی۔ ارشاد ہوا کہ عائشہ! وقت عجب نازک[۱] ہوگا یعنی کسی کو کسی کی خبر نہ ہوگی، ایک بار دریافت کیا کہ "یارسول اللہ! قیامت میں ایک دوسرے کو کوئی یاد بھی کرے گا"؟ آپ نے فرمایا "تین موقعہ پر یاد کریگا"۔ ایک تو جب اعمال تولے جا رہے ہوں گے، دوسرے جب اعمال نامے بٹ رہے ہوں گے۔ تیسرے جب جہنم گرج گرج کر کہہ رہی ہوگی کہ میں تین قسم کے آدمیوں کے لئے مقرر ہوئی ہوں[۲]"

ایک دن یہ پوچھا تھا کہ کفار و مشرکین نے اگر عمل صالح کیا ہو تو اس کا ثواب ان کو ملے گا یا نہیں؟ عبداللہ بن جدعان مکہ کا ایک نیک مزاج اور رحم دل مشرک تھا، اسلام سے پہلے قریش کی باہمی خونریزی کے انسداد کے لئے اس نے تمام رؤسائے قریش کو مجتمع کر کے ایک صلح کی مجلس قائم کی تھی جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا "یارسول اللہ! عبداللہ بن جدعان جاہلیت میں لوگوں سے بہ مہربانی پیش آتا تھا، غریبوں کو کھانا کھلاتا تھا، کیا یہ عمل اس کو کچھ فائدہ دیگا؟" آپ نے جواب دیا "نہیں عائشہ! اس نے کسی دن یہ نہیں کہا کہ خدایا قیامت میں میری خطا معاف کرنا[۳]"۔

جہاد اسلام کا ایک فرض ہے، حضرت عائشہ کا خیال تھا کہ جس طرح دیگر فرائض میں زن و مرد کی تمیز نہیں، یہ فرض عورتوں پر بھی واجب ہوگا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال پیش کیا، ارشاد ہوا کہ "عورتوں کے لئے حج ہی جہاد[۴] ہے"۔

نکاح میں رضامندی شرط ہے، لیکن کنواری لڑکیاں اپنے منہ سے آپ تو رضامندی نہیں ظاہر کرسکتیں، اس لئے دریافت کیا کہ یارسول اللہ نکاح میں عورت سے اجازت لے لینی چاہیئے، فرمایا "ہاں"۔ عرض کی وہ شرم سے چپ رہتی ہے، ارشاد ہوا کہ اسکی خموشی ہی اسکی اجازت ہے[۵]۔

---

۱ صحیح بخاری ص ۹۶۶ باب کیف الحشر، ۲ مسند عائشہ ص ۹۳، ۳ مسند عائشہ ص ۹۳،
۴ صحیح بخاری باب حج النساء، ۵ صحیح مسلم باب النکاح۔

اِسلام میں پڑوسیوں کے بڑے حقوق ہیں، اور اس ادائے حق کا سب سے زیادہ موقع عورتوں کو ہاتھ آتا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ دو پڑوسی ہوں تو کس کو ترجیح دی جائے، چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک دفعہ یہ سوال پیش کیا، جواب ملا کہ "جس کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو"[۱]

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ کے رضاعی چچا ان سے ملنے آئے، انھوں نے انکار کیا کہ اگر میں نے دودھ پیا ہے تو عورت کا پیا ہے، عورت کے دیور سے مجھ سے کیا تعلق؟ آپ جب تشریف لائے تو دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ "وہ تمھارا چچا ہے تم اس کو اندر بلالو"[۲]

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رٰجِعُوْنَ (مومنون - ۴۰)

(اور وہ لوگ جو کام کرتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شک تھا کہ جو چور ہے، بدکار ہے، شرابی ہے لیکن خدا سے ڈرتا ہے، کیا وہ اس سے مراد ہے، آپ نے فرمایا "نہیں عائشہ! اس سے وہ مراد ہے جو نمازی ہے، روزہ دار ہے اور پھر خدا سے ڈرتا ہے"[۳]۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا جو خدا کی ملاقات پسند کرتا ہے خدا بھی اس کی ملاقات پسند کرتا ہے اور جو اس کی ملاقات کو ناگوار سمجھتا ہے، اس کو بھی اس سے ملنا ناگوار ہوتا ہے" عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے موت کو کوئی پسند نہیں کرتا ہے؟ فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں مطلب یہ ہے کہ مومن جب اللہ تعالیٰ کی رحمت، خوشنودی اور جنت کا حال سنتا ہے تو اس کا دل خدا کا مشتاق ہو جاتا ہے، خدا بھی اس کے آنے کا مشتاق رہتا ہے اور کافر جب خدا کے عذاب اور ناراضی کے واقعات کو سنتا ہے، تو اس کو خدا کے سامنے سے نفرت ہوتی ہے خدا بھی اس سے نفرت رکھتا ہے[۴]۔

---

[۱] مسند احمد ص ۱۷۵، [۲] صحیح بخاری ص ۹۰۹ باب تربت یمینک، [۳] ترمذی و ابن ماجہ و مسند ۶ ص ۱۵۹، [۴] جامع ترمذی کتاب الجنائز۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ کے بیسیوں سوالات اور مباحث احادیث میں مذکور ہیں جو درحقیقت ان کے روزانہ تعلیم کے مختلف اسباق ہیں۔

ان موقعوں پر بھی جہاں بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برہمی اور آزردگی کا اندیشہ ہوسکتا تھا، وہ سوال اور بحث سے باز نہیں آتی تھیں اور درحقیقت خود آپ بھی اس کو برا نہیں مانتے تھے، ایک دفعہ آپنے کسی بات پر آزردہ ہوکر ایلار کرلیا تھا، یعنی عہد فرمایا تھا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہراتؓ کے پاس نہ جائیں گے، چنانچہ ۲۹ دن تک آپؐ ایک بالاخانہ پر تشریف فرما رہے، تمام ازواجؓ بے قرار تھیں، اتفاق سے مہینہ ۲۹ دن کا تھا، آپؐ یکم کو یعنی تیسویں دن بالاخانہ سے اُتر کر حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے، یہ ایسا موقع تھا کہ جس کی خوشی میں حضرت عائشہ رضؓ کو سب کچھ بھول جانا چاہیئے تھا، اور پھر اس واقعہ پر نکتہ چینی کرنا بظاہر آپؐ کو دوبارہ آزردہ کرنا تھا، لیکن مزاج شناس نبوت ان سب پر خود نقش شریعت کی گرہ کشائی مقدم سمجھتی تھی، عرض کی یارسول اللہ! آپنے فرمایا تھا ایک ماہ تک ہمارے حجروں میں نہ آئیں گے، آپ ایک دن پہلے کیونکر تشریف لائے، فرمایا "عائشہ مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے[1]"

ایک مرتبہ ایک شخص نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہونا چاہا، آپنے فرمایا آنے دو، وہ اپنے خاندان میں برا ہے" جب وہ آکر بیٹھا تو آپنے اس سے نہایت توجہ اور لطف و محبت سے باتیں فرمائیں حضرت عائشہؓ کو تعجب ہوا، جب وہ اٹھکر چلا تو عرض کی یارسول اللہ آپ تو اس کو اچھا نہیں جانتے تھے، لیکن جب وہ آیا تو آپنے اس لطف و محبت کے ساتھ گفتگو فرمائی، ارشاد ہوا کہ "عائشہ بدترین آدمی وہ ہے جسکی بداخلاقی سے ڈر کر لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں[2]"

بادیۂ عرب کے اجڈ بدوی اور دہقانی چونکہ بداحتیاط اور شرائعِ اسلام سے انکو پوری آگاہی نہ تھی، اس لئے آپؐ ان کی چیز کھانے سے احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ ام سنبلہ نام

---

[1] صحیح بخاری باب الفرقہ ص ۳۳۵، [2] صحیح بخاری باب الغیبۃ۔

ایک گاؤں کی عورت آپ کے پاس تحفۃً دودھ لائی، آپ نے پی لیا، حضرت ابوبکرؓ ساتھ تھے، انھوں نے بھی پیا، حضرت عائشہؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ ان کی چیز کھانا پسند نہیں فرماتے تھے فرمایا کہ عائشہ! یہ وہ لوگ نہیں ہیں، ان کو تو جب بلایا جاتا ہی، آتے ہیں[1] یعنی سبب سے انکو شریعت کے احکام معلوم ہیں،

ایک دفعہ آپ نے فرمایا "اعتدال کے ساتھ کام کرو، لوگوں کو اپنے نزدیک کرو، اور خوش خبری سناؤ کہ لوگوں کا عمل ان کو جنت میں نہ لیجائے گا (بلکہ رحمتِ الٰہی) حضرت عائشہؓ کو یہ آخری بات عجیب معلوم ہوئی، سمجھیں کہ جو لوگ معصوم ہیں وہ تو اس سے مستثنیٰ ہوں گے، پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! فرمایا نہیں لیکن یہ کہ خدا اپنی مغفرت اور رحمت سے مجھے ڈھانک[2] لے۔

ایک دفعہ نمازِ تہجد کے بعد بے وتر پڑھے آپ نے سونا چاہا، عرض کی یا رسول اللہ آپ وتر پڑھے بغیر سوتے ہیں، ارشاد ہوا عائشہؓ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا[3]، بظاہر حضرت عائشہؓ کا یہ سوال گستاخی معلوم ہوتی ہی، لیکن اگر وہ یہ نسائیانہ جرأت نہ کرتیں تو آج امت محمدیہ نبوت کی حقیقت سے ناآشنا رہتی۔

ان سوالات اور مباحث کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حضرت عائشہؓ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت کی نگرانی کرتے اور جہاں لغزش نظر آتی، ہدایت و تعلیم فرماتے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند یہودی آئے اور بجائے السلام علیک کے (تم پر سلامتی ہو) زبان دبا کر السام علیک (تم کو موت آئے) کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں صرف وعلیکم (اور تم پر) فرمایا، حضرت عائشہؓ سُن رہی تھیں، وہ ضبط نہ کرسکیں، بولیں، علیکم السام واللعنۃ (تم پر موت اور لعنت) آپ نے فرمایا

---

[1] مسند عائشہ ص ۱۳۳، [2] صحیح بخاری باب القصد والمداومۃ علی العمل۔ [3] صحیح بخاری باب فضل من قام رمضان۔

"عائشہ نرمی چاہیئے، خدائے عزوجل ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے[1]۔"

ایک دفعہ کسی نے حضرت عائشہؓ کی کوئی چیز چرائی، زنانہ رسم کے مطابق انھوں نے اسکو بد دعا دی، ارشاد ہوا لَا تَسبِّخِي عَنهُ[2] یعنی بد دعا دیکر اپنا ثواب اور اس کا گناہ کم نہ کرو۔ ایک بار وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک اونٹ پر سوار تھیں، اونٹ کچھ تیزی کرنے لگا، عام عورتوں کی طرح ان کی زبان سے بھی فقرہ لعنت نکل گیا، آپ نے حکم دیا کہ اونٹ کو واپس کردو، ملعون چیز ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی[3]۔ یہ گویا تعلیم تھی کہ جانور تک کو برا نہیں کہنا چاہیئے۔

عام طور سے لوگ اور خصوصاً عورتیں معمولی گناہوں کی پرواہ نہیں کرتیں، آپ نے حضرت عائشہؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا، یَا عَائِشَۃُ اِیَّاکِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ، عائشہ معمولی گناہوں سے بھی بچا کرو، خدا کے ہاں ان کی بھی پرسش ہوگی[4]۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عورت کا حال بیان کر رہی تھیں، اثنائے گفتگو میں بولیں کہ وہ پست قد ہے آپ نے فوراً ٹوکا کہ عائشہؓ یہ بھی غیبت ہے[5]۔

حضرت صفیہؓ کسی قدر پست قد تھیں، ایک دن انھوں نے کہا "یا رسول اللہ! بس کیجیے صفیہ تو اتنی ہیں۔" آپ نے فرمایا "تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر کے پانی میں بھی ملاؤ تو ملا سکتی ہو یعنی یہ غیبت ایسی تلخ بات ہے کہ سمندر کے پانی میں ملا دیجائے تو کل پانی بدمزہ ہو جائے۔" عرض کی یا رسول اللہ! میں نے تو ایک شخص کی نسبت واقعہ بیان کیا، فرمایا کہ اگر مجھ کو اتنا اور اتنا بھی دیا جائے تو بھی یہ بیان نہ کروں[6]۔ یعنی مجھکو کسی قدر بھی لالچ دلائی جائے تو میں ایسی بات کسی کے متعلق نہ کہوں۔

ایک دفعہ کسی سائل نے سوال کیا، حضرت عائشہؓ نے اشارہ کیا، تو لونڈی ذرا سی چیز لیکر

---

[1] صحیح بخاری ص ۸۹۰ باب الرفق فی الامر کلہ [2] مسند ص ۴۵، [3] ایضاً ص ۷۲، [4] ایضاً ص ۷۰، [5] ایضاً ص ۲۰۶، [6] ایضاً ص ۷۰۔

دینے چلی، آپ نے فرمایا "عائشہ گن گن کر نہ دیا کرو، ورنہ خدا تم کو بھی گن گن کر دے گا"[1] دوسرے موقع پر فرمایا "عائشہ! چھوہارے کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو وہی سائل کو دیکر آتشِ جہنم سے بچو، اُسے بھوکا کھلائے گا تو کچھ تو ہو گا اور پیٹ بھرے گا، اس سے کیا بھلا ہو گا"[2]

ایک موقع پر آپ نے یہ دعا مانگی "خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ اور حالتِ مسکینی ہی میں موت دے، اور مسکینوں ہی کے ساتھ قیامت میں اُٹھا۔" حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ کیوں؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرمایا "مسکین، دولتمندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے، اے عائشہ کسی مسکین کو بے نیلِ مرام واپس نہ کرنا، گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے پاس جگہ دیا کرو"[3]

ان مختلف اخلاقی نصائح کے علاوہ، نماز، دعا اور دینیات کی اکثر باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سکھایا کرتے تھے، وہ نہایت شوق سے ان کو سیکھا کرتی تھیں اور ہر ایک حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں[4]

خانہ داری

حضرت عائشہؓ جس گھر میں رخصت ہو کر آئی تھیں وہ کوئی بلند اور عالیشان عمارت نہ تھی، بنی نجار کے محلہ میں مسجد نبویؐ کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے متعدد حجرے تھے، ان ہی میں ایک حجرہ حضرت عائشہؓ کا مسکن تھا، یہ حجرہ مسجد کی شرقی جانب واقع تھا[5]، اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر مغرب رخ اس طرف واقع تھا کہ گویا مسجد نبویؐ اس کا صحن بن گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازہ سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے، جب مسجد میں معتکف ہوتے تو سرِ مبارک حجرے کے اندر کر دیتے، اور حضرت عائشہؓ بالوں کے اندر کنگھا کر دیتیں[6] کبھی مسجد میں بیٹھے بیٹھے حجرہ کے اندر ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مانگ لیتے،[7]

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب، [2] مسند عائشہ ص ۷۹، [3] جامع ترمذی ابواب الزہد، [4] مسند عائشہ ص ۱۳۸ و ۱۴۷ و ۱۵۱،
[5] خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفٰے اسمہودی باب ۴ فصل ۴، [6] صحیح بخاری اعتکاف مسند ۶ ص ۲۳۱،
[7] صحیح بخاری کتاب الحیض۔

حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ تھی، دیواریں مٹی کی تھیں اور کھجور کی پتیوں اور ٹہنیوں سے مسقف تھا، اوپر سے کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ بارش کی زد سے محفوظ رہے، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا، دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا[۱] لیکن وہ عمر بھر کبھی بند نہ ہوا[۲]، پردہ کے طور پر ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔ حجرہ سے متصل ایک بالاخانہ تھا، جس کو مشربہ کہتے تھے، ایلا کے ایام میں آپ نے اسی بالاخانہ پر ایک مہینہ بسر فرمایا تھا[۳]۔

گھر کی کل کائنات ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ جس میں چھال بھری تھی، آٹا اور کھجور رکھنے کے ایک دو مٹکے، پانی کے ایک برتن اور پانی پینے کے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی[۴]، مسکن مبارک گو منبع انوار تھا، لیکن راتوں کو چراغ جلانا بھی صاحب مسکن کی استطاعت سے باہر تھا، کہتی ہیں کہ چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا[۵]۔

گھر میں کل آدمی دو تھے، حضرت عائشہ رضؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دن کے بعد بریرہ رضؓ نام ایک لونڈی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا[۶]، جب تک حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت سودہ رضؓ صرف دو بیویاں رہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز بیچ دے کر حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں شب باش ہوتے تھے، اس کے بعد جب اور ازواج بھی اس شرف سے ممتاز ہوئیں تو حضرت سودہ رضؓ نے اپنی کبر سنی کے سبب اپنی باری حضرت عائشہ رضؓ کو ایثاراً دے دی، اس بنا پر نو دن میں دو دن آپ حضرت عائشہ رضؓ کے گھر مقیم رہتے۔

---

۱ مسند ابن حنبل و ابنِ سعد و ادب المفرد امام بخاری باب النساء، و سمہودی باب ۴ فصل ۴۔

۲ سمہودی باب ۴ فصل ۴، ۳ ابوداؤد و صلاۃ الامام قاعدا، ۴ احادیث میں مختلف موقعوں پر ان چیزوں کے نام آئے ہیں، دیکھو صلوٰۃ اللیل و کتاب الحیض و کتاب الطہارۃ، ۵ صحیح بخاری ص ۳۷ باب التطوع خلف المراۃ، ۶ مسند طیالسی ص ۲۰۷، ۷ صحیح بخاری ص ۳۴۸ باب استعانۃ المکاتب و واقعۂ افک و باب الصدقہ۔

گھر کے کاروبار کے لئے بہت زیادہ اہتمام و انتظام کی ضرورت نہ تھی، کھانا پکنے کی بہت کم نوبت آتی تھی، خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی تین دن متصل ایسے نہیں گزرے کہ خاندانِ نبوت نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہو[۱]، فرماتی تھیں گھر میں مہینہ مہینہ بھر آگ نہیں جلتی تھی[۲]، چھوہارے اور پانی پر گزارہ تھا[۳]، فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے سالانہ مصارف کے لئے وظائف مقرر کر دیئے تھے[۴]، اسّی وسق (بار شتر) چھوہارا اور ۲۰ وسق جو[۵]۔ لیکن ایثار و فیاضی کی بدولت سال بھر کے لئے یہ سامان کبھی کافی نہ ہوا۔

صحابہ اپنی محبت سے تحفے اور ہدیے عموماً بھیجتے رہتے، بالخصوص جس دن حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کی باری ہوتی، لوگ قصداً ہدیے بھیجا کرتے تھے[۶]، اکثر ایسا ہوتا کہ آپؐ باہر سے تشریف لاتے اور دریافت فرماتے کہ عائشہؓ کچھ ہے؟ جواب دیتیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں اور پھر گھر بھر روزہ ہوتا[۷] کبھی بعض انصار دودھ بھیجدیا کرتے تھے، اسی پر قناعت کر لیتے[۸]۔

اس عقل و شعور کے باوجود، جو فطرتاً فیاض قدرت کی طرف سے اُن کو عطا ہوا تھا، کم سنی کی غفلت اور بھول چوک سے وہ بری نہ تھیں، گھر میں آٹا گوندھ کر رکھتیں، اور بے خبر سو جاتیں، بکری آتی اور کھا جاتی[۹]، ایک دن کا واقعہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا، اس کی ٹکیاں پکائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگیں، شب کا وقت تھا آپ آئے تو نماز میں مشغول ہو گئے، ان کی آنکھ لگ گئی، ایک پڑوس کی بکری آئی، اور سب[۱۰] کھا گئی، دوسری کمسن بی بیوں کے مقابلہ میں کھانا

---

[۱] صحیح بخاری معیشت النبی و مسند ص ۲۵۵، [۲] مسند ۶ ص ۲۱۷، ۲۳۷ و مسند طیالسی ص ۲۰۷ وغیرہ، صحیح بخاری کتاب الاطعمہ میں "ایک مہینہ" کا لفظ ہے، [۳] صحیح بخاری باب کیف کان عیش النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) [۴] ابو داؤد حکم ارضِ خیبر، [۵] حوالۂ سابق، [۶] صحیح بخاری فضل عائشہؓ، [۷] مسند ص ۴۹ [۸] ایضاً ص ۴۴۲، [۹] صحیح بخاری قصۂ افک، [۱۰] ادب المفرد امام بخاری باب لا یوذی جارہ۔

بھی اچھا نہیں پکاتی تھیں[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خانگی انتظام حضرت بلال رضؓ کے سپرد تھا، وہی سال بھر کا غلّہ تقسیم کرتے تھے، ضرورت کے وقت باہر سے قرض لاتے[2] تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی ہے تو سارا عرب مسخر ہو چکا تھا، اور تمام صوبوں سے بیت المال میں خزانے کے خزانے لدے چلے آتے تھے، تاہم جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، اُس دن حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں ایک دِن کے گذارے کا سامان بھی نہ تھا[3]۔

عہدِ صدیقی میں بدستور خیبر کی پیداوار سے مقررہ غلّہ ملتا رہا، حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانے میں سب کے نقد وظائف مقرر کر دیئے، دیگر ازواج کو دس ہزار درم سالانہ ملتا تھا، لیکن حضرت عائشہ رضؓ بارہ ہزار پاتی تھیں[4]۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانہ میں اختیار دیا تھا کہ خواہ وہ غلّہ لیں خواہ زمین لے لیں، حضرت عائشہ رضؓ نے زمین لے لی (بخاری باب المزارعہ بالشطر) لیکن اس رقم کا اکثر حصّہ فقرا اور مساکین پر وقف تھا، حضرت عثمان رضؓ، حضرت علی رضؓ اور حضرت امیر معاویہ رضؓ کے زمانہ میں بھی غالباً یہی طریقہ قائم رہا حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ جو امیر معاویہ رضؓ کے بعد خلیفہ حجاز ہوئے، وہ حضرت عائشہ رضؓ کے بھانجے تھے، وہ خالہ کے تمام مصارف کے ذمّہ دار تھے، لیکن جس دن بیت المال سے وظیفہ آتا، اسی دن شام کو گھر میں فاقہ ہوتا[5]۔

معاشرتِ ازدواجی

عورت کے متعلّق مشرق و مغرب کا مذاق باہم نہایت مختلف ہے مشرق میں عورت کی محبّت دامنِ تقدّس کا داغ ہے، وہ فقط ایوانِ عیش کی شمعِ دلفروز ہے، جس کی روشنی

---

[1] ابوداؤد باب من افسد شیئاً یعزم مثلہ، [2] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین، [3] ترمذی ص ۴۰۷ مطبع العلوم دہلی، [4] مستدرک للحاکم ذکر عائشہ فی الصحابیات، [5] صحیح بخاری باب مناقب قریش،

عزلت نشینانِ حریمِ قدس کے تنگ حجروں کو اور بھی تاریک کر دیتی ہے۔

دُوسری طرف محبّت کیشِ مغرب اس کو خدا سمجھتا ہے یا خدا کے برابر جانتا ہے اور کہتا ہے کہ "جو عورت کی مرضی وہ خدا کی مرضی" یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے معقول ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اُس نے عورت کا کیا درجہ قائم کیا ہے۔

اسلام کا صراطِ مستقیم افراط و تفریط کے وسط سے نکلا ہے، وہ نہ عورت کو خدا جانتا ہے نہ زندگی کی راہ کا کانٹا سمجھتا ہے، اس نے عورت کی بہترین تعریف یہ کی کہ وہ مرد کے لئے اس کشمکش گاہ عالم میں تسکین و تسلّی کی رُوح ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ۔ (روم ۳)	اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری جنس سے تمھاری بیویاں پیدا کیں کہ تم انکے پاس پہنچکر تسلّی پاؤ اور اسی نے تم دونوں کے درمیان لُطف و محبت پیدا کیا

بہر حال اس موقع پر یہ بحث مقصود نہیں کہ اسلام میں عورت کا کیا درجہ ہے اور اس کے کیا حقوق ہیں یہاں ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضؓ کی خانگی زندگی میں عملاً ازدواجی زندگی کا کیا حال تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ [۱]	تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے سب سے اچھا ہے اور میں اپنی بیویوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔

اس کی عملی تصدیق اس سے ہوگی کہ حضرت عائشہ رضؓ کی ازدواجی زندگی نو برس تک قائم رہی، لیکن اس طویل مدّت میں واقعۂ ایلاء کے سوا کوئی واقعہ باہمی غیر معمولی کشیدگی کا پیش

---

[۱] صحیح بخاری دوم۔ باب حسن المعاشرہ۔

نہیں آیا، ہمیشہ لطف ومحبّت اور باہمی ہمدردی وخلوص کی معاشرت قائم رہی خصوصًا جب یہ تصوّر کیا جائے کہ خاندان نبوّت کی دُنیاوی زندگی کس عسرت اور فقر وفاقہ سے گذری تھی تو اس لطف ومحبّت کی قدر اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

بیوی سے محبّت | آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت عائشہ رضؓ سے نہایت محبّت رکھتے تھے اور یہ تمام صحابہ کو معلوم تھا، چنانچہ لوگ قصدًا ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے جس روز حضرت عائشہ رضؓ کے ہاں قیام کی باری ہوتی[1]، اور ازواج مطہرات کو اس کا ملال ہوتا، لیکن کوئی ٹوکنے کی ہمّت نہیں کرتا تھا، آخر سب نے مل کر حضرت فاطمہ رضؓ کو آمادہ کیا، وہ پیام لیکر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آئیں، آپ نے فرمایا لختِ جگر! جس کو میں چاہوں اس کو تُم نہیں چاہو گی، سیّدہ عالم کے لئے اِتنا ہی کافی تھا، وہ واپس چلی آئیں، ازواج نے پھر بھیجنا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئیں[2]۔ آخر لوگوں نے حضرت ام سلمہ رضؓ کو بیچ میں ڈالا، وہ نہایت سنجیدہ اور متین بی بی تھیں، انھوں نے موقع پاکر متانت اور سنجیدگی کے ساتھ درخواست پیش کی، آپ نے فرمایا "ام سلمہ رضؓ مجھ کو عائشہ رضؓ کے معاملے میں دق نہ کرو، کیونکہ عائشہ رضؓ کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی[3]"۔

ایک دفعہ کہیں سے کوئی ہار آیا، آپ نے فرمایا "یہ میں اس کو دوں گا جو دنیا میں مجھ کو سب سے محبوب ہوگا، سب نے کہا یہ ابن قحافہ کی بیٹی (عائشہ رضؓ) کے ہاتھ لگا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک وخالص محبّت رنگین لباسوں اور طلائی زیوروں کے پردہ میں کبھی نہیں ہوئی، اس لئے آپ نے وہ ہار اپنی کمسن نواسی حضرت زینب رضؓ کی صاحبزادی عمامہ رضؓ کو عنایت فرمایا[4]۔

حضرت عمرؓ ابن العاص جب غزوہ سلاسل سے واپس آئے، تو دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ دُنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں"، ارشاد ہوا کہ "عائشہ کو" عرض کی یا رسُول اللہ!

---

[1] صحیح بخاری دوم، باب حسن المعاشرۃ فضل عائشہؓ [2] باب الهدایہ، [3] نسائی حب الرجل بعض نسائہ
[4] مسند ۶ ص ۱۰۱۔

مردوں کی نسبت سوال ہی" فرمایا "عائشہ رضؓ کے باپ[1] کو" ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو سمجھایا کہ عائشہ رضؓ کی ریس نہ کیا کرو، وہ تو حضورؐ کو محبوب[2] ہے"۔

ایک دفعہ ایک سفر میں حضرت عائشہ رضؓ کی سواری کا اونٹ بدک گیا اور ان کو لے کر ایک طرف کو بھاگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار زبان مبارک سے نکل گیا، وا عروساہ[3] ہائے میری دلہن۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے حضرت عائشہ رضؓ کے سر میں درد تھا، اس لئے کراہ رہی تھیں، آپ نے فرمایا" ہائے میرا سر" اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شروع ہوئی اور یہی آپ کا مرض الموت[4] تھا، مرض الموت میں بار بار دریافت فرماتے تھے کہ آج کونسا دن ہے، لوگ سمجھ گئے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی باری کا انتظار[5] ہے، چنانچہ آپ کو لوگ ان کے حجرے میں لے گئے اور آپ تا وفات وہیں مقیم رہے اور وہیں حضرت عائشہ رضؓ کے زانو پر سر رکھے ہوئے وفات[6] پائی۔

فرمایا کرتے تھے کہ "الٰہی جو چیز میرے امکان میں ہے (یعنی بیویوں میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس عدل سے باز نہیں آتا، لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (یعنی عائشہ کی قدر و قیمت) اس کو معاف کرنا[7]۔

عام لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ کو حضرت عائشہ رضؓ سے محبت حسن و جمال کی بنا پر تھی، حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے، ازواج مطہرات میں حضرت زینب رضؓ، حضرت جویریہ رضؓ اور حضرت صفیہ رضؓ بھی حسین تھیں، ان کے محاسن ظاہری کی تعریف، احادیث اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں موجود ہے اور اسی کے ساتھ کمسن اور گویا کنواری[8] بھی تھیں، لیکن حسن و جمال کی حیثیت سے حضرت عائشہ رضؓ

---

[1] صحیح بخاری مناقب ابی بکر ۵۱، [2] صحیح بخاری ص ۷۸۵، حب الرجل بعض نسائہ، [3] مسند ۶ ص ۲۴۸
[4] صحیح بخاری ص ۸۴۶ کتاب المرضیٰ و مسند ص ۲۲۸، [5] صحیح بخاری ص ۱۸۶ ما جار فی قبر النبی، [6] صحیح بخاری ص ۶۴۰ باب مرض النبی، [7] ابو داؤد وغیرہ باب القسم بین الزوجات، [8] زرقانی وغیرہ، کتب سیر میں انکی عمر و حالات

کے متعلق ایک دو موقع کے سوا حدیث و تاریخ و سیر میں ایک حرف مذکور نہیں، ایک مستثنیٰ موقع یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حفصہؓ سے کہا تھا کہ "تم عائشہؓ کی ریس نہ کرو کہ وہ تم سے خوبصورت ہی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاری ہے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کا یہ فقرہ سنا تو تبسم فرمایا[۱]۔ بہرحال اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہی کہ وہ حضرت حفصہؓ پر ترجیح رکھتی تھیں، اصل یہ ہی کہ خود حضرت عائشہؓ راوی ہیں[۲] اور صحیح مسلم و ابوداؤد اور کتاب النکاح میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہی کہ آپ نے فرمایا "شادی کے لئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہو سکتا ہے، دولت[۱]، حُسن و جمال[۲]، حسب و نسب[۳]، اور دینداری[۴]، تم دیندار کی تلاش کرو" اس لئے ازواج میں وہی زیادہ منظور نظر ہوتیں جن سے دین کی خدمت سب سے زیادہ بن آسکتی تھی، حضرت عائشہؓ فہم مسائل، اجتہاد فکر اور حفظ احکام میں تمام ازواج سے ممتاز تھیں، اس بنا پر شوہر کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب تھیں، علامہ ابن حزم نے ملل ونحل میں اس مبحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور اس نتیجہ کو بدلائل ثابت کیا ہی[۳]، صحاح میں مروی ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کمل من الرجل کثیر ولم یکمل	مردوں میں تو بہت کامل گذرے لیکن مریم
من النساء غیر مریم بنت عمران	بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے سوا
وآسیۃ امرأۃ فرعون وانّ	عورتوں میں کوئی کامل نہ ہوئی اور عائشہؓ
فضل عائشۃ علی النسا کفضل	کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح
الثرید علی سائر الطعام[۴]	ثرید کو تمام کھانوں پر۔

اس حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس محبت اور قدر و منزلت کا باعث کیا تھا۔

ظاہری حسن و جمال یا باطنی فضل و کمال، باطنی کمالات میں حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت ام سلمہؓ

۱؎ صحیح بخاری باب موعظۃ الرجل ابنتہ بحال زوجہا، ۲؎ ابن حنبل مسند عائشہؓ ص ۱۵۲۔

۳؎ ملل ونحل بحث فضلیت صحابہؓ، ۴؎ صحیح مسلم باب فضل خدیجہؓ۔

کا درجہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھیں حالانکہ عمر کے لحاظ سے وہ مسن تھیں، حضرت خدیجہ رضؓ ساٹھ برس کی ہو کر مریں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں انکی محبت[1] اس شدت سے قائم رہی کہ حضرت عائشہ رضؓ کو بھی اس پر رشک آتا تھا، چنانچہ ایکبار حضرت عائشہ رضؓ نے بُرے طریقہ سے ان کا نام لیا تو آپ نے برہمی ظاہر فرمائی[2]۔

شوہر سے محبت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف محبت تھی بلکہ شغف و عشق تھا، اس محبت کا کوئی اور دعویٰ کرتا تو ان کو ملال ہوتا تھا، چنانچہ باہم ازواج مطہراتؓ میں اس کا بڑا خیال تھا، تفصیل آگے آتی ہے، کبھی راتوں کو حضرت عائشہ رضؓ بیدار ہوتیں اور آپ کو پہلو میں نہ پاتیں تو بے قرار ہو جاتیں، ایک بار شب کو آنکھ کھلی تو آپ کو نہ پایا، راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں[3] جلتے تھے، اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگیں، آخر ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مُبارک ملا، دیکھا تو آپ سر بسجود مناجاتِ الٰہی میں مصروف[4] ہیں، ایک دفعہ یہی واقعہ پیش آیا، تو شک سے خیال کیا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں، اُٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں، دیکھا تو آپ تسبیح و تحلیل میں مصروف ہیں، اپنے قصور پر نادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکل گیا "میرے ماں باپ قربان، مَیں کس خیال میں ہوں اور آپ کس عالم میں ہیں[5]"۔

ایک شب کا اور واقعہ ہے کہ آنکھ کھُلی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا، شب کا نصف حصہ گذر چکا تھا، اِدھر اُدھر ڈھونڈا، لیکن محبُوب کا جلوہ نظر نہیں آیا، آخر تلاش کرتی ہوئی قبرستان پہنچیں، دیکھا تو آپ دُعا و استغفار میں مشغول ہیں، اُلٹے پاؤں واپس آئیں اور صبح کو آپؐ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا، آپؐ نے فرمایا، ہاں رات کوئی کالی کالی چیز سامنے جاتی معلوم

---

[1] بخاری و مُسلم باب فضائل خدیجہ رضؓ۔ [2] صحیح بخاری باب التطوع خلف المرأۃ و موطا باب صلوٰۃ اللیل

[3] موطا امام مالک باب ماجار فی الدعار،

[4] نسائی باب الغیرۃ و باب الدعا فی السجود،

ہوتی تھی، وہ تم ہی تھیں[1]۔

ایک سفر میں حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ دونوں آپ کے ساتھ تھیں، رات کو بلانا غہ آپ حضرت عائشہ رضؓ کی محمل میں تشریف لاتے اور جب تک قافلہ چلا کرتا، باتیں کیا کرتے، ایک دن حضرت حفصہ رضؓ نے کہا لاؤ ہم دونوں اپنا اپنا اونٹ بدل لیں، رات ہوئی تو حسب معمول آپ حضرت عائشہ رضؓ کے محمل میں تشریف لائے، دیکھا تو حضرت حفصہ رضؓ تھیں، آپ سلام کر کے بیٹھ گئے، حضرت عائشہ رضؓ تشریف آوری کی منتظر تھیں، جب قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عائشہ رضؓ سے ضبط نہ ہو سکا، محمل سے اُتر پڑیں، دونوں پاؤں گھاس پر رکھ دیئے اور بولیں خداوندا میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی، تو کوئی بچھو یا سانپ بھیج جو مجھ کو آکر ڈس لے[2]"

دیکھو اس فقرہ میں کس قدر نسوانی خصوصیات کی جھلک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلاء کر لیا تھا، یعنی عہد کر لیا تھا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہرات کے پاس نہ آئیں گے، باہر حجرہ سے متصل حضرت عائشہ رضؓ کا ایک مردانہ بالاخانہ تھا وہیں قیام فرما تھے، تمام بیبیاں گریہ وزاری میں مصروف تھیں[3]، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی وہاں جا بھی نہیں سکتی تھیں، حضرت عائشہ رضؓ کا یہ حال تھا کہ مہینہ گذرنے کے انتظار میں ایک ایک دن گنتی تھیں[4]، مہینہ جب ختم ہوا تو سب سے پہلے آپ انہی کے کمرے میں تشریف لائے۔

چونکہ ازواجِ مطہرات میں مختلف درجوں کی عورتیں تھیں، بعض بعض امرا اور رئیس گھرانوں کی بیٹیاں تھیں اور وہ اس طرح فقیرانہ زندگی بسر کرنے پر راضی نہ تھیں، اس بنا پر تخییر کی آیت نازل ہوئی کہ جو چاہے اس شرف کو قبول کرے اور جو چاہے خانۂ نبوت سے الگ ہو جائے، ازواجِ

---

[1] حدیث کی مختلف کتابوں میں کسی قدر اختلاف ہے مگر مقصد ایک ہے، صحاح میں باب زیارۃ القبور دیکھیے خصوصاً نسائی بابُ الاستغفار للمومنین و باب الغیرۃ، [2] صحیح بخاری ص ۷۸۵، باب القرعہ بین النسآ۔

[3] صحیح بخاری ص ۷۸۳، باب ہجرۃ النبی نسائہ، [4] ایضاً ص ۳۳۵، باب الغرفۃ۔

مطہرات میں کون ایسی بد قسمت تھی جو کنارہ کشی پسند کرتی، سب نے بخوشی اسی زندگی کو ترجیح دی، لیکن سب سے پہلے حضرت عائشہ رضؓ نے ہی ابتدا کی، اور فضل تقدم کے لئے منع کر دیا کہ یا رسول اللہ میرا جواب کسی کو نہ بتائیے گا[1]۔ اس فقرہ میں نسوانی فطرت کی جھلک نمایاں ہے۔

اسی کشمکش کے آخر زمانہ میں ارجار کی آیت نازل ہوئی یعنی جس بی بی کو آپ چاہیں رکھیں اور جس کو چاہیں الگ کر دیں، گو آپ نے اپنے فطری رحم و مروّت کی بنا پر کسی کو الگ کرنا گوارا نہ فرمایا، لیکن یہ اختیار بہر حال حاصل ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ کہا کرتی تھیں، یا رسول اللہ اگر یہ اختیار مجھ کو عطا ہوا ہوتا تو میں اس شرف میں کسی اور کو ترجیح نہیں دیتی[2]

غزوۂ موتہ میں حضرت جعفر طیار رضؓ کی شہادت کی خبر آئی تو آپ کو سخت ملال ہوا اسلام میں نوحہ ممنوع ہے، ایک صاحب نے آکر اطلاع دی کہ حضرت جعفر رضؓ کے ہاں عورتیں نوحہ کر رہی ہیں آپ نے فرمایا منع کر دو، وہ گئے اور واپس آئے کہ نہیں مانتیں، آپ نے فرمایا ان کے منھ میں خاک ڈالدو، وہ پھر گئے اور واپس آکر کچھ کہنے لگے، حضرت عائشہ رضؓ دروازہ کی دراز سے دیکھ رہی تھیں اور بیقرار ہو رہی تھیں کہ نہ یہ صاحب جو آپ کہتے ہیں وہ کرتے، اور نہ آپ کی جان چھوڑ کر جاتے[3]،

آپ اکثر حضرت عائشہ رضؓ کے زانو پر سر رکھے سو جاتے، آپ ایک دفعہ اسی طرح آرام فرما رہے تھے کہ ایک خاص سبب سے حضرت ابو بکر رضؓ غصہ میں اندر تشریف لائے اور بیٹی کے پہلو میں کونچا دیا حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ میں صرف اس خیال سے نہیں ہلی کہ آپ کے خوابِ راحت میں خلل واقع ہوگا[4]

بیوی کی مدارات | آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی انسانی معاشرت کے لئے نمونہ تھی اس بنا پر صرف اس تعلیم کے لئے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی خوشنودی کی کس طرح کوشش کرنی چاہیئے

---

[1] صحیح بخاری ص ایلا، روایت عائشہ، [2] ایضاً تفسیر سورۂ احزاب و مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱۲۶
[3] صحیح بخاری کتاب الجنائز، [4] صحیح بخاری باب تیمم۔

آپ کبھی کبھی ان کے ساتھ غیر معمولی انبساط کے ساتھ پیش آتے تھے، چنانچہ اُوپر گذر چکا ہے کہ آپ حضرت عائشہ رضؓ کے کھیل کُود پر بھی مسرّت ظاہر فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش فرمائی تھی، اس کی شادی ہونے لگی تو اس تقریب کو معمُولی سادگی کے ساتھ انجام دینے لگیں، آپ باہر سے تشریف لائے تو فرمایا، "عائشہ گیت اور راگ تو ہے نہیں"[1]۔

ایک دفعہ عید کا دِن تھا، حبشی عید کی خوشی میں نیزے ہِلا ہِلا کر پہلوانی کے کرتب دکھا رہے تھے، حضرت عائشہ رضؓ نے یہ تماشہ دیکھنا چاہا آپ آگے اور وہ پیچھے کھڑی ہوگئیں، اور جب تک وہ خود تھک کر نہ ہٹ گئیں، آپ برابر اوٹ کیے کھڑے رہے[2]۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں، اتفاق سے حضرت ابوبکر رضؓ آگئے، انھوں نے یہ گستاخی دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ بیٹی کو مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فوراً آڑے آگئے۔ جب حضرت ابوبکر رضؓ چلے گئے، تو فرمایا کہو میں نے تم کو کیسا بچایا[3]۔

ایک دفعہ ایک لونڈی کو لئے ہوئے آپ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس تشریف لائے، پھر پُوچھا کہ تم اس کو پہچانتی ہو، عرض کی نہیں، یا رسُول اللہ! فرمایا کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے، تم اس کا گانا سُننا چاہتی ہو، انھوں نے اپنی مرضی ظاہر کی، وہ تھوڑی دیر تک گاتی رہی، آپ نے گانا سُنکر فرمایا، اس کے نتھنوں میں شیطان باجا بجاتا ہے، یعنی اس قسم کے گانے کو آپنے بذاتہٖ مکروہ سمجھا[4]۔

دِل بہلانا | کبھی کبھی دل بہلانے کو آپؐ کہانی بھی کہا کرتے تھے[1]۔ ایک دفعہ

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۲۶۹ و بخاری کتاب النکاح و فتح الباری [2] صحیح بخاری باب حسن المعاشرۃ

[3] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجا، فی المزاح [4] مسند احمد (عائشہ رضؓ)

اثنائے گفتگو میں خرافہ کا نام آیا، فرمایا خرافہ کو جانتی ہو کون تھا؟ قبیلہ عذرہ کا ایک آدمی تھا، اس کو جن اٹھا کر لے گئے، وہاں اس نے جو بڑے بڑے عجائبات دیکھے تھے واپس آکر ان کو لوگوں سے بیان کیا تھا، اس بنا پر جب کوئی عجیب بات آپ لوگ سُنتے ہیں تو کہتے ہیں یہ تو خرافہ کی بات ہے[1] (ہماری زبان میں اسی کی جمع خرافات مستعمل ہے)

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ نے کہانی کہنی شروع کی[2]، اس کہانی میں عبارت کی جو خوبی ہے اس کا بیان تو کہیں اور آئے گا، یہاں صرف نفس قصہ کا ترجمہ کیا جاتا ہے، کہ عرب کا مذاق قائم رہے۔

ایک دن گیارہ سہیلیاں ایک جگہ مل کر بیٹھی تھیں، باہم طے پایا کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہر کا حال بے کم و کاست کہہ سنائے، پہلی بولی کہ میرا شوہر اونٹ کا وہ گوشت ہے، جو کسی پہاڑ پر رکھا ہو، نہ میدان ہے کہ کوئی وہاں تک پہنچ جائے، اور نہ گوشت ہی اچھا ہے کہ اس کو کوئی اٹھالے جائے۔ دوسری نے کہا میں اپنے شوہر کا حال نہیں بیان کروں گی، اگر بیان کروں تو اس قدر لمبا ہے کہ ڈر ہے کہ کچھ چھوڑ نہ دوں، اور اندر باہر کا سب حال نہ کہدوں، تیسری نے کہا میرا شوہر بڑا سخت ہے بولوں تو طلاق پاجاؤں اور چُپ رہوں تو سمجھو کہ بیاہی ہوں نہ بن بیاہی، چوتھی بولی میرا شوہر حجاز کی رات ہے نہ گرم نہ سرد، نہ ڈر ہے نہ ملال، پانچویں نے کہا میرا شوہر گھر آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے باہر جاتا ہے تو شیر ہو جاتا ہے، جو وعدہ کرے اس میں پھر پوچھنے کی حاجت نہیں، چھٹی نے کہا میرا شوہر ساتھ کھاتا ہے تو اکیلا سب چٹ کر جاتا ہے، پیتا ہے تو سب سڑپ جاتا ہے لیٹتا ہے تو سب خود اوڑھ لیتا ہے، کبھی دریافت حال کے لئے ہاتھ اندر نہیں کرتا،

---

[1] شمائل ترمذی باب حدیث خرافہ و مسند احمد جلد ۶ ص ۱۵۷۔ [2] نسائی نے یہ کہانی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے۔

ساتویں نے کہا میرا شوہر بے وقوف اور نامرد ہے، کبھی سر پھوڑ دے، کبھی کچھ توڑ دے، آٹھویں نے کہا میرا شوہر چھونے میں خرگوش (نرم و گداز) اور سونگھنے میں کوسم ہے نویں نے کہا میرے شوہر کا بڑا مکان ہے، امیر ہے اس کی تلوار کا پرتلا لنبا ہے (بلند و بالا ہے) اس کے چولھے میں راکھ کا ڈھیر[1] ہوتا ہے، (فیاض ہے) دسویں نے کہا میرا شوہر مالک ہے اور تم مالک کو کیا سمجھیں، وہ ان سب سے بہتر ہے، اسکے اونٹوں کا بڑا گلہ ہے، وہ گھر میں پڑے رہتے ہیں، چرنے کو نہیں جاتے[2] باجے کی آواز سُن لیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ موت کا دن آگیا[3] گیارھویں نے اپنی بڑی لمبی کہانی شروع کی، میرے شوہر کا نام ابوزرع ہے، تم ابوزرع کو کیا سمجھیں، اس نے زیوروں سے میرے کان، اور چربی سے میرے بازو بھر دیئے، مسرت سے میرا دل خوش کردیا، بکری والوں کے گھرانے میں مجھے پایا، لیکن ہنہنانے والے گھوڑوں بلبلانے والے اونٹوں، غلہ ملنے والوں اور پھٹکنے والوں مزدوروں میں لاکر مجھے رکھدیا، بولتی ہوں تو کوئی برا نہیں کہتا، سوتی ہوں تو صبح کردیتی ہوں، پیتی ہوں تو سب پی جاتی ہوں، ام ابی زرع ام ابی زرع کیسی ہے؟ اس کے کپڑوں کی گٹھری بھاری، اور اس کے رہنے کا گھر وسیع ہے، ابوزرع کا بیٹا، ابوزرع کا بیٹا کیسا ہے؟ سوتا ہے تو ننگی تلوار معلوم ہوتا ہے، کھاتا ہے تو حلوان کا دست کھاتا ہے، ابوزرع کی بیٹی! ابوزرع کی بیٹی کیسی ہے؟ والدین کی فرمانبردار اور سوکن کے لئے رشک، ابوزرع کی لونڈی! ابوزرع کی لونڈی کیسی ہے؟ کہیں گھر کی کوئی بات باہر نہیں دہراتی، اناج کو فضول نہیں برباد کرتی، گھر کو کوڑا کرکٹ سے نہیں بھرتی۔

---

[1] عرب میں یہ فیاضی کے بیان کا طریقہ ہے۔ [2] اس خیال سے کہ خدا جانے مہمان کس وقت آجائے اور ان کے ذبح کرنے کی ضرورت پڑے۔ [3] یعنی کوئی تقریب ہے، اس میں ذبح ہونا ہوگا، صحیح بخاری ص ۸۰ ، باب حسن المعاشرة۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تحمل کے ساتھ دیر تک یہ کہانی سُنتے رہے، پھر فرمایا عائشہ! میں تمھارے لئے ویسا ہی ہوں، جیسا ابوزرع ام زرع کے لئے، لیکن عین اس وقت جب آپ اسی قسم کی لطف و محبت کی باتوں میں مصروف ہوتے، دفعۃً اذان کی آواز آتی، آپ اُٹھ کھڑے ہوتے، حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ پھر یہ معلوم ہوتا کہ آپ ہم کو پہچانتے ہی نہیں[1]۔

ساتھ کھانا آپ اکثر حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ ایک دستر خوان، بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمر رضؓ گزرے، آپ نے ان کو بھی بُلا لیا، اور تینوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا[2]، اس وقت تک پردہ کا حکم نہیں آیا تھا، کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ وہی ہڈی چوستے جسکو حضرت عائشہ رضؓ چوستی تھیں، پیالہ میں وہیں پر مُنھ رکھکر پیتے تھے، جہاں حضرت عائشہ رضؓ مُنھ لگاتی تھیں[3]۔ ایک دفعہ دونوں ساتھ کھانے میں مصروف تھے کہ حضرت سودہ رضؓ شکایت لیکر پہنچیں کہ عمر رضؓ مجھ کو ضرورت سے بھی باہر نکلنے میں ٹوکتے ہیں[4]، راتوں کو گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا، اس لئے کبھی کبھی دونوں کا ہاتھ ایک ہی بوٹی پر پڑ جاتا تھا[5]۔

ایک دفعہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپ کی دعوت کی، آپنے فرمایا عائشہ رضؓ بھی ہونگی، اس نے کہا نہیں، ارشاد ہوا تو میں بھی قبول نہیں کرتا، میزبان دوبارہ آیا، اور پھر یہی سوال و جواب ہُوا، اور وہ واپس چلا گیا، تیسری دفعہ پھر آیا، آپنے پھر فرمایا، عائشہ کی بھی دعوت ہے، عرض کی "جی ہاں"، اس کے بعد آپ اور حضرت عائشہ رضؓ اسکے گھر گئے[6]۔

---

[1] یہ واقعہ امام غزالی نے احیاء العلوم باب اشتراط الخشوع میں نقل کیا ہے، بخاری باب کیف یکون الرجل فی اہلہ میں اس کے قریب قریب ایک حدیث ہے۔ [2] معجم طبرانی صفحہ ۵۴ و ادب المفرد امام بخاری باب اکل الرجل مع امرأتہ [3] مسند جلد ۶ صفحہ ۶۴ و سنن ابو داؤد باب مواکلۃ الحائض۔ [4] صحیح بخاری کتاب النکاح باب خروج النساء، [5] مسند احمد جلد ص ۲۱۷، [6] یہ واقعہ غالباً ہجرت کے اوائل سال کا ہوگا۔ محدثین بیان کرتے ہیں (۴۴)

ہم سفری سفر میں تمام ازواج تو ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں، اور کسی کو خاص طور پر ترجیح دینا بھی خلاف انصاف تھا، اس بنا پر آپ سفر کے وقت قرعہ ڈالتے تھے جن کا نام آتا وہ شرفِ ہمرہی سے ممتاز ہوتیں[۱]۔ حضرت عائشہ رض بھی متعدد سفروں میں آپکے ساتھ رہی ہیں، غزوۂ بنی المصطلق میں ساتھ ہونا تو یقینی طور پر ثابت ہے، انہی میں وہ سفر بھی ہے جس میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے اونٹ کے بدلنے کا واقعہ پیش آیا تھا، ایک اور ہم سفری کا واقعہ احادیث میں مذکور ہے جس میں حضرت عائشہ رض دوڑی تھیں۔

غزوۂ بنی المصطلق کے سفر میں دو عجیب واقعے پیش آئے اور دونوں میں خدائے پاک نے حضرت عائشہ رض کو امتیاز و شرف کی لازوال دولت بخشی، پہلے واقعہ کا نتیجہ حکم تیمم کا نزول ہے اور دوسرے واقعہ میں معصوم اور پاکباز عورتوں کی برأت کا قانون ہے (تفصیل آگے آتی ہے) مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ کے سفر میں بھی حضرت عائشہ ہمراہ تھیں[۲]، اور حجۃ الوداع میں تو اکثر ازواج ساتھ تھیں جنمیں ایک یہ بھی تھیں۔

ساتھ دوڑنا آپ کو شہسواری اور تیراندازی کا بہت شوق تھا صحابہ رض کو اس کی ترغیب دیتے تھے، اور خود اپنے سامنے لوگوں سے اسکی مشق کراتے تھے، ایک غزوہ میں حضرت عائشہ رفیقِ سفر تھیں، تمام صحابہ کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا، حضرت عائشہ رض سے فرمایا

۴۴۔ کہ آپکے تنہا دعوت نہ قبول کرنیکی وجہ یہ تھی کہ اس روز خانہ نبوی میں فاقہ تھا، آپنے مروّت اور لطف و اخلاق سے دُور سمجھا کہ گھر میں بیوی کو بھوکا چھوڑ کر خود شکم سیر کریں، پڑوسی نے اس لئے دو دفعہ انکار کیا کہ اس کے ہاں سامان ایک ہی آدمی کے لئے تھا، تیسری دفعہ کچھ سامان کر کے حاضر ہوا۔ فقہائے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بے تکلف دوستوں سے آنکا دعوت یا کسی اور مہمان کے بڑھانے کے لئے اصرار کرنا جائز ہے، یہ حدیث صحیح مسلم کتاب الاطعمہ میں ہے، نووی بھی دیکھنا چاہیئے۔

[۱] صحیح بخاری باب القرعہ بین النسار + [۲] مسند عائشہ رض جلد ۶۔

آؤ دوڑیں، دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے، یہ دُبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں، کئی سال کے بعد اسی قسم کا ایک موقع پھر آیا، حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ اب میں بھاری ہو گئی تھی، اب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے۔ فرمایا عائشہ یہ اس دن کا جواب[1] ہے۔

نازو انداز دریائے محبت کی بہت سی لہریں عورت کے خالص نسوانی خصوصیات کے اندر پنہاں ہیں، نازو انداز عورت کی فطرت ہے، اس قسم کے واقعات جو احادیث میں مذکور ہیں، لوگ ان کو قابلِ تقلید سمجھتے ہیں، وہ ان کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ایک امتی کا اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ خطاب ہے اور اس کو بھول جاتے ہیں کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے باتیں کر رہی ہے۔

چنانچہ اس قسم کے جو چند واقعات صحاح میں ہیں وہ اسی حیثیت کے ہیں اور انکو اسی نظر سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیئے، فرماتی ہیں کہ جب یہ حکم اترا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو پیغمبر کے حوالے کر دے (یعنی مہر معاف کر کے زوجیت میں داخل ہو) تو جائز ہے تو مجھے غیرت آئی کہ کیا کوئی عورت ایسا بھی کر سکتی ہے، لیکن جب ارجاء کی آیت اُتری، جس میں آپ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپ جس بیوی کو چاہیں اپنے پاس بُلائیں یا اس کے پاس رات گذاریں، اور جس کو چاہیں نہ بلائیں، تو میں نے کہا کہ "آپ کا خدا دیکھتی ہوں کہ آپ کی ہر خواہش کو جلد پوری کرتا ہے[2]"، حضرت عائشہ رضؓ کے اس قول کا منشاء نعوذ باللہ اعتراض نہیں، بلکہ بیوی کا محبوبانہ ناز ہے خواصِ امت کے نزدیک حضرت عائشہ رضؓ کے قول کا مطلب اور ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی خواہشوں کو بھی پورا فرما دیتا ہے، اور اس سے مقصود اس کی جمعیت خاطر ہوتی ہے تاکہ وہ دلجمعی سے اپنے کام میں لگا رہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس اجازت الٰہی کے

---

[1] سنن ابی داؤد، باب السبق، [2] صحیح بخاری تفسیر احزاب۔

بعد بھی یہی رہا، آپ ہر روز ازواج سے باری کی اجازت طلب فرمالیا کرتے تھے[۱]

آپ حضرت خدیجہ رض کو اکثر یاد کیا کرتے تھے جس سے دوسری مدعی محبت بیویوں کو تکلیف ہوتی تھی، ایک بار آپ اسی طرح ان کا تذکرہ فرمارہے تھے کہ حضرت عائشہ رض بول اٹھیں یا رسول اللہ! آپ کیا اس بڑھیا کا بار بار ذکر چھیڑا کرتے ہیں، خدا نے آپ کو اس سے اچھی بیویاں دی ہیں، آپنے فرمایا مجھ کو خدا نے اسی سے اولاد دی[۲]، یہی روایت مسند ابن حنبل میں اس طرح ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رض کی تعریف شروع کی اور بہت دیر تک تعریف فرماتے رہے، حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ مجھے اس پر رشک آیا، تو میں نے کہا یا رسول اللہ آپ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت کا جس کے ہونٹ لال تھے اور جس کے مرے ہوئے ایک زمانہ ہوچکا، اتنی دیر سے اتنی تعریف فرمارہے ہیں، آپ کو اس سے بہتر بیویاں خدا نے دی ہیں، یہ سن کر حضور کے چہرے کا رنگ بدل گیا، پھر فرمایا یہ میری وہ بیوی تھیں کہ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو وہ ایمان لائی اور جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے تو اس نے میری تصدیق کی، اور جب لوگ مجھے اپنی امداد سے محروم کر رہے تھے تو اس نے اپنی دولت سے میری غم خواری کی اور اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد روزی کی جبکہ دوسری بیویوں سے اولاد سے مجھے محروم کیا، (مسند ابن حنبل جلد ۶ مسند عائشہ ص ۱۱۸ و ۱۵۰)

ایک دفعہ حضرت عائشہ رض کے سر میں درد تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض الموت شروع ہو رہا تھا، آپنے فرمایا کہ اگر تم میرے سامنے مرتیں، تو میں تم کو اپنے ہاتھ سے غسل دیتا، اور اپنے ہاتھ سے تمھاری تجہیز و تکفین کرتا، تمھارے لئے دعا کرتا، عرض کی: یا رسول اللہ آپ میری موت مناتے ہیں، اگر ایسا ہو جائے تو آپ اسی حجرے میں نئی بیوی لا کر رکھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تبسم فرمایا[۳]

---

[۱] صحیح بخاری تفسیر احزاب [۲] صحیح بخاری فضل خدیجہ رض، [۳] صحیح بخاری ص ۸۴۶ کتاب المرض و مسند جلد ۶ ص ۲۲۸

کہیں سے کوئی قیدی گرفتار ہو کر آیا، اور وہ حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں بند تھا یہ ادھر عورتوں سے باتیں کر رہی تھیں، وہ ادھر لوگوں کو غافل پا کر نکل بھاگا، آپ تشریف لائے تو گھر میں قیدی کو نہ پایا، دریافت کیا تو واقعہ معلوم ہوا، غصّہ میں فرمایا، "تمھارے ہاتھ کٹ جائیں"۔ پھر باہر نکلکر صحابہ کو خبر کی، وہ گرفتار ہو کر آیا، آپ جب اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ رضؓ اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی ہیں، پوچھا عائشہ کیا کرتی ہو عرض کی "دیکھتی ہوں کون ہاتھ کٹے گا"۔ آپ متاثر ہوئے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے [۱]۔

ایک دن در پردہ عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر دو چراگاہیں ہوں، ایک اچھوتی اور دوسری چری ہوئی، تو آپ کس میں اونٹ چرانا پسند فرمائیں گے، جواب دیا پہلی میں [۲] یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ بیویوں میں صرف حضرت عائشہؓ ہی ایک کنواری تھیں۔

افک کے واقعہ میں جس کا ذکر آگے آئے گا، جب وحی سے حضرت عائشہ رضؓ کی برأت ظاہر ہوئی تو ماں نے کہا لو بیٹی اٹھو اور اپنے شوہر کے قدم لو، تنک کر بولیں میں اپنے خدا کے سوا جس نے میری برأت ظاہر کی، کسی اور کی شکر گزار نہیں ہوں۔

آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عائشہ رضؓ! جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو پتہ لگ جاتا ہے، ناراض ہوتی ہو تو "ابراہیم کے خدا کی قسم" اور خوش رہتی ہو تو "محمدؐ کے خدا کی قسم" کھاتی ہو، عرض کی یا رسول اللہ! صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں [۳]

مارگیولیوس، لائف آف محمد میں اسی واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتا ہے:

"جب محمدؐ ان کو (عائشہ رضؓ کو) ناراض کرتے، تو وہ ان کو پیغمبر خدا کہنے سے انکار کر دیتی تھیں، اور ان کی وحی پر سخت نکتہ چینی کرتی تھیں [۴]"۔

---

[۱] مسند جلد ۶ ص ۵۲، [۲] صحیح بخاری ص ۷۶، باب نکاح الابکار، [۳] صحیح بخاری صفحہ ۸۹۷ باب مایجوز من الہجران۔ [۴] مارگیولیوس کی لائف آف محمد ص ۲۵۱۔

یورپ کی عربی دانی، راست گوئی اور مذہبی بے تعصبی کی یہ کتنی اچھی مثال ہے!

خدمت گذاری گھر میں اگرچہ خادمہ موجود تھی، لیکن حضرت عائشہ رضی آپ کا کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں[1]، آٹا خود پیستی تھیں[2]، خود گوندھتی تھیں، کھانا خود پکاتی تھیں[3]، بستر اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں[4]، وضو کا پانی خود لاکر رکھتی تھیں[5]، آپ قربانی کے لئے جو اونٹ بھیجتے، اس کے لئے خود قلادہ بٹتی تھیں[6]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں اپنے ہاتھ سے کنگھا کرتی تھیں[7]، جسم مبارک میں عطر مل دیتی تھیں[8]، آپکے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوتی تھیں[9]، سوتے وقت مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں[10]، مسواک کو صفائی کی غرض سے دھویا کرتی تھیں[11]، گھر میں آپ کا کوئی مہمان آتا تو مہمانی کی خدمت انجام دیتیں، چنانچہ حضرت قیس غفاری رض جو صفہ والوں میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے فرمایا چلو عائشہ رض کے گھر چلو، جب حجرہ میں پہنچے تو فرمایا عائشہ رض ہم لوگوں کو کھانا کھلاؤ، وہ چونی کا پکا ہوا کھانا لائیں، آپ نے کھانے کی کوئی اور چیز مانگی تو چھوہارے کا حریرہ پیش کیا، پھر پینے کی چیز مانگی تو ایک بڑے پیالے میں دودھ حاضر کیا، اس کے بعد ایک اور چھوٹے پیالے میں پانی لائیں[12]۔

اطاعت اور احکام کی پیروی بیوی کا سب سے بڑا جوہر شوہر کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے، حضرت عائشہ رض نے نو برس کی شب و روز کی طویل صحبت میں آپکے کسی حکم کی کبھی مخالفت

---

[1] ادب المفرد امام بخاری باب لایوذی جارہ، [2] صحیح بخاری واقعۂ افک، [3] صحیح بخاری وابوداؤد۔
[4] شمائل ترمذی میں عام ازواج کا ذکر ہے، [5] مسند جلد ٦ ص ٦٨، [6] صحیح بخاری کتاب الحج، [7] صحیح اعتکاف، [8] صحیح بخاری حج، [9] صحیح بخاری غسل وابوداؤد باب الاعادۃ من النجاسۃ یکون فی الثواب، [10] مسند احمد جلد ٦ ص ٥٤۔
[11] ابوداؤد باب الطہارت۔
[12] ابوداؤد کتاب الادب، شاید یہ قبل حجاب کا واقعہ ہو۔

نہیں کی، بلکہ انداز و اشارہ سے بھی کوئی بات ناگوار سمجھی تو فوراً ترک کردی، ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ نے بڑے شوق سے دروازہ پر ایک مصوّر پردہ لٹکایا، آپ نے اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو پردہ پر نظر پڑی، فوراً تیوری پر بل پڑ گئے، حضرت عائشہ رضؓ یہ دیکھکر سہم گئیں، عرض کی یارسول اللہ! قصور معاف، مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی، فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوں، فرشتے داخل نہیں ہوتے، یہ سنکر حضرت عائشہ رضؓ نے فوراً پردہ چاک کر ڈالا[1] اور اس کو مصرف میں لے آئیں[2] ایک صحابی کو ولیمہ کی دعوت کرنی تھی، لیکن گھر میں سامان نہ تھا، آپؐ نے فرمایا جاؤ عائشہ رضؓ سے جاکر کہو کہ غلہ کی ٹوکری بھیجدیں، انھوں نے حضرت عائشہ رضؓ کو آکر پیغام سنایا، اسی وقت حضرت عائشہ رضؓ نے پوری ٹوکری اٹھوادی[3] اور گھر میں شام کے کھانے کو کچھ نہیں رہا۔

شوہر کی زندگی میں تو شاید بہت سی عورتیں اس صف میں حضرت عائشہ رضؓ کی حریف نکلیں لیکن اصلی اطاعت تو بیڑیوں کے کٹ جانے کے بعد بھی اپنے کو قیدی بنائے رکھنا ہے یعنی شوہر کی وفات کے بعد بھی اس کے ایک ایک حکم کی تعمیل اسی طرح کی جائے جس طرح اس کی زندگی میں کی جاتی تھی۔

اوپر گزرچکا ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہ رضؓ کو فیاضی کی تعلیم دی تھی، اس کا یہ اثر تھا کہ وہ مرتے دم تک اس فرض سے غافل نہ رہیں، یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ انھوں نے جہاد کی اجازت چاہی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے، اس حکم کے سننے کے بعد وہ اس کی پابندی اس شدت سے کرتی تھیں کہ ان کا کوئی سال کم تر حج سے خالی جاتا تھا[3] ایک دفعہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں کچھ کپڑا اور کچھ نقد روپیہ بھیجا، پہلے واپس کردیا، پھر لوٹا کر قبول کرلیا، اور فرمایا کہ ایک بات یاد آگئی ہے[4]، ایک دفعہ عرفہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب اللباس باب التصاویر، [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۵۸۷ -

[3] صحیح بخاری باب حج النساء - [4] مسند جلد ۶ ص ۲۵۹ -

کے دن روزہ سے تھیں، گرمی اس قدر شدید تھی کہ سر پر پانی کے چھینٹے دیئے جا رہے تھے، کسی نے مشورہ دیا کہ روزہ توڑ دیجئے، فرمایا کہ "جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو میں روزہ کیسے توڑ سکتی ہوں[1]"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھ کر وہ بھی برابر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ "اگر میرے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں اور منع کریں تو میں نہ مانوں[2]"۔ ایک دفعہ ایک عورت نے آکر پوچھا کہ ام المومنین! مہندی لگانا کیسا ہے؟ جواب دیا میرے محبوب کو اس کا رنگ پسند لیکن بو پسند نہ تھی، حرام نہیں، تم چاہے لگاؤ۔

باہمی مذہبی زندگی حضرت عائشہ رضؓ کا گھر ایک پیغمبر کا خلوت کدہ تھا، یہاں نہ دولت اور تمول کا سامان تھا اور نہ ان کو اس کی پرواہ تھی، اسلام دین و دنیا کا جامع ہے، گذشتہ ابواب میں زندگی کے جو مناظر نظر آتے تھے، وہ صرف انسانی فطرت کے تماشاگاہ تھے، خلوت کدۂ نبوت کو اب واقعاتِ ذیل کی روشنی میں دیکھو، حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں تشریف لاتے تو کسی قدر آواز سے یہ الفاظ دہراتے،

لو کان لابن آدم وادیان	آدم کے بیٹے کی ملکیت میں اگر دولت
من مال لابتغیٰ وادیا	و مال سے بھرے ہوئے دو میدان ہوں
ثالثا ولا یملاء فمه	وہ تیسرے کی حرص کریگا، اسکی حرص کے
الا التراب وَمَا جَعَلنا	منہ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے، خدا فرماتا ہے
المال الا لاقام الصلوٰة	کہ ہمنے دولت تو اپنی یاد دلانے اور
وایتاء الزکوٰة وَیتوب الله	مسکینوں کی مدد کرنیکے لئے پیدا کی ہے

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۱۲۸، [2] مسند جلد ۶ ص ۱۳۸۔

علیٰ مَن تابَ[1] ۔ جو خدا کیطرف لوٹے تو خدا بھی اس کی طرف لوٹے گا۔

ان الفاظ کی روزانہ تکرار سے مقصود یہ تھا کہ تمام اہلِ بیت کو دنیا کی بے ثباتی اور دولت کا ہیچ ہونا یاد رہے۔

عشا پڑھ کر آپ حجرے میں داخل ہوتے، مسواک کر کے فوراً سو رہتے، پچھلے پہر بیدار ہوتے، تہجد کی نماز ادا فرماتے[2]، جب رات آخر ہوتی، حضرت عائشہ رضؓ کو اٹھاتے، اور وہ اٹھ کر آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتیں، اور وتر ادا کرتیں[3]، جب صبح کا سپیدۂ نمودار ہو جاتا تو آپ صبح کی سنّت پڑھ کر کروٹ لیٹ جاتے اور حضرت عائشہ رضؓ سے باتیں کرتے[4] پھر فریضۂ صبح کے لیے باہر نکلتے، کبھی رات بھر وہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم دونوں عبادت الٰہی میں مشغول رہتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم امام ہوتے، وہ مقتدی ہوتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سورۂ بقرہ، آلِ عمران اور نسا، وغیرہ لمبی لمبی سورتیں پڑھتے، جہاں خدا سے ڈرانے والی کوئی آیت آتی، خدا کی پناہ چاہتے، جب کوئی رحمت و بشارت کا موقع آتا، خدا سے اس کی آرزو کرتے، اسی طرح یہ پُراثر روحانی منظر تمام رات قائم رہتا[5]، غیر معمولی اوقات مثلاً کسوف وغیرہ کی حالت میں جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے، یہ بھی ساتھ کھڑی ہو جاتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مسجد میں جماعت کو نماز پڑھاتے، یہ اپنے حجرے میں کھڑی ہو کر اقتدا کر لیتیں[6]

نماز پنجگانہ اور تہجد کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھ کر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں[7]، اکثر روزے رکھا کرتیں، کبھی وہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم دونوں مل کر ایک ساتھ روزے رکھتے اور رمضان کے آخری عشرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مسجد میں

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۵۵ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۵۲ [4] صحیح مسلم صلوٰۃ اللیل و بخاری باب من تحدث بعد الرکعتین [5] مسند جلد ۶ ص ۹۲ [6] صحیح بخاری صلوٰۃ الکسوف [7] مسند ج ۶ ص ۱۵۱۔

اعتکاف کرتے تھے، کبھی حضرت عائشہ رضؓ بھی اس فرض میں شریک ہو جاتی تھیں، مسجد کے صحن میں خیمہ نصب کرا لیتیں، صبح کی نماز پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھوڑی دیر کو وہاں آ جاتے[1] سنہ ۱۰ھ میں حج کے لیے بھی ساتھ ہی گئیں، حج و عمرہ دونوں کی نیت کی تھی، لیکن زنانہ مجبوری سے وہ طواف سے معذور ہو گئیں تو ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ رونے لگیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو سبب دریافت کیا اور تسلّی دیکر مسئلہ بتایا، پھر اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر رضؓ کے ساتھ جا کر باقی فرائض ادا کیے[2]

گھر میں فرائض نبوّت | تعلّقات زن و شو کا یہ آخری عنوان ہے، باہمی لطف و محبت کے جو واقعات اُوپر گزر چکے ہیں، ان کو پڑھکر ایک کوربا طن خیال کرسکتا ہے کہ آپ گھر میں اگر فرائض نبوّت کو بھول جاتے تھے، لیکن خود حضرت عائشہ رضؓ کا قول تم سُن چکے ہو کہ وہ کیا کہتی تھیں، فرماتی تھیں کہ آپ باتوں میں مشغول ہوتے، دفعتہً اذان ہوتی آپ اٹھ جاتے پھر یہ معلوم ہوتا کہ ہم کو پہچانتے بھی نہیں۔

آپ نے غزوہ تبوک سے جب فاتحانہ مراجعت فرمائی تو حضرت عائشہ رضؓ نے خوشی میں خیر مقدم کے طور پر ایک مُصوّر پُرنقش و نگار پردہ آویزاں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دروازہ پر قدم رکھا چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا، عرض کی یا رسول اللہ! قصور معاف ہو، کیا خطا ہوئی، ارشاد ہوا کہ "عائشہ ہم کو خدا نے اینٹ اور مٹی کی آرائش کے لیے دولت نہیں دی"

ایک شب آپ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس تشریف لائے، اور پھر چپکے اٹھ کر ایک سمت کو روانہ ہوئے، حضرت عائشہ رضؓ بھی چھپ کر پیچھے پیچھے روانہ ہوئیں، آپ بقیع کے قبرستان میں پہنچے، وہاں ہاتھ اٹھا کر دعا میں مشغول ہو گئے، حضرت عائشہ رضؓ چھپی کھڑی رہیں، واپسی میں آپ نے دیکھ لیا، حضرت عائشہ رضؓ لپک کر کمرہ کے اندر داخل ہو گئیں، آپ نے پوچھا عائشہ

---

[1] صحیح بخاری باب اعتکاف النساء [2] ، ، حج -

یہ کیا تھا؟ چونکہ یہ تجسس میں داخل تھا، جو منع ہے، عرض کی میرے ماں باپ قربان اور پھر سارا واقعہ بیان کر دیا۔[1]

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک یہودی کو جس نے آپ کو موت کی بد دعا دی تھی، سختی سے جواب دیا، تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "عائشہ خدا مہربان ہے، وہ نرمی کو پسند کرتا ہے، نرمی سے وہ دیتا ہے جو سختی سے نہیں دیتا، اور نہ کسی اور طرح دیتا۔"[2]

گو ریشم اور سونے کا استعمال اسلام میں عورتوں کے لیے مباح ہی لیکن چونکہ دنیا کے آرائشی تکلفات سے آپ کو طبعاً نفرت تھی، اس بنا پر اپنے گھر میں اتنی حشمت کا اظہار بھی ناپسند تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضؓ نے سونے کے کنگن پہنے، آپ نے فرمایا، میں تم کو اس سے بہتر تدبیر نہ بتاؤں، تم ان کنگنوں کو اُتار دو، اور چاندی کے دو کنگن بنوا کر ان پر زعفران کا رنگ چڑھا دو۔"[3] حضرت عائشہ رضؓ روایت کرتی ہیں کہ آپ نے ہم کو پانچ چیزوں سے منع فرمایا، ریشمی کپڑے، سونے کے زیور، سونے اور چاندی کے برتن، سرخ نرم گدّے، اور کتان آمیز ریشمی کپڑے، میں نے عرض کی، اگر تھوڑا سا سونا ہو جس میں مشک باندھا جا سکے تو کچھ مضائقہ ہے، فرمایا، نہیں، چاندی کو تھوڑی زعفران سے رنگ لیا کرو۔[4]

گھر میں ہمیشہ ہر موقع پر اخلاقی نصائح کی تعلیم دیا کرتے تھے، اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں، ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا، اس کی ٹکیاں پکائیں آپ باہر سے تشریف لائے تو نماز میں مشغول ہو گئے، ان کی آنکھ لگ گئی، ایک پڑوسن کی

---

[1] یہ واقعہ مختلف الفاظ میں تمام احادیث میں مذکور ہے، اسوقت ہمارے سامنے نسائی باب الاستغفار للمؤمنین ہے [2] صحیح مسلم باب فضل الرفق [3] نسائی کتاب الزینۃ [4] مسند جلد ۶ ص ۲۲۸، عورتوں کے لیے ریشمی کپڑے، اور سونے کے زیور گو دوسری حدیثوں سے جائز ہیں، لیکن شاید خاص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کے لیے انکو پسند نہیں فرمایا گیا یا یہ کہ ان میں زیادتی اور غلو کو پسند نہیں فرمایا گیا ہے۔

بکری آکر ان کو کھا گئی، حضرت عائشہ رضؓ دوڑیں کہ بکری کو ماریں، آپ نے روکا کہ "عائشہ! ہمسایہ کو تکلیف نہ دو[1]"

عرب میں سوسمار کھانے کا دستور تھا، لیکن اس کو پسند نہیں فرماتے تھے، ایکبار کسی نے اس کا گوشت تحفۃً بھیجا، آپنے نہیں کھایا، حضرت عائشہ رضؓ نے کہا "یارسول اللہ محتاجوں کو نہ کھلا دیں"، فرمایا "جس کو تم آپ کھانا پسند نہ کرو دوسروں کو بھی نہ کھلاؤ[2]"

سوکنوں کے ساتھ برتاؤ

عورت کے لیے دنیا کی سب سے تلخ چیز ایک سوکن کا وجود ہے حضرت عائشہ رضؓ کی ایک سے لیکر آٹھ آٹھ سوکنوں تک ایک ساتھ رہی ہیں، تاہم شرفِ صحبت کے پرتو سے یہ آئینے ہر قسم کے زنگ و غبار سے پاک تھے۔

حضرت خدیجہ رضؓ کے بعد آپنے کئی اسباب سے مختلف اوقات میں دس نکاح کیے، ان میں سے ام المساکین حضرت زینب رضؓ جن سے ۳ھ میں نکاح ہوا تھا، صرف دو تین مہینے زندہ رہیں، باقی نو بیویاں آپ کی وفات تک زندہ تھیں، یہ بیویاں حسب ذیل سنین میں شرفِ نکاح سے ممتاز ہوئیں، اس سے معلوم ہوگا کہ حضرت عائشہ رضؓ کو کس سال تک کتنی سوکنوں سے سابقہ رہا۔

شمار	نام	نکاح کا سال
۱	حضرت سودہ رضؓ بنت زمعہ	سنہ ۱۰ نبوی
۲	حضرت حفصہ رضؓ بنت عمر فاروق رضؓ	سنہ ۳ھ
۳	حضرت اُمّ سلمہ رضؓ	سنہ ۵ھ

[1] ادب المفرد امام بخاری باب الایودی، جارہ، [2] مسند جلد ۶ ص ۱۲۳۔

۴	حضرت جویریہؓ بنی مصطلق رئیس زادی	۵ھ
۵	حضرت زینبؓ بنت حجش قریشیہ	۵ھ
۶	حضرت اُمِ حبیبہؓ بنت ابوسفیان	۶ھ
۷	حضرت میمونہؓ	۷ھ
۸	حضرت صفیہؓ خیبر کی رئیس زادی	۷ھ

حضرت خدیجہؓ حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں گو زندہ نہ تھیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ان کی یاد ہمیشہ زندہ رہی، آپ اکثر حضرت عائشہؓ سے انکا ذکرِ خیر کیا کرتے، وہ خود بیان کرتی ہیں کہ "جس قدر خدیجہؓ پر مجھ کو رشک آتا تھا کسی دوسری بی بی پر نہیں آتا تھا، اور یہ اس لیے کہ آپ کو بہت یاد کیا کرتے تھے"، اور سال میں ایک مرتبہ ان کی طرف سے قربانی کرتے تھے، اور ان کی تمام سہیلیوں کو تحفہ بھیجتے تھے، لیکن بایں ہمہ ان کی فضیلت اور شرف سے حضرت عائشہؓ کو انکار نہ تھا، فرماتی تھیں کہ خدا نے اپنے رسول کی معرفت ایک بے غم و رنج بہشت کی بشارت دی تھی[1] حضرت خدیجہؓ کے وہ تمام ترکارنامے جو آغازِ اسلام سے متعلق ہیں، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا، مصائب میں مستقل رہنا، اور مشکلات میں آپ کی دلدہی کرنا حضرت عائشہ ہی کے ذریعہ سے مروی ہیں،

حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ گو آگے پیچھے ایک ساتھ نکاح میں آئیں، تاہم چونکہ حضرت عائشہؓ تقریباً نکاح کے بعد ساڑھے تین برس تک میکہ ہی میں رہیں، اس بنا پر اس عرصہ میں عملاً حضرت سودہؓ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا بیوی تھیں، سنہ ۱ھ میں جب حضرت عائشہؓ رخصت ہو کر آئیں تو حضرت سودہؓ سوکن موجود تھیں، ان حالات میں عموماً ایک دوسرے کو اپنے حق میں خلل انداز تصور کر سکتی تھیں، لیکن نتائج اس قیاس طبعی کے

---

[1] صحیح بخاری فضائل خدیجہؓ

بالکل برخلاف ہیں، تمام واقعات باہمی اتحاد اور موانست کے مؤید ہیں، اکثر خانگی مشوروں میں وہ حضرت عائشہ رضؓ کی رفیق تھیں[1]، دو چار برس کے بعد جب وہ بوڑھی ہوگئیں تو ان کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دیدیں اور شرفِ صحبت سے محرُوم ہو جائیں، اس بنا پر انھوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضؓ کو دیدی، اور انھوں نے خوشی سے قبول کرلی[2]، حضرت سودہ رضؓ کی وہ بیحد معترف تھیں، فرماتی تھیں کہ سودہ رضؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری رُوح ہوتی، گو ان کے مزاج میں تھوڑی تیزی ضرور تھی[3]۔

حضرت حفصہ ۳ھ میں ازواج میں داخل ہوئیں، اس بنا پر تقریباً ۸ برس حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ رہیں، ان دونوں میں ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پارۂ جگر تھی، تو دوسری فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قرۃ العین، دونوں میں نہایت لُطف و محبّت تھی، تمام امور خانگی میں دونوں کی ایک رائے ہوتی، اور برابر کی شریک رہتی تھیں، دیگر ازواج کے مقابلہ میں دونوں ایک دوسرے کی حامی تھیں[4]۔ تاہم عشق و محبت کی شریعت دوسری ہی ہے

با سایہ ترانمی پسندم

ایک دفعہ سفر میں دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھیں، رات کو جب قافلہ چلتا، آپ حضرت عائشہ رضؓ کی محمل میں آکر تشریف فرما ہوتے، حضرت حفصہ رضؓ نے کہا آؤ سواری کا اونٹ بدل لیں، حضرت عائشہ رضؓ نے ایثار سے اس کو قبول کرلیا، رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو فطرتِ بشری کے مطابق ان کو سخت تکلیف ہوئی[5]

عقل و فہم میں حضرت عائشہ رضؓ کے بعد حضرت امّ سلمہ رضؓ تمام بیویوں میں ممتاز تھیں

---

[1] صحیح بخاری باب الہدایا و باب التحریم، [2] صحیح بخاری و مسلم کتاب النکاح و جواز ہبۃ نوبتہا الضرتہا۔
[3] صحیح مسلم باب جواز ہبۃ نوبتہا الضرتہا، [4] بخاری باب الہدایا و باب التحریم و باب الایلاو ترمذی مناقب صفیہ رضؓ و نسائی باب الغیرۃ، [5] صحیح بخاری القرعہ بین النساء فی السفر۔

صلح حدیبیہ میں قربانی کے موقع پر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشورہ دیا، وہ عورتوں کی تاریخ میں یادگار رہے گا[1]، فقہی مسئلوں اور فتووں میں بھی حضرت عائشہ رضہ کے بعد انہی کا درجہ ہے[2]، اسی لیے گو وہ سن رسیدہ تھیں، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قدر فرماتے تھے، ان وجوہ سے وہ حضرت عائشہ رضہ کی ہمسر تھیں، تاہم ایک معمولی سے اتفاقیہ واقعہ کے سوا کوئی واقعہ ان کے باہمی اختلاف کا مذکور نہیں، وہ اتفاقی واقعہ یہ ہے کہ بعض ازواج نے ان کو سفیر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس لیے بھیجا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ لوگوں کے تحفے جہاں آپ ہوں وہیں بھیجے جائیں، عائشہ رضہ کی باری کی تخصیص نہ ہو، وہ یہ پیغام لیکر حضرت عائشہ رضہ کے حجرے میں آئیں اور نہایت متانت سے اپنی درخواست پیش کی، آپ نے جواب دیا وہ خاموش ہو گئیں، حضرت عائشہ رضہ نے بھی یہ گفتگو سنی، لیکن کوئی آزردگی نہیں ظاہر کی[3]۔

حضرت جویریہ رضہ اور حضرت عائشہ رضہ میں بھی کوئی اختلاف مذکور نہیں ہے، البتہ وہ ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر پہلے گھبرا اٹھی تھیں[4] کہ انکے مقابلہ میں ان کا رتبہ کم نہ ہو جائے لیکن آخر ان کا خیال غلط ثابت ہوا کہ ان کی قدر و منزلت کے اسباب ہی کچھ اور تھے، اس کا تعلق ظاہری حسن سے کچھ نہ تھا۔

حضرت زینب رضہ بنت حجش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں بڑی خوددار اور مزاج کی تیز تھیں، چنانچہ اسی لیے ان کو پہلے شوہر سے مفارقت کرنی پڑی اس کے علاوہ وہ رشتہ میں سب بیویوں سے زیادہ آپ سے قریب تھیں، اس بنا پر وہ اپنے کو اوروں سے زیادہ عزت کا مستحق سمجھتی تھیں، حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں کہ "تمام

---

[1] صحیح بخاری ذکر حدیبیہ، [2] طبقات ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی ص ۱۲۶۔

[3] صحیح بخاری و مسلم، فضل عائشہ رضہ [4] ابن سعد ترجمہ جویریہ رضہ۔

بی بیوں میں یہی میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں، بعض بی بیوں نے حضرت اُمّ سلمہ رضؓ کی خاموشی کے بعد ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیجا، انھوں نے بڑی دلیری سے آکر تقریر کی، حضرت عائشہ رضؓ چپ چاپ ان کی باتیں سنتی اور کنکھیوں سے آپ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینبؓ رضؓ جب خاموش ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پاکر یہ کھڑی ہوئیں اور ایسی مسکت اور مدلّل گفتگو کی کہ حضرت زینبؓ رضؓ لاجواب ہو کر رہ گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا، "کیوں نہ ہو، آخر ابو بکر رضؓ کی بیٹی ہے"[1]

رمضان کے آخری عشرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے حضرت عائشہ رضؓ بھی مسجد کے صحن میں خیمہ کھڑا کرکے اتنے دن اعتکاف میں بسر کرتیں، ہر روز صبح کو بضرورت آپ وہاں آجایا کرتے، ایک سال جب یہ موقع آیا، اور انھوں نے حسب دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر خیمہ کھڑا کیا تو حضرت حفصہ رضؓ نے بھی اجازت چاہی، حضرت زینبؓ رضؓ نے سنا تو انھوں نے بھی اپنا خیمہ برابر میں لگایا، صبح اٹھ کر آپ نے دیکھا کہ مسجد کے صحن میں متعدد خیمے کھڑے ہیں، دریافت سے معلوم ہوا تو فرمایا کیا انھوں نے یہ خلوص اور نیک نیتی سے کیا ہے، یہ کہکر تمام خیمے اکھڑوا دیئے اور اس سال اعتکاف کا مہینہ بدل دیا[2]۔

ایک دفعہ شب کو حضرت زینبؓ رضؓ حضرت عائشہ رضؓ کے گھر آئیں، اس زمانہ میں گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، اسی اثنا میں آپ تشریف لائے تو سیدھے ایک طرف کو بڑھے حضرت عائشہ رضؓ نے کہا کہ وہ زینبؓ رضؓ ہیں، ان کو اس پر غصہ آگیا، اور کچھ بول گئیں، حضرت عائشہ رضؓ نے بھی برابر کا جواب دیا، باہر مسجد نبوی میں حضرت ابو بکر رضؓ تھے، انھوں نے یہ آوازیں سنیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ باہر تشریف لے آئیں،

---

[1] صحیح مسلم فضل عائشہ رضؓ، [2] صحیح بخاری باب الاعتکاف۔

حضرت عائشہؓ باپ کی ناراضی دیکھ کر سہم گئیں، نماز کے بعد حضرت ابوبکرؓ بیٹی کے گھر آئے، اور گو ابتدائی قصور ان کا نہ تھا، تاہم بہت کچھ سمجھایا اور تنبیہ کی[1]

ان چند واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے، کہ باہم انکے دل صاف نہ تھے، جہاں چند آدمی ایک جگہ رہتے ہیں، ان میں کیسی ہی موافقت اور میل ملاپ ہو، ناممکن ہے کہ کبھی کبھی حقیقت میں یا غلط فہمی سے وقتی اور فوری رنجش نہ پیدا ہو، خاص کر جہاں عورتوں کا مجمع ہو اور وہ بھی سوکنوں کا، وہاں مختلف واقعات پر کبھی کبھی ناگواری کا پیدا ہونا عورت کی جنسی فطرت ہے، فیضِ صحبت انسان کو اعلیٰ ترین انسان بنا دیتا ہے لیکن اس کی فطرت کو نہیں بدلتا، عورت کی طبعی خواہش یہ ہے کہ اس کی محبت میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو، یہاں یہی چیز مفقود تھی کہ ایک ہی شمع کی سب پروانہ تھیں، تاہم محبت کا ایک ہی چراغ سب کے سینوں میں جل رہا تھا، پھر بھی اتفاقی اور فوری جذبات کو چھوڑ کر تمام سوکنوں میں لطف و مدارات کی بہتر سے بہتر مثال قائم تھی۔

یہی حضرت زینبؓ جب حلقۂ ازواج میں داخل ہوئیں، تو حضرت عائشہؓ نے آپ کو مبارک باد دی[2]، ادھر کا حال سنیئے مدینہ کے بعض منافقوں نے جب حضرت عائشہؓ پر الزام لگایا...... تو بہن کی محبت میں حمنہ بنت جحشؓ (حضرت زینبؓ کی بہن) بھی اس سازش میں مبتلا ہوگئیں، لیکن حضرت زینبؓ کا قدم حق اور صواب کے راستے سے ذرا بھی نہیں ہٹا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے حضرت عائشہؓ کی نسبت دریافت فرمایا، تو انھوں نے صاف کہا۔

مَاعَلِمْتُ فِیْهَا اِلَّا خَیْرًا — خوبی کے سوا ان میں اور کچھ میں نے نہیں جانا

اگر وہ چاہتیں تو ایک ہی فقرہ میں اپنے حریف کو شکست دے سکتی تھیں، لیکن شرف صحبت نے ان کمزوریوں سے ان کو بالا بنا دیا تھا، حضرت عائشہؓ ان کے اس احسان اور

---

[1] صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات، [2] صحیح بخاری تفسیر آیۃ لاتدخلوا بیوت النبیؐ۔

خوبی کی یاد ہمیشہ شکرگزاری کے ساتھ رکھتی تھیں[1]۔

ایک دفعہ حضرت زینب رضؓ نے حضرت صفیہ رضؓ کو یہودیہ کہدیا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہوگئے اور دو مہینے تک ان سے کلام نہ کیا، آخر وہ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس آئیں کہ تم بیچ میں پڑکر میرا قصور معاف کرادو، اب وہی موقع حضرت عائشہ رضؓ کو بھی حاصل تھا، لیکن انھوں نے خاص اس غرض سے اہتمام کے ساتھ بناؤ سنگار کیا، آپ آئے تو اس سلیقہ سے گفتگو کی کہ معاملہ رفت و گذشت ہوگیا[2]۔

مرنے کے بعد کسی کی خوبیوں کا اظہار مرنے والے کی اخلاقی زندگی کو حیات جاودانی بخشتا ہے، حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے حریف پر یہ آبِ حیات بھی برسایا، بیان کرتی ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں ایک دفعہ اپنی بیویوں کو خطاب کرکے فرمایا کہ تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ آکر ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا، حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ اس کے لیے ہم لوگ اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتے تھے، لیکن سب سے پہلے جب زینب رضؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ کا مقصود فیاضی اور سخاوت تھی، وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور اس طریقے سے جو آمدنی ہوتی تھی، وہ خیرات کیا کرتی تھیں (عربی میں مجازاً فیاضی کو طولِ ید سے تعبیر کرتے ہیں)

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت زینب رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ میں ایک معاملہ کے متعلق ناگوار حد تک گفتگو پہنچ گئی تھی، حضرت عائشہ رضؓ اس واقعہ کو دہراتی ہیں لیکن حسنِ نیت اور پاک باطنی دیکھو کہ ساتھ ساتھ ان کی تعریف بھی کرتی جاتی ہیں، کہتی ہیں کہ "اس کے بعد زینب بنت رضؓ حجش آئیں، تمام بیویوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قدر و منزلت میں انہی کو میری برابری کا دعویٰ تھا، میں نے کوئی عورت زینب رضؓ سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، سخی، مخیر اور اللہ تعالیٰ

---

[1] صحیح بخاری قصۂ افک، [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۵۔

تفریب جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی، فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی [۱]"۔

حضرت اُمِّ حبیبہ رضؓ کے ساتھ حضرت عائشہ رضؓ کا کوئی موافق یا مخالف واقعہ احادیث میں مذکور نہیں، اسماء الرجال کی کتابوں میں ہے کہ مرض الموت میں حضرت اُمِّ حبیبہ رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کو بلوایا، وہ آئیں تو حضرت اُمِّ حبیبہ رضؓ نے کہا "سوکنوں میں کچھ نہ کچھ کبھی ہو ہی جاتا ہے، اگر کچھ ہوا ہو تو خدا ہم دونوں کو معاف کرے"۔ حضرت عائشہ رضؓ نے کہا "خدا سب معاف اور اس سے تم کو بری کرے"۔ حضرت اُمِّ حبیبہ رضؓ نے کہا، تم نے مجھے اس وقت مسرور کیا، خدا تم کو بھی خوش رکھے [۲]۔

حضرت میمونہ رضؓ کی نسبت بھی احادیث میں کچھ مذکور نہیں، رجال کی کتابوں میں ہے کہ جب انھوں نے وفات پائی، تو حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا "وہ ہم میں سب سے زیادہ پرہیزگار تھیں [۳]"۔

حضرت صفیہ رضؓ صرف تین برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہیں اور عام امہات المومنین سے وہ بیگانہ بھی تھیں، کیونکہ وہ خیبر کی رہنے والی اور نسلاً یہودیہ تھیں، خیبر ہی میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں، خیبر کی واپسی میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محمل میں سوار ہوئیں کہ مدینہ کے پاس آکر محمل کی رسی ٹوٹ گئی اور محمل گر پڑا، مدینہ میں خبر ہوئی تو لونڈیاں تک دیکھنے آئیں اور اس واقعہ کو حضرت صفیہ رضؓ کی نحوست سمجھ کر ان کو برا بھلا کہنے لگیں [۴]۔ مدینہ پہنچکر آپ نے انکو ایک انصاریہ کے گھر اتارا، مختلف اسباب سے ان کی آمد اہم ہو گئی تھی، اکثر عورتیں ان کو دیکھنے کو گئیں، حضرت عائشہ رضؓ بھی چھپ کر نقاب پوش بھیڑ میں کھڑی ہو گئیں یا بن ہمہ

---

[۱] صحیح مسلم باب فضل عائشہ ونسائی باب حب النساء، [۲] ابن سعد جزء نساء ص ۷۱، [۳] تہذیب التہذیب ابن حجر جلد ۱۲ ص ۴۵۳، [۴] صحیح مسلم فضیلۃ اعتاق امۃ ثم تزوجہا۔

وہ چھپ نہ سکیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا، وہ شرما کر واپس چلیں، تو آپ بھی ان کے ساتھ اُٹھے، قریب پہنچکر پوچھا "عائشہ! کہو تم نے کیسا پایا؟" بولیں کہ "ہاں یہودیہ ہے؟" آپ نے فرمایا، "یہ نہ کہو وہ مسلمان ہوگئی ہے"[1]

حضرت صفیہؓ کو کھانا پکانے میں خاص سلیقہ تھا، خود حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان سے بہتر کھانا پکانے والا کسی کو نہیں دیکھا، ایک دن دونوں نے آپ کے لیے کھانا پکایا، حضرت صفیہؓ کا کھانا جلد تیار ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تھے، انھوں نے وہیں ایک لونڈی کے ہاتھ کھانا بھجوادیا، حضرت عائشہؓ اپنی محبت کی بربادی کو دیکھ کر جھنجھلا اٹھیں، اور ایک ایسا ہاتھ مارا کہ لونڈی کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، آپ خاموشی کے ساتھ پیالہ کے ٹکڑوں کو چُننے لگے، اور خادمہ سے فرمایا کہ "تمھاری ماں کو غصہ آگیا" چند لمحوں کے بعد حضرت عائشہؓ کو اپنے فعل پر خود ندامت ہوئی، عرض کی "یارسول اللہ! اس جُرم کا کیا کفارہ ہوسکتا ہے" آپ نے فرمایا، ایسا ہی پیالہ اور ایسا ہی کھانا، چنانچہ نیا پیالا ان کو واپس کیا گیا"[2]

حضرت صفیہؓ ذرا پست قد تھیں، ایک دن حضرت عائشہؓ نے کہا "یارسول اللہ! بس کیجیے "صفیہؓ تو اتنی ہیں" آپ نے فرمایا "عائشہ تم نے ایسی بات کہی کہ اگر اس کو سمندر

---

[1] ابن سعد ترجمۂ صفیہ، [2] یہ واقعہ باختلاف الفاظ حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے اور اس سے فقہ کا ایک بڑا اصول مستنبط کیا گیا ہے کہ تاوان کس طرح ادا ہونا چاہیئے (بخاری کتاب المظالم و باب الغیرۃ) مسلم و ابو داؤد میں حضرت انسؓ کی روایت میں امہات المومنین کے نام مذکور نہیں ہیں، لیکن مسند ابن حنبل، ابوداؤد اور نسائی میں خود حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، جس میں ناموں کی تصریح ہے (ابوداؤد کتاب البیوع نسائی کتاب عشرۃ النساء، باب الغیرۃ و مسند جلد ۶) قصہ کی پوری تصویر تمام روایتوں کو یکجا کرنے سے معلوم ہوتی ہے، نسائی کی ایک روایت میں اور نیز معجم طبرانی (حدیث علی بن اسحاق ص ۱۱۸) میں دوسری بیوی کا نام اُم سلمہ مذکور ہے

کے پانی میں بھی ملاؤ تو ملا سکتی ہو" عرض کی یا رسول اللہ میں تو ایک شخص کی صورت حال بیان کی، ارشاد ہوا کہ "اگر مجھ کو اتنا اور اتنا بھی دیا جائے تو بھی میں کسی کی نسبت کوئی بات نہ کہوں"[1] اس امر کا ثبوت کہ یہ وقتی امور دوامی محبت و قدر شناسی میں عائق نہ تھے، یہ ہے حضرت صفیہ رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ ایک ہی ٹولی میں تھیں اور باہم ایک دوسرے کی حامی تھیں کہ:

آپ نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضؓ اپنی سوکنوں کے ساتھ کس لطف، کس انصاف اور کس عزت کا برتاؤ کرتی ہیں، اور کس کھلے دل سے ان کی خوبیوں اور نیکیوں اور تعریفوں کا اظہار کرتی ہیں، کبھی کبھی بشری فطرت سے کوئی خلاف فعل سرزد ہو جاتا ہے تو کس قدر جلد نادم ہو جاتی ہیں، سوکنوں پر حملہ کرنے میں بھی پہل نہیں کرتیں، ہاں کوئی پہل کرتی ہو تو وہ چپ بھی نہیں رہتیں، لیکن اس کے باوجود وہ اس کی تعریف میں کمی نہیں کرتیں،

مشتبہ اور غلط روایات عام طور سے سوکنوں کے درمیان خلوص اور محبت کا رواج بہت کم ہے، لیکن حریم نبوت کی حجلہ نشینوں سے جن اخلاقی خوبیوں کی دنیا توقع کر سکتی ہو بحمد اللہ کہ وہ اس توقع میں ناکامیاب نہیں، واقعات میں کہیں کہیں جو بدنمائی ہے، وہ درحقیقت یا منافقوں کی بنائی ہوئی ہے یا بعض ناعاقبت اندیش فرقوں کی جاہلانہ کوشش ہے۔ چنانچہ عہد نبوی میں ایک عورت تھی، سیر اور رجال کی کتابوں میں اس کی نمایاں خصوصیت یہ لکھی ہے کہ "ازواجِ مطہرات کو باہم لڑایا کرتی تھی" کانت تحرش بین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس گناہ کا وہ خود اعتراف کرتی تھی، لوگوں نے پوچھا تمھاری بات کو وہ سچ کیونکر جانتی تھیں، اس نے کہا سچ نہ جانتیں تو میں کہتی کیونکر[2]

اوپر جو روایتیں گزر چکی ہیں، گو وہ صرف صحاح سے ماخوذ ہیں، تاہم ان میں جہاں بھی کچھ بدنمائی ہے، اگر ذرا کریدا جائے تو دفعۃً تمام بنیاد کھوکھلی ہو جاتی ہے، پیالہ توڑنے کا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الہدایا، [2] اصابہ ابن حجر ذکر ام حبیبہ رضؓ جلد ح۔

واقعہ تمام حدیث کی کتابوں میں موجود ہے، لیکن بخاری و مسلم میں کہیں بھی حضرت عائشہ رضؓ کا نام مذکور نہیں، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد اور بعض کم درجہ کتابوں میں راوی حضرت عائشہ رضؓ کا نام لیتے ہیں، اور لطف یہ کہ خود حضرت عائشہ رضؓ کی زبانی روایت کرتے ہیں، اس طریقہ کی اول راوی جسرۃ بنت دجانہ ہیں جس کی محدث عجلی اور ابن حبان نے توثیق کی ہے، تاہم اس کے متعلق امام بخاری کی یہ رائے ہے۔

عند جسرۃ عجائب — جسرہ کی روایتوں میں عجیب و غریب باتیں ہیں۔ (تہذیب)

ابن خرم نے اس کی حدیث کو باطل کہا ہے۔ (تہذیب)

دوسرا راوی فلیت عامری (یا افلت عامری) ہے، اگرچہ بعض محدثین نے اسکی بھی توثیق کی ہے، لیکن اکثر ائمہ فن کی یہ رائیں ہیں،

امام احمد۔ لا باس بہ میں اس کی روایت میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا (یعنی کسی قدر ضعیف ہے۔)

امام احمد۔ (یہ روایت خطابی و لغوی) مجہول الحال ہے۔

ابن خرم۔ غیر مشہور ہے، ثقاہت کے ساتھ معروف نہیں ہے، اور اس کی ایک خاص حدیث باطل ہے۔

شب کے وقت حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت زینب رضؓ کی باہمی سخت گفتگو کی روایت گو صحیح مسلم میں ہے لیکن ذرا ان حالات کو پیش نظر رکھئے، اس واقعہ کے راوی اوّل حضرت انس رضؓ ہیں، جو ۵ھ سے امہات المومنین کے حجروں میں نہیں جاتے تھے۔ یہ واقعہ ۵ھ کے بعد کا ہے، یہ واقعہ زنانخانہ میں پیش آیا، جہاں وہ موجود نہ تھے، اس لیے سلسلۂ روایت اخیر راوی تک نہیں پہنچا، اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ مسجد نبوی میں موجود تھے اور اندر سے آوازیں آرہی تھیں جن کو وہ سن رہے تھے، تو اس رات کے وقت میں جب کہ اوّل تو وہ حجرہ

کے اندر موجود نہ تھے، اور دوسرے یہ کہ وہاں چراغ نہ تھا، وہ کیونکر دیکھ سکے کہ آپ نے کدھر ہات بڑھایا، اور کیا واقعہ پیش آیا، اور سب سے عجیب یہ کہ حضرت عائشہ رضؓ کے دل کی بات کیونکر جان لی کہ وہ ڈر گئیں، کہ اب والد ضرور اگر مجھ کو تنبیہ کریں گے، اس لیے یہ روایت کسی قدر غیر محتاطانہ معلوم ہوتی ہے۔

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہ رضؓ رو رہی تھیں، آپ نے سبب دریافت فرمایا تو بولیں کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ عائشہ رضؓ اور حفصہ رضؓ کہتی ہیں کہ ہم آپ کی نظر میں زیادہ معزز ہیں ہم آپ کی بیویاں بھی ہیں اور چچا زاد بہنیں بھی، آپ نے تسلی دی، اور فرمایا، تم نے نہیں کہا کہ مجھ سے زیادہ معزز کیونکر ہو سکتی ہو میرے شوہر محمدؐ، میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں، اس روایت کو تمام اہل سیر نقل کرتے ہیں، لیکن اس کے بعد اس روایت کے متعلق امام ترمذی کی جو رائے ہے، اس کو چھوڑ دیتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے:۔

ھذا حدیث غریب لا نعرفہ	یہ حدیث غریب ہے، ہاشم کوفی
الا من حدیث ھاشم الکوفی و	کے سوا کسی اور طریقہ سے ہم لوگ اس
لیس اسنادہ بذالک	کو نہیں جانتے، اور اس کی سند کچھ
(فصل ازواج النبیؐ)	ایسی نہیں ہے۔

ہاشم کوفی کی نسبت محدثین کی یہ رائے ہے:۔

امام احمد۔ لا اعرفہ، میں اس کو نہیں جانتا،

ابن معین۔ لیس بشیئ، یہ کچھ نہیں،

ابو حاتم۔ ضعیف الحدیث، ضعیف الحدیث ہے،

ابن عدی۔ مقدار مایرویہ لا یتابع علیہ، ان کے دوسرے ساتھی ان کی تصدیق اور تائید نہیں کرتے،

اس کے بعد حضرت انس رضؓ کی جو حدیث ہے، اس میں حضرت عائشہ رضؓ کا نام نہیں،

مسند ابن حنبل میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت امِّ سلمہؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بیٹھی تھیں، رات کا وقت تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے، حضرت امِّ سلمہؓ کو نہیں پہچانا، حضرت عائشہؓ چپکے چپکے اشارہ کر رہی تھیں، اور آپ نہیں سمجھتے تھے آخر آپ بھی سمجھ گئے، حضرت امِّ سلمہؓ بہت برہم ہوئیں، اور حضرت عائشہؓ کو بہت کچھ بُرا بھلا کہا اور اٹھ کر حضرت فاطمہؓ کے پاس گئیں کہ "عائشہؓ تم کو یہ کہتی ہی، یہ کہتی ہی......"

اس حدیث کا دوسرا راوی علی بن زید تیمی ہے، اس کے متعلق ائمۂ فن کے اقوال سُنو:-

ابن سعد۔ فیہ ضعف ولا یحتج بہ۔ اس میں ضعف ہی، اس سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔

امام احمد۔ لیس بالقوی، لیس بشیٔ، ضعیف الحدیث، قوی نہیں، کچھ نہیں، ضعیف ہی،

یحییٰ۔ ضعیف، ضعیف فی کل شیٔ، ضعیف ہی، ہر چیز میں ضعیف ہی۔

جوزانی۔ واھی الحدیث، واہی ہے۔

حاکم۔ لیس بالمتین عندھم، محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔

ابوزرعہ۔ لیس بالقوی، قوی نہیں۔

امام بخاری۔ لا یحتج بہ، اس سے حجت لانا جائز نہیں۔

اس قسم کی تصریحات اور ائمہ کی بھی ہیں، ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں "وہ جو حدیثیں آج سناتے ہیں وہ کل اور ہو جاتی تھیں[1]"

سیر کی عام کتب میں اور اس قسم کے چند واقعات ملیں گے جن کا زیادہ تر ذخیرہ واقدی اور کلبی کے مزخرفات سے فراہم کیا گیا ہے، مثال کے لیے ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

احادیث میں ہے کہ آپ نے ایک قبیلہ کی رئیسہ سے نکاح کیا، جب وہ مدینہ آئی اور

---

[1] یہ تمام اقوال تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال سے ماخوذ ہیں۔

آپ حجلۂ عروسی میں گئے تو فرمایا "تم اپنے آپ کو میرے حوالہ کرو" اس نے کہا "کیا ایک شہزادی اپنے آپ کو ایک رعایا کے حوالہ کر سکتی ہے" آپ نے اس کی تسکین کے لیے اُن کے سر پر ہات رکھنا چاہا تو اس نے کہا میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں، آپ نے فرمایا "تم نے بڑے کی پناہ مانگی" یہ کہکر واپس چلے آئے اور اس کو رخصت کر دیا[1]۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، ابن سعد، ہشام بن محمدؒ سے راوی ہیں کہ اس کو حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے سکھایا تھا کہ تم اس طرح کہنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہنے سے خوش ہوتے ہیں، ہشام بن محمدؒ کون بزرگ ہیں، دُنیا ان کو کلبی کے نام سے جانتی ہے انکے مخصوص صفات یہ ہیں، متروک، غیر ثقہ، رافضی،

امام احمد فرماتے ہیں :۔

انّما کان صاحب سمر و نسب ما	یہ ایک نسب دان اور داستان گو تھا،
ماظننت ان احد ایحدث عنہ	میں نہیں جانتا کہ کوئی اس سے حدیث
(میزان)	روایت کرنا گوارا کرے گا۔

صحیح بخاری (کتاب الاشربہ) میں یہ تصریح مذکور ہے کہ یہ خاتون آپ کو پہچانتی نہ تھی۔ اس لیے یہ گستاخی کی اور جب بعد کو اس کو معلوم ہوا کہ یہ آپ تھے، تو اُسنے سر پیٹ لیا[2]، خود حضرت عائشہؓ بھی اس بدنصیب کا قصہ بیان کرتی ہیں، لیکن یہ نہیں کہتیں[3] کہ یہ میری تعلیم تھی، حالانکہ ان کی آزاد بیانی اور اگر اپنا جرم ہو، تو روایت میں اس کا اعتراف مشہور ہے[4]۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الطلاق۔

[2] صحیح بخاری آخر کتاب الاشربہ۔

[3] صحیح بخاری کتاب الطلاق

[4] دیکھو ان کے اخلاق و عادات کا بیان نیز روایت حدیث کا باب۔

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ

حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے حضرت عائشہ رضؓ کی چار سوتیلی بیٹیاں تھیں، حضرت زینب رضؓ، حضرت رقیہ رضؓ، حضرت ام کلثوم رضؓ، حضرت فاطمہ رضؓ زہرا، لیکن حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی سے پہلے حضرت فاطمہ رضؓ کے سوا اور سب اپنی اپنی سسرال جا چکی تھیں، اس کے علاوہ ان میں حضرت رقیہ رضؓ کا سنہ ۲ھ میں حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی کے ایک سال کے بعد انتقال ہو گیا، البتہ حضرت زینب رضؓ اور حضرت ام کلثوم رضؓ نے بہ ترتیب ۸ سنہ و ۹ سنہ میں وفات پائی اور سات آٹھ برس ان کے سامنے زندہ رہیں، تاہم کوئی باہمی آزردگی کا واقعہ مذکور نہیں،

آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضؓ جو راہ الٰہی میں شہید ہوئیں، انکی نسبت حضرت عائشہ رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتی ہیں کہ آپنے فرمایا "وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی، جو میری محبت میں ستائی گئی"[۱]، حضرت زینب رضؓ کے بطن سے ایک لڑکی امامہ نام تھی، آپ ان کو بہت پیار کرتے تھے، ان کو گود میں لیکر مسجد جاتے تھے اور نماز پڑھاتے تھے تو ان کو کندھے پر بٹھا لیتے تھے[۲]، حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ آپ کو اس سے بہت محبت تھی، کہیں سے ایک ہار آیا تھا، عورتوں نے کہا یہ عائشہ رضؓ کی قسمت کا ہے، لیکن آپ نے وہ امامہ کو عطا فرمایا[۳]

حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی کے وقت حضرت فاطمہ رضؓ گو کنواری تھیں، لیکن ان سے سن میں پانچ چھ برس بڑی تھیں۔ غالباً ایک سال یا اس سے بھی کچھ کم، دونوں ماں بیٹی ایک ساتھ رہی ہونگی ۲ ھ کے بیچ میں وہ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ سے بیاہ دی گئیں، شادی کے لیے جن ماؤں نے سامان درست کیا تھا، ان میں حضرت عائشہ رضؓ بھی تھیں، اور آنحضرت

---

[۱] زرقانی بحوالہ طحاوی و حاکم ترجمہ زینب رضؓ، [۲] صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، [۳] مسند جلد ۶ ص ۱۰۱

صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انھوں نے خاص طور پر اس کا اہتمام کیا، مکان لیپا، بستر لگایا، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دھنکر تکیے بنائے، چھوہارے اور منقے دعوت میں پیش کیے، لکڑی کی ایک الگنی تیار کی کہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں، وہ خود بیان کرتی ہیں کہ "فاطمہ رض کے بیاہ سے کوئی اچھا بیاہ میں نے نہیں دیکھا[1]، شادی کے بعد حضرت فاطمہ رض جس گھر میں گئیں، اس میں اور حضرت عائشہ رض کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فصل تھا، بیچ میں ایک دریچہ تھا جس سے کبھی کبھی باہم گفتگو ہوتی تھی[2]۔

حدیث کی کتابوں میں کوئی صحیح واقعہ ایسا مذکور نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہو کہ ماں بیٹی کے دل باہم صاف نہ تھے حدیثیں تمام تر اسی کی مؤید ہیں کہ دونوں میں یک جہتی محبت اور میل ملاپ تھا حضرت فاطمہ رض سسرال میں اپنے ہاتھ سے کام کرتے کرتے تھک گئی تھیں، ایک لونڈی کی درخواست کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور اتفاق سے باریابی نہ ہوئی تو ماں ہی کو وکیل بنا کر واپس چلی گئیں[3]، بیٹی کا برتاؤ یہ تھا کہ جب دوسری ماؤں نے حضرت عائشہ رض کے مقابل میں سفیر بنا کر انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور انھوں نے ان کی طرف سے درخواست پیش کی، اور آپ نے فرمایا ہے، "بیٹی جس کو میں چاہوں، اس کو تم نہیں چاہو گی" تو فوراً شرما کر واپس چلی آئیں، اور پھر ماؤں کے دوبارہ اصرار سے بھی درخواست کے لیے نہیں گئیں[4]

بیٹی کی تعریف میں کہتی ہیں، "میں نے فاطمہ رض سے ان کے باپ کے سوا کوئی اور بہتر انسان کبھی نہیں دیکھا[5]، ایک تابعی نے حضرت عائشہ رض سے پوچھا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟" بولیں "فاطمہ!" کہتی ہیں کہ میں نے فاطمہ رض سے زیادہ

---

[1] بخاری تفصیل ابن ماجہ باب الولیمہ میں ہے [2] خلاصۃ الوفا فصل رابع۔ [3] صحیح البخاری کتاب الجہاد وباب عمل المرأۃ فی بیت زوجہا و مسند ابو داؤد طیالسی مسند علی، [4] صحیح بخاری، [5] زرقانی بحوالہ معجم اوسط طبرانی علی شرط الشیخین۔

نشست و برخاست کے طور طریقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا کسی اور کو نہیں دیکھا، جب آپ کی خدمت میں وہ آتیں آپ سروقد کھڑے ہو جاتے، پیشانی چوم لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے، اسی طرح جب آپ ان کے گھر تشریف لیجاتے، تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں، باپ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں[1]، وہ خاص حدیث جس میں حضرت فاطمہ رضؓ کے اہل بیت اور آلِ عبا میں ہونے کا ذکر ہے، وہ حضرت عائشہ رضؓ ہی کے ذریعہ سے مروی ہے[2]۔

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ ایک دن ہم سب بیویاں آپ کے پاس بیٹھی تھیں، کہ فاطمہ رضؓ سامنے سے آئیں، بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال تھی، ذرا بھی فرق نہ تھا، آپ نے بڑے تپاک سے بلا کر پاس بٹھالیا، پھر چپکے چپکے ان کے کان میں کچھ کہا، وہ رونے لگیں، انکی بیقراری دیکھ کر آپنے پھر ان کے کان میں کچھ کہا، وہ ہنسنے لگیں، حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا "فاطمہ رضؓ! تمام بیویوں کو چھوڑ کر صرف تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے راز کی باتیں کہتے ہیں اور تم روتی ہو" آپ جب اُٹھ گئے تو میں نے واقعہ دریافت کیا بولیں "میں باپ کا راز نہیں فاش کروں گی" جب آپ کا انتقال ہو گیا تو میں نے دوبارہ کہا، فاطمہ رضؓ! میرا جو تم پر حق ہے، اس کا واسطہ دیتی ہوں، اس دن کی بات مجھ سے کہدو" انھوں نے کہا" ہاں اب ممکن ہے، میرے رونے کا سبب یہ تھا کہ آپنے اپنی جلد وفات کی اطلاع دی تھی، ہنسنے کا باعث یہ تھا کہ آپنے فرمایا کہ "فاطمہ رضؓ! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم تمام دنیا کی عورتوں کی سردار بنو"[3]۔

اس حدیث سے دونوں ماں بیٹی کے تعلقات کتنے خوشگوار نظر آتے ہیں، یہ حضرت فاطمہ رضؓ کے اخیر عمر کا واقعہ ہے، اس سے ثابت ہوگا کہ میراث اور فدک کے جھگڑوں نے ان پاک

---

[1] جامع ترمذی باب المناقب میں دونوں حدیثیں ہیں۔ [2] صحیح مسلم باب الفضائل۔

[3] ایضاً و صحیح بخاری باب من ناجی بین یدی الناس۔

روحوں کو کوئی صدمہ نہیں پہنچایا تھا اور نہ کوئی اور خانگی آزردگی کا واقعہ ان کے شیشۂ خاطر کو مکدّر کر سکا تھا۔

غلط اور مشتبہ روایات | مسند ابن حنبل میں انہی بزرگ سے جنھوں نے بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ شب کے وقت حضرت اُمّ سلمہؓ حضرت عائشہؓ کے گھر آئیں، اور باہمی سخت کلامی کی نوبت آئی، مروی ہے کہ اُس کے بعد حضرت اُمّ سلمہؓ اٹھ کر فاطمہؓ کے گھر گئیں اور ان سے جا کر کہا کہ عائشہؓ تم کو برا بھلا کہتی ہے، حضرت علیؓ کے مشورے سے وہ آپ کی خدمت میں دوڑی آئیں، اور شکایت کی، آپ نے فرمایا "خدا کی قسم وہ تمھارے باپ کو پیاری ہے"۔ حضرت علیؓ نے کہا! "عائشہؓ نے پہلے جو کچھ کہا وہ کافی نہ تھا، جو (جلانے کو) یہ بھی کہدیا کہ خدا کی قسم وہ تمھارے باپ کو پیاری ہے[1]"۔

یہ حدیث بظاہر حضرت عائشہؓ کی منقبت میں ہے، لیکن اس تصویر کو غور سے دیکھو تو نظر آئے گا کہ نامعقول راوی نے ازواج مطہرات کے اخلاق کا کتنا بدنما نقشہ کھینچا ہے، اس ہجو ملیح کا سرچشمہ علی بن زید تیمی ہے، جو ضعیف، واہی، ناقابلِ حجت ہونے کے ساتھ رافضی بھی تھا[2]۔

یحییٰ نے اپنی مسند میں عیسیٰ بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ایک دریچہ کھلتا تھا، آپ اس دریچہ سے اُنکی خیریت پوچھ لیا کرتے تھے، ایک دفعہ شب کو آپ گھر میں رونق افروز نہ تھے، اسی دریچہ سے حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ میں کچھ گفتگو ہو گئی، آخر حضرت فاطمہؓ کی درخواست پر آپ نے یہ دریچہ بند کرا دیا[3]۔

ابن عبدالحمید اور عیسیٰ بن عبداللہ دونوں صاحب جو اس واقعہ کے راوی ہیں، علاوہ اس کے کہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں، شیعہ بھی ہیں، گو اہلِ فن کے نزدیک شیعہ ہونا ضعف کا سبب نہیں، تاہم یہ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حق میں ان کی شہادت کبھی قبول نہیں ہو سکتی۔

---

[1] ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۳۰، [2] تہذیب التہذیب و میزان الاعتدال فی نقد الرجال، [3] خلاصۃ الوفا، فصل (۴) ص ۱۲۷، مصر بحوالہ یحییٰ۔

واقعہ افک

مدینہ میں آکر مسلمانوں کو جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا وہ مدینہ سے بالکل مختلف تھیں، مدینہ میں منافقوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا، جو ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا، انسان کے لیے سب سے بڑی چیز آبرو ہے، اور اس پر حملہ بڑے کمینہ دشمن کا کام ہے، لیکن یہاں اسلام کو جیسے مخلص، وفاشعار اور محبت والے دوست ملے تھے، اسی قسم کے نفاق پرور، عداوت پیشہ اور غدار دشمن بھی ہات آئے تھے، اس قسم کے غلط اور خلافِ آبرو واقعات کی تشہیر اور باہمی خانہ جنگی کے اسباب کی فراہمی ان کا سب سے بڑا ہتھیار تھا، اگر خدانخواستہ توفیقِ الٰہی شاملِ حال نہ ہوتی تو ان کی خانہ برانداز کوششیں پہلے ہی کئی بار صحابہ کے درمیان تفریق بلکہ خونریزی میں کامیاب ہو چکی ہوتیں۔

ان کوششوں کی سب سے ذلیل مثال افک یعنی حضرت عائشہ رضؓ پر تہمت لگانے کا واقعہ ہی، معلوم ہے کہ اس منافق گروہ سے سب سے بڑے دشمن حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ تھے، اس بنا پر حرمِ نبوت اور بارگاہِ خلافت کی شہزادیوں یعنی حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ کے بدنام کرنے میں ان کی ناکام کوششوں کا بڑا حصہ صرف ہوا، جن کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں اور کچھ آگے آئیں گی۔

نجد کے قریب مریسیع نام بنی مصطلق کا ایک چشمہ تھا، شعبان ۵ھ میں مسلمان اسی چشمہ کے پاس اُن سے معرکہ آرا ہوئے تھے، چونکہ یہ معلوم تھا کہ یہاں کوئی خونریز جنگ نہیں ہوگی، اس لیے منافقوں کی ایک بہت بڑی تعداد فوج میں شریک ہو گئی تھی، ابن سعد کی روایت ہے:-

وخرج معه بشر كثير من المنافقين — اس سفر میں منافقین کی بہت بڑی تعداد

لم یحضر جوانی غزاۃ قط مثلھا[۱] شریک تھی، جو کسی اور غزوہ میں نہیں ہوئی

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر میں جاتے تو ازواج مطہراتؓ میں سے جنکے نام پر قرعہ پڑتا، وہ معیت کے شرف سے ممتاز ہوتیں، اسی طریقہ سے اس سفر میں حضرت عائشہؓ ہمرکابی میں تھیں، چلتے وقت اپنی بہن اسمٰاؓ کا ایک ہار عاریۃً پہننے کو مانگ لیا تھا، وہ ان کے گلے میں تھا، ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں، اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چودہ برس کی تھی، یہ عورت کا وہ زمانہ ہے جس میں ان کے نزدیک معمولی سا زیور بھی وہ گراں قیمت سامان ہے جس کے شوق میں ہر زحمت گوارا کرلی جاسکتی ہے۔

سفر میں حضرت عائشہؓ اپنے محمل پر سوار ہوتیں، ساربان محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھدیتے تھے اور چل کھڑے ہوتے تھے، اس وقت کم سنی اور اچھی غذا نہ ملنے کے باعث اس قدر دُبلی پتلی اور ہلکی پھلکی تھیں کہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو مطلق محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کوئی سوار بھی ہے یا نہیں۔

سفر سے واپسی میں کئی بار منافقین نے شرارتیں کیں، ایک دفعہ قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار تلواریں کھینچ کر باہم کٹ مریں، آخر مشکل سے معاملہ رفع دفع کیا گیا، ان شریروں نے انصار کو سمجھایا کہ وہ اسلام کی مالی خدمت چھوڑ دیں، عبداللہ بن اُبی نے جو ان کا رئیس تھا، برملا کہا:-

لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل (منافقون ۱۰)	اگر ہم مدینہ واپس پہنچے تو معزز ین ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کرکے اس واقعہ کی اطلاع دی، تو گو وہ اس جرم میں شریک نہ تھے، تاہم ان کو ندامت ہوئی، اور عبداللہ بن اُبی کی طرف سے ایک عام نفرت پیدا ہوگئی، خود اس کے بیٹے نے جب یہ سُنا تو باپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور

---

[۱] ابن سعد جزء مغازی ص ۴۵، لیڈن۔

کہا "جب تک تم یہ اقرار نہ کرلو کہ ذلیل تم ہو اور معزز محمد ہیں، میں تم کو نہیں چھوڑوں گا"[1]

ایک جگہ رات کو قافلہ نے پڑاؤ کیا، پچھلے پہر وہ پھر روانگی کو تیار تھا کہ حضرت عائشہ رضؓ قضائے حاجت کے لیے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں، فارغ ہو کر جب لوٹیں تو اتفاق سے گلے پر ہات پڑ گیا، دیکھا تو ہار نہ تھا، ایک تو کم سنی اور پھر مانگے کی چیز، گھبرا کر وہیں ڈھونڈنے لگیں، سفر کی ناتجربہ کاری کی بنا پر ان کو یقین تھا کہ قافلہ کی روانگی سے پہلے ہی ہار ڈھونڈھ کر واپس آجاؤں گی، اس بنا پر نہ کسی کو واقعہ کی اطلاع دی اور نہ آدمیوں کو اپنے انتظار کا حکم دیکر گئیں، ساربان حسب دستور محمل کو اونٹ پر رکھکر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے، تھوڑی دیر کی تلاش میں ہار مل گیا، ادھر قافلہ چل چکا تھا، پڑاؤ پر آئیں تو یہاں سناٹا تھا۔

مجبوراً چادر اوڑھ کر وہیں پڑ رہیں کہ جب لوگ محمل میں نہ پائیں گے تو خود لینے آئینگے صفوان رضؓ بن معطل ایک صحابی تھے، جو ساقہ (ریر گارڈ) یعنی چھوٹے چھوٹے سپاہیوں اور فوج کی گری پڑی چیزوں کے انتظام کے لیے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے، صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو دور سے سواد نظر آیا، حکم حجاب سے پہلے جو اسی سال نازل ہو چکا تھا، انھوں نے حضرت عائشہ کو دیکھا تھا، دیکھتے ہی پہچان لیا، پاس آکر انا للہ پڑھا، آواز سنکر حضرت عائشہ رضؓ سوتے سے چونک پڑیں، صفوان نے اپنا اونٹ بٹھایا، اور ان کو سوار کر کے اگلی منزل کا راستہ لیا، قافلہ نے دوپہر کے وقت پڑاؤ کیا ہی تھا کہ محمل سامنے نظر آیا، صفوان کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی، اور حضرت عائشہ رضؓ محمل میں سوار تھیں، یہ نہایت معمولی واقعہ تھا،

---

[1] ابن سعد جزء مغازی ص ۴۵، صحیح بخاری و فتح الباری تفسیر سورۂ منافقین، نسائی میں ہے کہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے، لیکن بخاری میں حضرت جابرؓ کی جو حدیث ہے کہ اس وقت مہاجرین انصار سے کم تھے، اس سے اس کی تردید ہوتی ہے، ابن ابی حاتم، اور تمام ارباب مغازی متفق ہیں کہ غزوۂ مریسیع میں یہ واقعات پیش آئے، فتح الباری جلد ۸ ص ۴۰۴، ۷۹، ۴۹۸۔

اور اکثر سفر میں پیش آتا ہے، آج ریل کے زمانہ میں بھی اس قسم کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں۔

ہندوؤں میں سیتا پر اور بنو اسرائیل میں مریمؑ پر جو کچھ گزری، اسلام میں اسی کا اعادہ ہوا، عبداللہ بن اُبی نے کہ جس کا زخم ابھی تازہ تھا یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ اب وہ پاکدامن نہ رہیں، جابجا اس چیز کو پھیلانا شروع کیا، نیک دل مسلمانوں نے اس آواز کو سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھا کہ سُبحَانَ اللہ ھٰذا بُھتان عظیم، حضرت ابو ایوبؓ نے اپنی بیوی سے کہا اُم ایوبؓ اگر تم سے یہ کوئی کہتا کیا تم مان لیتیں" بولیں "استغفر اللہ کسی شریف کا بھی یہ کام ہے۔" حضرت ابو ایوبؓ نے کہا، تو عائشہ تم سے کہیں زیادہ شریف ہیں، کیا ان سے ایسا ہو سکتا ہے، عبداللہ بن اُبی کے علاوہ مدینہ میں تین اور آدمی بھی اس سازش میں مبتلا ہو گئے، حسانؓ بن ثابت، حمنہ بنتؓ جحش، اور مسطح بنؓ اثاثہ، حالانکہ ان میں سے دو اول الذکر اس سفر میں شریک تک نہ تھے، حضرت حسانؓ کو معاذ اللہ! واقعہ کی صحت سے بحث نہ تھی، ان کو صفوان کی بدنامی پر مسرت تھی، ان کو ملال تھا کہ بیرونی لوگ ہمارے گھر اگر ہم سے زیادہ معزز کیوں بن گئے، چنانچہ ایک قصیدہ میں انھوں نے اس کا ماتم کیا ہے[1]،

امسیٰ الجلابیب قد عزوا وقد کثروا　　ابن الفریعۃ امسیٰ بیضۃ البلد

اس قدر معزز ہو گئے اور اتنے بڑھ گئے　　اور فریعہ کا بیٹا (حسان) اتنا ذلیل ہو گیا

حمنہ ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کی بہن تھیں، وہ سمجھیں کہ اس طرح حضرت عائشہؓ کو زک دیکر اپنی بہن کو بڑھنے کا موقع دلائیں گی[2]۔ مسطح سے البتہ تعجب ہے، کہ اول تو حضرت ابو بکرؓ کے ایک عزیز تھے، پھر اُن ہی کا دستِ فیض اُن کے قوت کا سامان تھا۔

دُنیا میں عزت سے زیادہ کوئی چیز نازک نہیں، یہ وہ شیشہ ہے جو پتھر پھینکنے سے نہیں بلکہ پتھر پھینکنے کے ارادے سے بھی چور چور ہو جاتا ہے، غلط سی غلط بات بھی جب کسی آبرو دا

---

[1] ابن ہشام، ذکر افک و دیوان حسان، [2] صحیح بخاری و مسلم حدیث افک۔

اور نیک آدمی کی نسبت کوئی شر بر کہہ بیٹھتا ہے تو وہ یا شرم سے پانی پانی یا غصہ سے آگ بگولا ہو جاتا ہے، اب تک ناصرۂ اسلام کی مریم ان واقعات سے بیخبر تھی، اتفاقاً ایک شب مسطح کی ماں کے ساتھ قضائے حاجت کو آبادی سے باہر جارہی تھیں کہ مسطح رضؓ کی ماں کو کسی چیز سے ٹھوکر لگی، انھوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی، حضرت عائشہ رضؓ نے ٹوکا کہ ہائیں تم ایک صحابی کو گالی دیتی ہو مسطح کی ماں نے واقعہ بیان کیا، سننے کے ساتھ ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، کہتی ہیں کہ بدحواسی میں اپنی ضرورت بھول گئی اور یوں ہی لوٹ آئی، تاہم ان کو اتنی بڑی بات کا یقین نہیں آیا، سیدھی میکہ آئیں، ماں سے پوچھا تو انھوں نے تسکین دی، اتنے میں ایک انصاریہ آگئی، اُس نے پُوری داستان دہرائی اب شک کا کیا موقع تھا، سنتے ہی غش کھا کر پڑیں، والدین نے سنبھالا اور سمجھا بجھا کر گھر رخصت کیا، یہاں پہنچکر شدت کا بخار اور لرزہ آیا، اس حالت میں انسان کو طرح طرح کا خیال آتا ہے اور ذرا ذراسی بات سے بدگمان ہوتا ہے، آپ باہر سے تشریف لاتے اور کھڑے کھڑے پوچھ لیتے کہ اب ان کا کیا حال ہے؟ حضرت عائشہ رضؓ کو خیال ہوا کہ بیماری میں اگلا سا التفات میرے حال پر نہیں، اس بنا پر اجازت لیکر وہ پھر میکہ چلی آئیں، دن رات آنکھوں سے آنسو جاری رہتے، کہتی ہیں کہ نہ آنسو تھمتا تھا، اور نہ آنکھوں میں نیند کا سرمہ لگتا تھا، باپ لطف و محبت سے سمجھاتے تھے کہ روتے روتے تمھارا کلیجہ نہ پھٹ جائے، ماں دلاسا دیتی تھی کہ بیٹی! جو بیوی اپنے شوہر کو چہیتی ہوتی ہے اس کو اس قسم کے صدمے اٹھانے ہی پڑتے ہیں"۔ ایک بار غیرت سے ارادہ کیا کہ کنویں میں گر کر جان دیدیں،

صفوان رضؓ کو حضرت حسان رضؓ کی اس ہجو گوئی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم اب تک میں نے کسی عورت کو چھوا بھی نہیں ہے اور غصہ سے تلوار ہاتھ میں لیکر حضرت حسان کی تلاش میں نکلے، اور یہ شعر پڑھ کر تلوار کا وار کیا۔

تلقَّ ذباب السیف منی فاننی   غلامٌ اذا ھوجیت لست بشاعرٖ

تو مجھ سے تلوار کی یہ دھار، میں نوجوان ہوں، جب میری ہجو ہو، میں شاعر نہیں۔

وہ پکڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر کیے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے تقصیر معاف کرائی اور اس کے معاوضہ میں حضرت حسانؓ کو جائداد عنایت فرمائی۔

گو ام المومنینؓ کی بے گناہی مسلّم تھی، تاہم شریروں کے منہ بند کرنے کے لیے تحقیق ضرور تھی آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے مشورہ طلب کیا، حضرت اسامہؓ نے تسکین دی اور حضرت عائشہؓ کی برآئت کی، حضرت علیؓ نے کہا "دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں" (یعنی اگر لوگوں کے کہنے کی پرواہ ہو تو طلاق دیدیجئے) اور خادمہ سے پوچھ لیجئے وہ سچ سچ بتادے گی"۔ اس سے کنایۃً پوچھا گیا تو واقعہ اتنا مستبعد تھا کہ سمجھ بھی نہ سکی، وہ عام خانہ داری کے متعلق ان کی حالت کا استفسار سمجھی، بولی کہ "اور تو کوئی برائی نہیں، ہاں بچپن ہی، سوتی ہیں تو بکری آٹا کھا جاتی ہے، آخر صاف لفظوں میں اس سے سوال کیا گیا، اس نے کہا "سبحان اللہ خدا کی قسم جس طرح سونار کھرے سونے کو جانتا ہے، اسی طرح میں ان کو جانتی ہوں" بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کو مارا بھی، حضرت علیؓ کے اس تشدد سے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت عائشہؓ کو اس سے آزردگی ہوئی ہوگی، بنوامیہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں حضرت علیؓ پر جو الزامات قائم کیے تھے، ان میں ایک یہ بھی تھا، لیکن امام زہری نے عین وقت پر نہایت بہادری سے اس کی تردید کی، سوکنوں میں حضرت زینبؓ کو حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ تھا، اور ان کی بہن حمنہ اس سازش میں شریک بھی تھیں، اس لحاظ سے آپ نے ان کی رائے بھی دریافت کی انھوں نے کان پر ہاتھ رکھا کہ عائشہ میں بھلائی کے سوا اور کچھ میں نہیں جانتی، اس کے بعد آپ نے مسجد میں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر تقریر میں حرم نبوت کی پاکی وطہارت اور عبداللہ بن اُبی کی خباثت کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا:-

"مسلمانو! اس شریر کو میری طرف سے کون سزا دے گا جس کی نسبت مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہلِ بیت پر عیب لگاتا ہے، قبیلہ اوس کے رئیس حضرت سعدؓ بن معاذ نے اٹھ کر کہا، میں یا رسول اللہ، اگر وہ ہمارے قبیلہ کا آدمی ہے تو ابھی اس کا سر اڑا دیں گے اور اگر ہمارے بھائی خزرج میں سے ہے تو آپ حکم دیجیے، ہم تعمیلِ ارشاد کو تیار ہیں۔

اوس و خزرج کی باہمی عداوت اور معرکہ آرائی پشتہا پشت سے چلی آتی تھی اسلام نے آکر اس فتنہ کو دبا دیا تھا، لیکن وہ آگ ابھی تک راکھ کے نیچے دبی تھی ہلکے سے جھونکے سے بھی وہ بھڑک اٹھتی تھی، خزرج کے رئیس سعدؓ بن عبادہ کو یہ بُرا معلوم ہوا کہ وہ اپنے قبیلہ کی نسبت جو چاہتے کہہ سکتے تھے لیکن ان کو دوسرے کے قبیلہ کے معاملہ میں دخل دینے کا حق کیا تھا؟ وہ اپنے قبیلہ کی نسبت حضور میں خود عرض کرتے، اور اتفاق یہ کہ شریر اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، اور ابھی حسان کا واقعہ گزر چکا تھا، اس لیے انھوں نے سعد بن معاذ کو خطاب کر کے کہا "تم تو قتل نہیں کر سکتے تم میں یہ قدرت نہیں" ابن معاذ کے چچا زاد بھائی اسید بن حضیر نے برابر سے ٹوکا کہ "سعد یہ کیا منافقانہ پن ہے، منافقوں کی طرف داری کرتے ہو" معاملہ نے طول پکڑا اور قریب تھا کہ دونوں قبیلے تلواریں سونت سونت کر سامنے آجائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو چپ کیا اور بات آئی گئی ہو گئی،

یہاں سے اٹھ کر آپ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس تشریف لے گئے وہ بسترِ علالت پر پڑی تھیں (آنکھیں آنسوؤں سے پُرنم تھیں، والدین داہنے بائیں تیمارداری میں مصروف تھے، آپ قریب جا کر بیٹھ گئے اور حضرت عائشہ رضؓ سے خطاب کر کے فرمایا، عائشہ رضؓ اگر تم مجرم ہو تو توبہ کرو، خدا قبول کرے گا، ورنہ خدا خود تمھاری طہارت اور پاکی کی گواہی دے گا، والدین کو اشارہ کیا کہ آپ کو جواب دیں، لیکن ان سے کچھ کہتے نہ بنا، یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے آنسو دفعۃً خشک ہو گئے، ایک قطرہ بھی

آنکھوں میں نہ تھا، دل نے اپنی برأت کے یقین کی بنا پر اطمینان محسوس کیا، پھر خود جواب میں اس طرح گویا ہوئیں: "اگر میں اقرار کرلوں، حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں تو اس الزام کے صحیح ہونے میں کس کو شک رہ جائے گا"! اگر انکار کروں تو لوگ کب باور کریں گے؟ میرا حال اس وقت یوسفؑ کے باپ (کہتی ہیں کہ سوچنے پر بھی حضرت یعقوبؑ کا نام یاد نہ آیا) کا سا ہے، جنھوں نے کہا تھا، فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔

منافقوں نے اس فتنہ انگیزی سے جو مقاصد پیش نظر رکھتے تھے، یعنی

(۱) (نعوذ باللہ) پیغمبر اور صدیق رضؓ کے نام کی اہانت اور بدنامی۔

(۲) خاندان نبوی میں تفریق۔

(۳) اسلام کے برادرانہ اتحاد اور اجتماعی قوت میں رخنہ ڈالنا۔

وہ سب ایک ایک کر کے حاصل ہو چکے تھے۔

اب وہ وقت تھا کہ عالم غیب کی زبان گویا ہو بالآخر وہ گویا ہوئی، حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ "آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا، پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلک رہے تھے، اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں:-

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ	جن لوگوں نے یہ افترا باندھا ہے وہ تم ہی میں
مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَكُمْ بَلْ هُوَ	سے کچھ لوگ ہیں، تم اس کو برا نہ سمجھو، بلکہ اس
خَيْرٌ لَكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا	میں تمھاری بہتری تھی (کہ مومنین اور منافقین
اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى	کی تمیز ہوگئی) ہر شخص کو حصہ کے مطابق گناہ
كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝	اور جس کا اس میں بڑا حصہ تھا اس کو بڑا
لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَ	عذاب ہوگا، جب تم نے یہ سنا تو مومن مردوں
الْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا	اور مومن عورتوں نے اپنے بھائی اور بہنوں
إِفْكٌ مُبِينٌ ۝ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ	کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور

شُهَدَآءَ ج فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ
فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ٥
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ
فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۚ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ
وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ
بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ
عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۚ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ
قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا
سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۚ
يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
الْاٰيٰتِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۚ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۚ
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥

(نور ۲۴)

کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح تہمت ہی اور کیوں
نہیں ان افترا پردازوں نے چار گواہ پیش
کیے، اور جب گواہ پیش نہیں کیے تو خدا کے
نزدیک جھوٹے ٹھیرے، اگر خدا کی عنایت و
مہربانی دین و دنیا میں تمھارے شاملِ حال
نہ ہوتی تو جو افواہ تم نے اڑائی تھی اس پر
تم کو سخت عذاب پہنچتا، جب تم اپنی زبان سے
اس کو پھیلا رہے تھے اور منہ سے وہ بات
نکال رہے تھے جس کا تم کو علم نہ تھا اور تم
اس کو ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ
خدا کے نزدیک وہ بڑی بات تھی، تم نے سننے
کے ساتھ یہ کیوں نہیں کہا کہ ہم کو ایسی ناروا
بات منہ سے نہیں نکالنی چاہیے، خدا پاک
ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہی، خدا نصیحت کرتا
ہے، کہ اگر تم مومن ہو تو ایسی بات نہ کرو، خدا
اپنے احکام بیان کرتا ہی، اور وہ دانا اور حکمت
والا ہی، جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں
برائی پھیلے، ان کے لیے دین و دنیا دونوں
میں بڑی دردناک سزا ہی، خدا سب جانتا
ہے اور تم کچھ نہیں جانتے۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

(۲) جو لوگ بھولی بھالی پاکدامن بی بیوں

الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۙ یَّوْمَ تَشْھَدُ عَلَیْھِمْ اَلْسِنَتُھُمْ وَاَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (نور-۳)

پر تہمت رکھتے ہیں وہ دنیا اور عقبیٰ دونوں میں ملعون ہوں گے، اور ان کو بڑا عذاب ہوگا، اس دن جب خود ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں اور ان کے کرتوتوں پر گواہی دیں گے۔

ماں نے کہا "لو بیٹی! اٹھو اور شوہر کے قدم لو، حضرت عائشہ رضؓ نے نسوانی غرور و ناز کے ساتھ جواب دیا، میں صرف اپنے خدا کی شکرگزار ہوں، کسی اور کی ممنون نہیں۔"

اس کے بعد قانون ازالہ حیثیت کے مطابق تین مجرموں کو اسّی اسّی کوڑے کی سزا دی گئی۔[1]

جب حسان رضؓ نے اپنے جرم کے کفارے میں حضرت عائشہ رضؓ کی منقبت میں چند شعر کہے جو ابن اسحاق کی روایت سے اُس کی سیرت میں منقول ہیں، بخاری میں اس قدر ہے کہ حضرت حسان رضؓ نے اپنے چند شعر حضرت عائشہ رضؓ کو سُنائے جن میں سے ایک یہ تھا،

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِیْبَۃٍ — وَتُصْبِحُ غَرْثٰی عَنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

پاکدامن ہے، باوقار ہے، مشتبہ نہیں ہے — بھولی بھالی عورتوں کے بدن کا گوشت نہیں کھاتی

حضرت عائشہ رضؓ نے یہ شعر سُن کر کہا "یہ سچ ہے مگر تم ایسے نہیں ہو"، یہ اشارہ ان کے واقعہ تہمت میں شرکت کی طرف تھا۔

---

[1] یہ تمام مسلسل واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم (کتاب التوبہ) میں مفصّل مذکور ہے، امام بخاری نے یہ تفصیل و اختصار متعدد مقامات میں اس روایات کو درج کیا ہے، کتاب الشہادات، کتاب الجہاد، تفسیر سورۂ نور، غزوۂ بنی مصطلق میں خصوصیت کے ساتھ تفصیل ہے، زائد باتیں جو حدیث کی دوسری کتابوں میں مروی ہیں فتح الباری جلد ۸ تفسیر نور سے لی ہیں، اختلافات و روایات کی تطبیق، واقعات کی ترتیب اور مطالب و معنی کی تصحیح میں حافظ ابن حجر کی تقلید کی ہے۔

سرولیم میور کا بیان | سرولیم میور نے لائف آف محمد میں واقعۂ افک کے بیان میں عجیب و غریب تاریخی اور ادبی غلطیاں کی ہیں، جن اغلاط کو اس کتاب سے تعلق نہیں ان کے بیان کا تو یہ موقع نہیں تاہم تاریخی و ادبی غلطی کی ایک ایک مثال پر قناعت کرتے ہیں، انکا بیان ہے کہ

"بنی مصطلق کے خلاف بھیجی ہوئی مہم جب مدینہ واپس آئی تو عائشہ کا محمل آپ کے سامنے دروازہ کے پاس مسجد کے متصل رکھا گیا، لیکن جب کھولا گیا تو وہ خالی تھا تھوڑی دیر کے بعد صفوان جو ایک مہاجر تھے نمودار ہوئے، اونٹ پر عائشہ بیٹھی ہوئی تھیں اور آگے آگے صفوان تھے"

آگے چل کر کہتا ہے :-

"اگرچہ صفوان نے بڑی جلدی کی تاہم فوج کو نہ پا سکے، پس لوگوں کے اترنے اور خیمہ نصب کرنے کے بعد عائشہؓ صفوان کی رہبری میں منظر عام کے سامنے داخلِ شہر ہوئیں"

یہ دونوں بیان حدیث اور سیر کی ساری کتابوں کے خلاف ہے اس تصویر کشی سے میور کا مقصود یہ ہے کہ صورتِ حال اور زیادہ بدنما نظر آئے، حالانکہ متفقہ طور سے ثابت ہے کہ صفوان نے چند گھنٹوں کے فصل سے دوپہر کے وقت اگلی منزل میں فوج کو پالیا، یہ سرے سے مدینہ کا قصہ ہی نہیں۔

لوگ حسانؓ کو برا کہتے ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ خود اپنی زبان سے برا نہیں کہتی تھیں، بلکہ لوگوں کو اس سے روکتی تھیں[1]، صحیح بخاری و مسلم میں اس کا سبب خود حضرت عائشہؓ کی زبانی مذکور ہے کہ وہ یعنی حسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کافروں کو جواب دیتے تھے، لیکن ہمارے محقق مورخ کو تیرہ سو برس کے بعد ایک اور لطیف وجہ نظر آئی ہے، لکھتا ہے :-

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ نور و مناقب حسانؓ۔

"حسان نے اپنے شاعرانہ تخیل کو بدل کر ایک نہایت عمدہ نظم لکھی جس میں عائشہ رضؓ کی عفت، حسن، عقلمندی، اور چھریرے خوبصورت بدن کی تعریف تھی، خوشامد بھری ہوئی تعریف نے عائشہ رضؓ اور شاعر میں میل کرا دیا۔"

کاش انگلینڈ کا مستشرقِ اعظم ہم کو بتا سکتا کہ تمام شعر میں حضرت عائشہ رضؓ کے حسن، عقلمندی، اور چھریرے خوبصورت بدن کی تعریف کس فقرے میں مذکور ہی اور شاید ہمارے محقق کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حضرت عائشہ رضؓ کو جب یہ شعر سنایا گیا تھا تو ان کا سن اس وقت چالیس برس کا ہوگا، ان کا جسم اس وقت چھریرا نہیں بلکہ پندرہ سولہ ہی برس کے سن میں بھاری ہو گیا تھا۔[1]

سر ولیم میور کے مشرقی تجر اور عربی دانی کا اس سے بھی عجیب اور مضحکہ انگیز نمونہ یہ ہے کہ:-

"اس نظم میں عائشہ رضؓ کے چھریرے، خوبصورت بدن کی تعریف تھی، چھریرے بدن کی ہجو سے عائشہ رضؓ کو بہت رنج ہوتا تھا، حسان جب اس فقرے پر پہنچے، جس میں ان کی لاغری کی طرف اشارہ تھا، تو شوخی کے ساتھ شاعر کو روکا اور خود شاعر کی فربہی کی برائی کی۔" (تم)

ہم نے اسلامی دفتر کا سارا عرصۂ کائنات چھان ڈالا، لیکن حضرت عائشہ رضؓ کے اس طرز اخلاق اور حلیہ کا پتہ نہ چلا، ناچار خود سر ولیم کے بتائے ہوئے اشارہ پر ہم نے جستجو کی تو نظر آیا کہ تصویر کا قصور نہ تھا بلکہ خود یورپ کے سب سے بڑے ماہرِ عربیات کے دماغی شیشہ کا قصور تھا اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسان رضؓ کے شعر کا دوسرا مصرع یہ تھا۔

وتصبح غرثی عن لحوم الغوافل — وہ بھولی بھالی عورتوں کا گوشت نہیں کھاتیں

حضرت عائشہ رضؓ نے یہ شعر سن کر کہا "لیکن تم ایسے نہیں ہو۔"

عربی محاورہ میں کسی کا گوشت کھانا، اس کی غیبت اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے سے عبارت ہے، حضرت حسان کا مقصود یہ ہے کہ آپ کسی کی غیبت اور پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرتیں حضرت

---

[1] سنن ابی داؤد، باب السبق علی الرجل۔

عائشہ رضؓ نے تعریضاً کہا، لیکن تم ایسے نہیں ہو یعنی تم غیبت کرتے ہو، اور پیٹھ پیچھے بُرائی کرنے کے بھی مرتکب ہوئے، یہ واقعۂ افک کی طرف اشارہ تھا، اس سے یہ مقصود نہ تھا کہ میں دُبلی تو ہوں مگر تم بڑے موٹے ہو۔

اس جاہلانہ کمال کا تماشہ یورپ کے عجائب زار کے سوا ہم کو کہاں نظر آسکتا ہی!

آخر میں ہم کو ان کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اصل الزام کے بطلان سے ان کو بھی انکار نہیں لکھتے ہیں:۔

"ان کی (حضرت عائشہ رضؓ کی) ماقبل ومابعد کی زندگی ہم کو بتاتی ہے کہ وہ اس جُرم سے بالکل بے گناہ تھیں"۔

تیمّم کے حکم کا نزول

ایک اور سفر میں حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں، وہی ہار گلے میں تھا، قافلہ واپس ہو کر مقام ذات الجیش میں پہنچا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا، گزشتہ واقعہ سے ان کو تنبیہ ہو گئی تھی، فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو مطلع کیا، صبح قریب تھی، آپ نے پڑاؤ ڈال دیا اور ایک آدمی اسکے ڈھونڈنے کو دوڑایا، اتفاق یہ کہ جہاں فوج نے منزل کی تھی وہاں پانی مطلق نہ تھا، نماز کا وقت آگیا، لوگ گھبرائے ہوئے حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس پہنچے کہ عائشہ رضؓ نے فوج کو کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے، وہ سیدھے حضرت عائشہ رضؓ کے پاس پہنچے دیکھا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم ان کے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے ہیں، بیٹی کو کہا ہر روز تم نئی مصیبت سب کے سر لاتی ہو اور غصّہ سے ان کے پہلو میں کئی کوچے دیئے لیکن وہ آپ کی تکلیف کے خیال سے ہل بھی نہ سکیں۔

۱؎ مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۷۲ -

آپ صبح کو بیدار ہوئے تو واقعہ معلوم ہوا، اسلام کے تمام احکام کی یہ خصوصیت ہو کہ وہ ہمیشہ مناسب واقعات کی تقریب سے نازل ہوئے ہیں، اسلام میں نماز کے لیے وضو فرض تھا، لیکن بیسیوں موقعے ایسے پیش آتے ہیں جہاں پانی نہیں ملتا، یہ موقع بھی اسی قسم کا تھا۔

چنانچہ اس موقع پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیت نازل ہوئی :-

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ	اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا حاجت ضروری
أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ	سے فارغ ہوئے ہو یا عورتوں سے مقاربت
فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا	کی ہو اور تم پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی کا
طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ	قصد کرو اور اس سے کچھ منہ اور ہاتھ پر پھیر لو
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا (نساء)	اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

ابھی ابھی مجاہدین کا پرجوش گروہ جو اس مصیبت میں تلملا رہا تھا، اس ابر رحمت کو دیکھ کر مسرت سے لبریز ہو گیا، اسلام کے فرزند اپنی ماں کو دعائیں دینے لگے، حضرت اسید بن حضیر رضؓ ایک بڑے پایہ کے صحابی تھے، جوش مسرت میں بول اٹھے "اے صدیق رضؓ کے گھر والو اسلام میں یہ تمھاری پہلی برکت نہیں[1]"، صدیق اکبر رضؓ جو ابھی لخت جگر کی تادیب کے لیے بیقرار تھے فخر کے ساتھ صاحبزادی کو خطاب کر کے فرمایا، جان پدر! مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے، تیرے ذریعہ سے خدا نے مسلمانوں کو کتنی آسانی بخشی[2]۔

اس کے بعد قافلہ کی روانگی کے لیے جب اونٹ اٹھایا گیا تو وہیں اسی کے نیچے ہار پڑا ملا[3]۔

---

[1] یہ تمام واقعہ مفصل صحیح بخاری کتاب التیمم میں مذکور ہے۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۷۳

[3] صحیح بخاری تیمم۔

تحریم، ایلا اور تخییر

تحریم اوپر گزر چکا ہے کہ ازواجِ مطہرات کی دو ٹولیاں تھیں، ایک میں حضرت عائشہ رضؓ حضرت حفصہ رضؓ، حضرت سودہ رضؓ، حضرت صفیہ رضؓ اور دوسری میں حضرت زینب رضؓ اور دوسری بیویاں تھیں۔

معمول شریف یہ تھا کہ نمازِ عصر کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر تمام ازواج کے پاس جا کر بیٹھتے تھے، اگرچہ آپ کے عدل کا یہ حال تھا کہ ذرا کسی کی طرف پلہ جھک نہیں سکتا تھا، لیکن اتفاقاً حضرت زینب رضؓ کے ہاں چند روز تک معمول سے زیادہ دیر تک تشریف فرما رہے، اس لیے اوقاتِ مقررہ پر تمام ازواج کو آپ کی آمد کا انتظار تھا، حضرت عائشہ رضؓ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرتِ زینب رضؓ کے کسی عزیز نے شہد بھیجا ہے، چونکہ شہد آپؐ کو بے انتہا مرغوب ہے، وہ روز آپ کے سامنے شہد پیش کرتی ہیں، اور آپ اخلاق سے انکار نہیں فرماتے، اس سے روزانہ معمول میں ذرا فرق آگیا ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت حفصہ رضؓ اور حضرت سودہ رضؓ سے ذکر کیا کہ اس کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے، آپ نظافت پسند تھے، ذرا سی بو بھی نہایت ناگوار خاطر ہوتی تھی[1]، شہد کی مکھیاں جس قسم کا پھول چوستی ہیں شہد کی مٹھاس میں اسی قسم کی لذت اور بُو ہوتی ہے، عرب میں مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کی بو میں ذرا نبیذ کی سی کرختگی ہوتی ہے، حضرت عائشہ رضؓ نے دونوں کو سمجھا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائیں تو پوچھنا چاہیے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے منہ سے یہ کیسی بو آتی ہے؟ جب آپ یہ فرمائیں کہ شہد کھایا ہے تو کہنا چاہیے کہ شاید مغافیر کا شہد ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپؐ کو شہد سے کراہت پیدا ہوئی اور عہد کیا کہ اب شہد نہ کھاؤں گا۔

---

[1] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۹۔

اگر یہ عام انسانوں کا واقعہ ہوتا تو یہ کوئی ایسی بات نہ تھی، لیکن یہ ایک شارع اعظم کا فعل تھا جس کی ایک ایک بات پر بڑے بڑے قانون کی بنیاد پڑ جاتی ہے، اس لیے خدائے پاک نے اس پر عتاب فرمایا اور سورۂ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ	اے پیغمبر! خدا نے تیرے لیے جو حلال کیا ہے
لَكَ ج تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ط	اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لیے اس کو
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ	اپنے اوپر حرام کیوں کرتا ہے، خدا بخشنے والا
لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ	اور مہربان ہے اور اس نے تمھاری قسموں کا
مَوْلَاكُمْ ج وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ	کفارہ مقرر کر دیا ہے، خداوند تمھارا آقا
(تحریم-۱)	ہے اور علم و حکمت والا ہے۔

اسی زمانہ میں آپ نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے کہی، انھوں نے حضرت عائشہؓ سے کہدی، قرآن مجید میں اسی کے بعد مذکور ہے۔

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ	اور پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز
حَدِيثًا ج فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ	کی بات کہی، جب اُس نے دُوسرے سے
اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ	اس کو کہدیا، اور خدا نے پیغمبر پر اس واقعہ
عَن بَعْضٍ ج فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ	کو ظاہر کر دیا، تو پیغمبر نے اس بیوی کو اُس کا
مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ	قصور کچھ بتایا اور کچھ نہیں بتایا، اُس نے
الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝	کہا آپ سے کس نے یہ کہدیا، پیغمبر نے جواب دیا
(تحریم-)	مجکو اس باخبر دانا نے بتایا۔
إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ	اگر تم دونوں خدا کی بارگاہ میں رجوع کرو
قُلُوبُكُمَا ج وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ	(تو تمھارے لیے کوئی ایسی مشکل بات نہیں)
فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ	کیونکہ تمھارے دل تو اسکی طرف مائل ہی ہیں

صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ (تحریم۔)

اور اگر تم دونوں نے اس پر ایکا کرلیا، تو بھی (اے منافقین یہ کوئی ایسی بات نہیں) خدا پیغمبر کا آقا ہے اور جبرئیل، مومنین، صالحین اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کونسا ایسا راز تھا جس کے اخفا کے لیے اتنی شدت درکار تھی صحیح بخاری میں ہے کہ وہ یہی شہد کی تحریم کا واقعہ تھا[1] بعض غیر صحیح روایتوں میں ہے کہ ماریہ نام آپ کی ایک حرم تھیں، آپ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی رضامندی کی خاطر انکو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، اور حضرت حفصہؓ کو تاکید کردی تھی کہ اس راز کو اپنے ہی تک رکھنا عائشہؓ نے نہ کہنا، انھوں نے کہدیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، لیکن سوال یہ ہے کہ جب اس سے صرف حضرت عائشہؓ ہی کی رضامندی مقصود نہ تھی بلکہ اور ازواج کی بھی جیسا کہ قرآن مجید کا نص ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ج تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (تحریم۔)

اے پیغمبر جو چیز خدا نے تیرے لیے حلال کی ہے اس کو بیویوں کی رضامندی خاطر کے لیے اپنے اوپر حرام کیوں کرتا ہے۔

تو پھر اُنہی کو واقعہ سے بے خبر رکھنا ایک بے معنی سی بات ہے کہ ان کی رضامندی تو اس واقعہ کے جاننے سے حاصل ہوسکتی ہے، اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس شئے کو آپنے حرام کرلیا تھا، وہ ایک کنیز کا تعلق نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو یہ صرف حضرت حفصہؓ کا مطالبہ تھا، حالانکہ آیت کا اشارہ ہے کہ وہ کم از کم تین بیویوں[2] کی مشترکہ خواہش ہو، پھر کسی کھانے کی چیز یا کسی کنیز سے احتراز کا راز اس قدر کیا اہم تھا جس کے

---

[1] اکابر محدثین نے تصریح کی ہے کہ روایت صحیح طریقے سے ثابت نہیں۔

[2] کیونکہ قرآن مجید میں جمع کا لفظ آیا ہے، اور جمع کا لفظ عربی میں کم سے کم تین پر بولا جاتا ہے۔

لیے روئے زمین کے مسلمانوں اور آسمانوں کے فرشتوں کی اعانت درکار ہو، آپ جب شہد نہ کھاتے یا اس کنیز سے تعلقات نہ رکھتے تو لوگ خود سمجھ جاتے کہ آپنے ایسا کیا ہی، عرب میں لوگ سوسمار کھاتے تھے، آپ کو اس سے کراہت تھی، عام روایت کی رُو سے آپنے ایک دو بیویوں کو طلاق دیدی تھی یا اس کا اظہار کیا تھا، لیکن ان میں سے کوئی شئے راز نہ تھی۔

جن لوگوں کو قرآن مجید کے عام طرز ادا سے آگاہی ہی یا محاوراتِ عرب پر عبور ہی وہ جانتے ہیں کہ اِذْ کے بعد ہمیشہ نئے سرے سے نیا واقعہ شروع ہوتا ہی، گزشتہ آیت تک تو تحریم کے واقعہ کا بیان تھا، یہاں سے ایک الگ بات شروع ہوتی ہی اور اس کا بیان خود قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے کہ وہ کیا شئے ہی، وہ "مظاہرہ" ہے یعنی ایکا کرنا، اس مظاہرہ کی تفصیل صحیح مسلم کے حوالے سے آگے ہم نقل کرتے ہیں۔

منافقینِ مدینہ جن کی شرارت کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں ان کو اپنے خبث باطنی کے لیے اس سے زیادہ کیا مسالہ ہاتھ آسکتا تھا، عجب نہیں کہ انھوں نے ایک عظیم الشان سازش کی بنیاد ڈال دی اور یہ صرف قیاس نہیں ہی بلکہ اس کا ثبوت خود قرآن مجید کی آیتوں سے ملتا ہے، اوپر کی آیت جس اہمیت کی مقتضی ہی اس سے بھی گو اس کی طرف اشارہ ہوتا ہی لیکن اس آیت کے بعد اس واقعہ کی مناسبت سے مسلمانوں کو یہ نصیحت کر کے کہ آل اولاد اور بیوی بچّوں کی محبت اور طرفداری راہ حق سے تم کو گمراہ نہ کرے۔ حسب ذیل آیت ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (تحریم۔)	اے پیغمبر! کفار اور منافقوں سے مجاہدہ اور سختی کر، ان کا ٹھکانا جہنّم ہے اور کیا برا ٹھکانا ان کا ہے۔

پھر انہی کو خطاب کر کے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کا قصہ بیان کیا گیا ہی

کہ اگر انھوں نے حق پرستی اختیار نہ کی تو اس سے ان پیغمبروں کو ان کی دعوتِ الٰہی کو کیا نقصان پہنچا، اسی طرح اے منافقین! ان بیویوں کی وقتی رضامندی سے تم رسول کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہو، اس قیاس کی صحت اس آیت سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو اسی واقعہ کے ضمن میں نازل ہوئی ہے[1]۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط (نساء)

اور جب ان منافقین کو امن یا خوف کی کوئی خبر معلوم ہوتی ہے تو اس کو پھیلا دیتے ہیں، اگر اس کو رسول یا اپنے صاحب الرائے اشخاص کی طرف رجوع کر دیتے تو بات کو سمجھنے والے سمجھ جاتے۔

ازالۂ شکوک آیت دوم کی تفسیر میں بھی ہمارے بعض مفسروں نے غلطیاں کی ہیں ان کے خیال کے مطابق دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہوگا۔

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو (تو یہ نہایت ضروری ہے) کیونکہ تمھارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر اس پر ایکا کر لو تو خدا اس کا (پیغمبر کا) آقا ہے۔

۱۔ خط زدہ ترجمہ بالکل غلط ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہے اور اس کی جزاء محاورۂ عرب کے مطابق محذوف ہے، ہم نے وہ جزاے محذوف لَا بَاسَ (کوئی ایسی مشکل بات نہیں) قرار دی ہے، مفسرین کے مطابق وہ فَهُوَ وَاجِبٌ (یہ ضروری ہے) ہوگی، کلامِ عرب پر جنکو عبور ہے وہ تسلیم کریں گے کہ "اِنْ" کے بعد جب جزا محذوف ہوتی ہے اور اس کے بعد فقل کے ساتھ اس جزاء کی علت بیان کر دی جاتی ہے تو ہمیشہ لَا بَأْسَ (کچھ مضائقہ نہیں) لَا حَرَجَ (کچھ حرج نہیں) لَا ضَيْرَ (کچھ نقصان نہیں) فَهُوَ هَيِّنٌ (یہ تو معمولی بات ہے) وغیرہ الفاظ بطور جزا

---

[1] صحیح مسلم باب الایلاء۔

کے مراد ہیں، اشعار عرب میں اور خود قرآن مجید میں اس کی کثرت سے مثالیں[1] موجود ہیں۔

۲۔ صغت کا ترجمہ زاغت (یعنی کج ہونا) بھی صحیح نہیں، حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المومنین نعوذ باللہ اس سے بالاتر ہیں کہ ان کے دل کج اور گمراہ ہوں، اردو میں دو مفہوم ہیں، کسی چیز سے ہٹنا اور کسی چیز کی طرف جھکنا، اور مائل ہونا عربی میں ان دونوں مفہوموں کے لیے تین قسم کے لفظ ہیں، اوّل جو صرف پہلے معنی پر دال ہیں مثلاً انحرف، ادعوی، زاغ، حادَ۔ دوم جو لفظ دوسرے معنی کو بتاتے ہیں مثلاً قَاءَ، تَابَ، التفت توجّہ، وہ جو دونوں کو مشتمل ہیں، مثلاً مَال، شَغَلَ، عَدَلَ، رَجَعَ وغیرہ۔

صَغَیٰ دوسرے معنی میں مستعمل ہے، بعض مفسروں نے اس کو تیسرے معنی میں لیا ہے اور اکثر نے اوّل معنی میں، اور یہ سب سے بڑی ادبی غلطی ہے، عرب کے محاورات اور لغات

---

[1] ناظرین میں جو صاحب عربی جانتے ہوں وہ ان آیتوں پر غور کریں۔

۱۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ (آل عمران۔ ۱۹)	اگر تجھ کو جھٹلاتے ہیں تو کوئی بات نہیں کہ تجھ سے پہلے پیغمبر بھی جھٹلائے گئے۔
۲۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ (توبہ۔)	اگر اس پیغمبر کی مدد نہیں کرتے، تو کوئی نقصان نہیں کہ خدا اُس کا مددگار ہے۔
۳۔ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ، (انفال۔ ۵)	اگر پھر ایسا کریں تو کوئی حرج نہیں کہ گزشتہ امتوں کا قانون گزر چکا ہے۔
۴۔ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ○ (انعام۔ ۱۰)	اگر یہ اسکے منکر ہیں تو کوئی پروا نہیں کہ ہم نے ایسے لوگ مقرر کیے ہیں جو اس کو مانتے ہیں۔

کا ایک حرف بھی اس کے استناد میں نہیں مل سکتا۔[۱] قرآن مجید میں ایک اور جگہ یہ لفظ آیا ہے۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ	تاکہ جو ایمان نہیں لائے انکے دل اسکی
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (انعام۔ ۱۴)	طرف جھکیں، اور اس کی خواہش کریں

دیکھو کہ یہاں کجی یا ٹیڑھے ہونے کے معنی نہیں ہیں۔

۲۔ آیت زیر بحث میں یہ نہیں مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے دل کس چیز کی طرف جھک چکے ہیں، بعض مفسرین نے نعوذ باللہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا اور تکلیف رسانی کی طرف، حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں سے جو لفظ محذوف ہوتا ہے، ہمیشہ آگے پیچھے وہ کہیں مذکور ہوتا ہے، یا قرینۂ غالب سے سمجھا جاتا ہے، اس کے پہلے "توبہ" کا لفظ ہے، اس لیے یہی لفظ آگے محذوف ہے، آیت کے محذوفات کو اگر ذکر کر دیں تو یہ عبارت ہوگی۔

ان تتوبا الی اللہ (فھوھین)	اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو (تو
فقد صغت قلوبکما،	تمھارے لیے یہ آسان ہے) کیونکہ تمہارے دل
(الی التوبۃ الی اللہ) (تحریم۔۱)	رجوع الی اللہ کیجانب مائل ہو ہی چکے ہیں'

ایلاء تحریم ہی کے سلسلہ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا، یہ تحریم و ایلاء سنہ ۹ھ کا واقعہ ہے، اس وقت عرب کے دور دراز صوبے زیر نگیں ہو چکے تھے، مال غنیمت، فتوحات اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ وقتاً فوقتاً مدینہ آتا رہتا تھا، بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی جس زہد و قناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی، اس کا ایک دھندلا سا خاکہ خانہ داری کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

فتح خیبر کے بعد غلہ اور کھجوروں کی جو مقدار ازواج مطہراتؓ کے لیے مقرر تھی، ایک تو وہ

---

[۱] دیکھو لسان العرب، بیضاوی نے اس کو قبول کر کے لکھا ہے۔ مولانا حمید الدین صاحب نے "سورۂ تحریم" کی تفسیر میں "مسئلہ شرط اور معنی صغو" کی نہایت تحقیق کی ہے جس کو زیادہ تفصیل و تحقیق مقصود ہو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔

خود کم تھی، پھر فیاضی اور کشادہ دستی کے سبب سال بھر تک بہ مشکل کفایت کر سکتی تھی، آئے دن گھر میں فاقہ ہوتا تھا، ازواجِ مطہراتؓ میں بڑے بڑے رؤسائے قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں داخل تھیں، جنھوں نے اس سے پہلے خود اپنے یا پہلے شوہروں کے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کی تھیں، اس لیے انھوں نے مال و دولت کی یہ بہتات دیکھ کر آپ سے مصارف میں اضافہ کی خواہش کی۔

یہ واقعہ حضرت عمرؓ نے سنا تو نہایت مضطرب ہوئے، پہلے اپنی صاحبزادی کو سمجھایا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصارف کا تقاضا کرتی ہو، تم کو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے مانگو، خدا کی قسم حضورؐ میرا لحاظ فرماتے ہیں، ورنہ تم کو طلاق دیدیتے، اس کے بعد حضرت عمرؓ ایک ایک بی بی کے دروازے پر گئے اور ان کو نصیحت کی حضرت امّ سلمہؓ نے کہا "عمر! تم ہر چیز میں تو دخل دیتے ہی تھے، اب آپ کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دیتے ہو" حضرت عمرؓ اس جواب سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے[۱]، ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ بیچ میں آپ ہیں اور ادھر اُدھر بیویاں بیٹھی ہیں، اور مصارف کی مقدار بڑھانے پر مُصر ہیں، دونوں اپنی صاحبزادیوں کے مارنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن انھوں نے عرض کی، ہم آیندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گے۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں، اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے پہلوئے مبارک میں ایک درخت کی جڑ سے خراش آگئی[۲]، حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے متصل ایک بالاخانہ تھا[۲]، جو گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا[۳]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہراتؓ سے نہ ملیں گے، منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپ نے بیویوں کو طلاق دیدی، صحابہؓ مسجد میں جمع ہو گئے، گھر گھر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، ازواجِ مطہراتؓ رو رہی تھیں، صحابہؓ میں سے کسی نے خود آپ سے واقعہ کی تحقیق کی جرأت نہ کی۔

---

[۱] ابو داؤد امامۃ من صلی قاعداً، [۲] حوالۂ مذکور، [۳] صحیح مسلم باب الایلاء۔

حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ مسجد نبویؐ میں آئے، تمام صحابہ ملول اور چُپ تھے، حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی، دوبارہ کوئی جواب نہ ملا، تیسری دفعہ اجازت ہوئی تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھرّی چارپائی پر لیٹے ہیں جسم مُبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئی ہیں، اِدھر اُدھر نظر اٹھا کر دیکھا تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے توشہ خانہ میں چند مٹّی کے برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا کچھ نہ تھا، یہ دیکھ کر انکی آنکھیں بھر آئیں اور عرض کی یا رسول اللہ کیا آپنے بیویوں کو طلاق دیدی، ارشاد ہوا نہیں، عرض کی کیا میں یہ بشارت عام مسلمانوں کو نہ سناؤں، اجازت پاکر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔

یہ مہینہ ۲۹ روز کا تھا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں "میں ایک ایک روز گنتی تھی" ۲۹ دن ہوئے تو آپ بالاخانہ سے اُتر آئے، "سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے عرض کی یا رسُول اللہ! آپنے ایک مہینہ کے لیے عہد فرمایا تھا، ابھی تو انتیس ۲۹ ہی دن ہوئے ہیں، ارشاد ہوا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

تخییر | چونکہ عام ازواج توسیعِ نفقہ کی طالب تھیں اور پیغمبر صرف اپنی بیویوں کی رضامندی کے لیے اپنے دامن کو زخارف دنیوی سے ملوث نہیں کرسکتا تھا، اس لیے تخییر کی آیت نازل ہوئی، یعنی جو بیوی چاہے فقر و فاقہ کو اختیار کرکے شرف صحبت سے ممتاز رہے، اور دُنیا کے بجائے آخرت کی نعمت پائے اور جو چاہے کنارہ کش ہوکر دنیا طلبی کی ہوس پوری کرے وہ آیۃ یہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ	اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہدے کہ اگر تم
اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	کو دنیاوی زندگی اور اس کی زینت و
وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ	آرایش کی ہوس ہی تو آؤ میں تم کو رخصتی
اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ	جوڑے دیکر رخصت کردوں اور اگر خدا
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ	اور رسول اور آخرت پسند ہے تو اللہ نے
الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ	تم سے نیک عورتوں کے لیے بڑا ثواب

مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (احزاب ۴) مہیا کر رکھا ہے۔

آپ سب سے پہلے حضرت عائشہ رضؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ رضؓ! میں تمھارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں، اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کرکے دینا عرض کی، ارشاد فرمایئے، آپ نے اوپر کی آیتیں پڑھ کر سنائیں، گزارش کی یا رسول اللہ! میں کس امر میں اپنے والدین سے مشورہ لوں، میں خدا اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں، یہ جواب سن کر آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے، حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! میرا جواب دوسری بی بیوں پر ظاہر نہ ہو"۔ ارشاد ہوا کہ میں معلم بنکر آیا ہوں، جابر بن کر نہیں آیا۔[۱]

بیوگی

سنہ ۱۱ھ

اب عورت کے مصائب زندگی میں سے سب سے آخری مرحلہ کا ذکر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کا سفر اختیار کیا، ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو محبت و اخلاص تھا وہ ہر جگہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے، صفر سنہ ۱۱ھ کے پچھلے مہینے کی کوئی تاریخ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں تشریف لائے، وہ سر کے درد میں بے قرار تھیں اور ہائے وائے کر رہی تھیں، آپ نے فرمایا اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں اپنے ہاتھ سے تمھاری تجہیز و تکفین کرتا، وہ بے تکلفانہ لہجے میں عرض پرداز ہوئیں، کہ یا رسول اللہ! یہ شاید اس لیے ارشاد ہورہا ہے کہ اس حجرہ میں کوئی نئی بیوی بیاہ کر آئے، آپ نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا کہ "ہائے میرا سر"

---

[۱] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الایلاء میں یہ تمام واقعات مفصل مذکور ہیں۔

اسی وقت سے درد شروع ہوگیا، حضرت میمونہ رضؓ کے گھر جاکر آپ صاحبِ فراش ہوگئے اس حالت میں بھی بیویوں کی خاطر داری منظور تھی، حسبِ دستور ایک ایک روز ایک ایک حجرہ میں قیام فرما رہتے، لیکن ہر روز استفسار ہوتا کہ کل میں کہاں رہوں گا، ازواج مطہراتؓ نے سمجھ لیا کہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے یہاں قیام رہے، سب نے اجازت دیدی، اس وقت سے آخر زندگی تک آپ حضرت عائشہ رضؓ ہی کے حجرے میں قیام فرما رہے۔

اس خواہش کا سبب شاید عام لوگ حضرت عائشہ رضؓ کی محبت سمجھیں، لیکن اوپر گزر چکا ہے کہ خدا نے حضرت عائشہ رضؓ کو فطری کمال، عقل، قوتِ حافظہ، سُرعتِ فہم اور اجتہاد فکر عطا فرمایا تھا، عجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہو کہ آپ کے آخری اقوال و افعال کا بھی ایک ایک حرف دنیا میں محفوظ رہے، چنانچہ آپ کی وفات کے متعلق اکثر صحیح حالات حضرت عائشہ رضؓ ہی کے ذریعہ امت تک پہنچے۔

روز بروز مرض کی شدت بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ مسجد میں امامت کے لیے بھی آپ تشریف نہ لے جاسکے، بیویاں تیمارداری میں مصروف تھیں، کچھ دعائیں تھیں جن کو پڑھ کر آپ بیمار کو دم کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضؓ بھی وہی دعائیں پڑھ پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دم کیا کرتی تھیں۔

صبح کی نماز میں لوگ آپ کی آمد کے منتظر تھے، کئی دفعہ آپ نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر دفعہ غش آگیا، آخر حکم دیا کہ ابوبکر رضؓ امامت کریں، حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر جو شخص کھڑا ہوگا لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے اس لیے عرض کی، یا رسول اللہ! ابوبکر رضؓ بہت رقیق القلب ہیں، ان سے یہ کام نہ بن آئیگا[1] وہ رو دیں گے، کسی اور کو حکم ہو، لیکن آپ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا، حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت حفصہ رضؓ سے کہا کہ تم عرض کرو، انھوں نے عرض کی تو فرمایا "تم یوسف والیاں ہو[2]

---

[1] حضرت ابوبکر رضؓ نماز میں رویا کرتے تھے اور یہ تو خاص موقع تھا اس لیے یہ اظہار کچھ غلط نہ تھا۔ دیکھو بخاری باب الحجرۃ
[2] یعنی تم ہی عورتیں ہو جنھوں نے حضرت یوسفؑ کو بہکانا چاہا تھا۔

کہدو کہ ابوبکرؓ امامت کریں"۔ چنانچہ انھوں نے امامت کی۔

آپ علالت سے پہلے کچھ اشرفیاں حضرت عائشہؓ کے پاس رکھوا کر بھول گئے تھے اس وقت یاد آئیں، فرمایا کہ "عائشہؓ! وہ اشرفیاں ہیں؟ ان کو خدا کی راہ میں صرف کردو، کیا محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟" چنانچہ اسی وقت خیرات کردی گئیں[1]۔

اب وقت آخر تھا، حضرت عائشہؓ سرہانے بیٹھی تھیں، آپ ان کے سینہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اتنے میں حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمنؓ مسواک لیے اندر آئے، آپنے مسواک کی طرف دیکھا، سمجھ گئیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، اُن سے مسواک لیکر اپنے دانت سے نرم کر کے آپ کو دی، آپنے صحیح و تندرست آدمی کی طرح مسواک کیا، حضرت عائشہؓ فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمام بیویوں میں مجھ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپنے مُنھ میں لگایا"۔

حضرت عائشہؓ آپ کی تندرستی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں، آپ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا، فوراً دستِ مُبارک کھینچ لیا، اور فرمایا "اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی[2]"، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ تندرستی کی حالت میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر کو مرتے وقت دُنیاوی اور اخروی زندگی میں سے ایک کے قبول کا اختیار دیا جاتا ہے، ان الفاظ کو سنکر میں چونک پڑی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کنارہ کشی ہی قبول کی، تاہم وہ ابھی کم سن تھیں، کسی کو اب تک اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھا تھا، عرض کی یارسول اللہ! آپ کو بڑی تکلیف ہے، آپؐ نے فرمایا ثواب بھی بقدر تکلیف ہی ہے۔

اب تک حضرت عائشہؓ آپؐ کو سنبھالے بیٹھی تھیں، کہتی ہیں کہ دفعتہً مجھ کو آپکے بدن کا بوجھ معلوم ہوا، آنکھوں کی طرف دیکھا تو پھٹ گئی تھیں، آہستہ سے سرِ اقدس تکیہ پر رکھدیا،

---

[1] مسند ۶ ص ۴۹، [2] مسند ۶ ص ۱۲۶

اور رونے لگی، حضرت عائشہ رضؓ کے فضائل و مناقب کا سب سے زرّین باب یہ ہے کہ مرنے کے بعد اُن ہی کے حجرہ کو پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا، اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپردِ خاک ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت عائشہ رضؓ نے خواب دیکھا تھا کہ اُن کے حجرہ میں تین چاند ٹوٹ کر گرے ہیں، انھوں نے اس کا ذکر حضرت ابوبکر رضؓ سے کیا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی حجرہ میں مدفون ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور یہ ان میں سب سے بہتر ہے[۲]۔

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ دو پچھلے چاند صدیق اکبر رضؓ اور فاروق اعظم رضؓ تھے۔

حضرت عائشہ رضؓ بیوہ تھیں اور اسی عالم میں انھوں نے عمر کے چالیس مرحلے طے کیے جب تک زندہ رہیں، اسی مزارِ اقدس کی مجاور رہیں، قبر نبویؐ کے پاس ہی سوتی تھیں ایک دن آپ کو خواب میں دیکھا، اس دن سے وہاں سونا چھوڑ دیا[۳]۔

تیرہ برس تک یعنی جب تک حضرت عُمر فاروق وہاں مدفون نہیں ہوئے تھے حضرت عائشہ رضؓ بے حجاب وہاں آتی جاتی تھیں کہ ایک شوہر تھا، دوسرا باپ، حضرت عُمر رضؓ کی تدفین کے بعد فرماتی تھیں کہ اب وہاں بے پردہ جاتے حجاب آتا ہے۔

ازواجِ مطہرات کے لیے دوسری شادی خدا نے ممنوع قرار دی تھی، عرب کے ایک رئیس نے کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضؓ سے میں عقد کروں گا چونکہ یہ امر دینی و سیاسی مصالح اور نیز شانِ نبوّت کے خلاف تھا، اس لیے خدائے پاک نے فرمایا:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ ۔ ا۔ پیغمبر! مسلمانوں سے ان کی جانوں

---

[۱] مسند جلد ۶ ص ۲۷۴، اس باب میں جن واقعات پر حوالہ نہ ہو وہ صحیح بخاری باب وفات النبیؐ سے ماخوذ ہیں
[۲] موطا امام مالک ما جاء فی دفن المیت، [۳] ابن سعد جلد ثانی قسم ثانی ص ۸۵، بسند حسن۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ۔	سے زیادہ قریب ہے، اور اس کی بیویاں
(احزاب۔ ۱)	ان کی مائیں ہیں۔
مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ	۲۔ اور تمھیں مناسب نہیں کہ تم پیغمبر خدا
اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ	کو اذیت دو، اور نہ یہ کہ کبھی اسکی بیویوں
مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ	سے اس کے بعد بیاہ کرو، خدا کے
كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ (احزاب)	نزدیک یہ بڑی بات ہے۔

اصل یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات جو ایک مدت تک حاملِ نبوت کی محرم اسرار رہیں، ان کی بقیہ زندگی صرف اس لیے تھی کہ مقدس شوہر کی تعلیمات اور اسباقِ عمل کو جب تک جیتی رہیں دہراتی رہیں، ان کی زندگی کا ہر لمحہ صرف اسی فرض کی بجاآوری میں صرف ہو، وہ مسلمانوں کی مائیں تھیں، ان کا فرض صرف بیٹوں کی تعلیم و تربیت تھی، چنانچہ انکے فرائض خود خدا نے مقرر کر دیئے تھے۔

يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ	اے پیغمبر کی بیویو! تم میں جو بُرا کرے گی
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا	اس کو دونا عذاب ملے گا، اور خدا کے لیے
الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ	یہ آسان بات ہے اور تم میں سے جو خدا اور
عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ	رسول کی فرمانبردار ہو گی، اور اچھے کام
لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا	کرے گی، اسکو ثواب بھی دوبارہ ملیگا
نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا	اور اس کے لیے ہمنے قیامت میں اچھی
لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝	اور پاک روزی مہیا کی ہے۔
يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ	اے پیغمبر کی بیویو! تم عام اور معمولی
النِّسَاۗءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ	عورتوں میں نہیں ہو، اگر پرہیزگار بنو دب کر
بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ	نہ بولا کرو کہ بیمار دل والے (منافقین)

مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَوٰةَ وَآتِينَ الزَّكَوٰةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝

(احزاب - ۴)

حوصلہ کریں، اور اچھی بات بولا کرو، اور اپنے گھروں میں وقار کیساتھ رہا کرو اور گزشتہ زمانہ جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر نہ نکلا کرو، نمازیں پڑھا کرو، زکوٰۃ دیا کرو، اور خدا اور رسول کی فرمانبرداری کیا کرو خدا تو یہی چاہتا ہی، اے اہلِ بیت نبوت! کہ تم سے میل کچیل دور کر دے، اور تم کو بالکل پاک صاف کر دے، تمھارے گھروں میں خدا کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں ان کو یاد کیا کرو، بیشک خدا پاک اور دانا ہی۔

حضرت عائشہؓ کی آیندہ زندگی حرف بحرف ان ہی آیاتِ الٰہی کی عملی تفسیر ہے۔

عام حالات

عہدِ صدیقی اب حضرت عائشہؓ کے پدر بزرگوار حضرت **صدیقِ اکبرؓ** مسند خلافت پر متمکن تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور بیعتِ خلافت صدیقی کی تکمیل کے بعد ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیجیں اور وراثت کا مطالبہ کریں، حضرت عائشہؓ نے یاد دلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں فرمایا تھا، میرا کوئی وارث نہ ہوگا، میرے تمام متروکات صدقہ ہوں گے، یہ سنکر سب خاموش ہو گئیں۔[1]

اصل یہ ہو کہ شہنشاہِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی ہی میں اپنے پاس کیا رکھتا تھا جو وفات کے بعد تقسیم ہوتا، صحیح بخاری میں ہو کہ آپنے درہم و دینار، جانور اور مویشی، لونڈی اور

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الفرائض

اور غلام کچھ ترکہ میں نہیں چھوڑا[1]، البتہ ولایتِ عامہ کے طریقوں سے مختلف اغراض و مقاصد کے لیے چند باغ آپ کے قبضہ میں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں جس طرح اور جن مصارف میں ان کی آمدنی صرف فرماتے تھے، وہ خلافتِ راشدہ میں بعینہٖ اسی حیثیت سے اور اسی طرح قائم رہے، آپ اپنی زندگی میں بی بیوں کے سالانہ مصارف اسی جائداد سے ادا فرماتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنے زمانہ میں ان مصارف کو اسی طرح برقرار رکھا[2]۔

حضرت عائشہؓ کی اس فیاضی کی جو ترکہ کے باب میں انھوں نے کی ہے اس وقت اور قدر بڑھ جاتی ہے جب یہ معلوم ہو کہ جس دن وہ بیوہ ہوئیں، اسی شام کو گھر میں برکت تھی[3]۔

داغِ بے پدری عہدِ صدیقی صرف دو برس قائم رہا، ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی، نزع کے وقت صاحبزادی خدمت میں حاضر تھیں، باپ نے کچھ جائداد بیٹی کو دیدی تھی اب دوسری اولاد کا سامان بھی ضروری تھا، فرمایا، جانِ پدر! کیا تم وہ جائداد اپنے اور بھائیوں کو دیدو گی، عرض کی "بسر و چشم[4]" پھر دریافت کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے، عرض کی "تین سفید کپڑے"۔ پوچھا، کس دن وفات پائی، عرض کی۔ "دوشنبہ کے روز"۔ دریافت کیا "آج کون ہے"۔ بتایا کہ "دوشنبہ ہے"۔ فرمایا "تو آج شب کو میرا بھی چل چلاؤ ہے"۔ پھر اپنی چادر دیکھی، اس میں زعفران کے دھبے تھے، فرمایا کہ اسی کپڑے کو دھو کر اس کے اوپر دو اور کپڑے بڑھا کر مجھ کو کفن دیا جائے۔ عرض کی "یہ کپڑا پرانا ہے" ارشاد ہوا کہ "مُردوں سے زیادہ زندوں کو نئے کپڑوں کی ضرورت ہے[5]"۔ اسی دن سہ شنبہ کی رات کو وفات پائی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے حجرہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ادباً آپ کے مزار مبارک سے کسی قدر پیچھے ہٹا کر دفن کیے گئے، اور اب یہ حجرہ نبوت

---

[1] صحیح بخاری کتاب الوصایا، [2] صحیح بخاری کتاب الفرائض مکالمہ حضرت عباسؓ و حضرت عمرؓ [3] ترمذی کتاب الادب، [4] ابن سعد ترجمۂ حضرت ابوبکرؓ [5] صحیح بخاری ابواب الجنائز۔

کے چاند کے ساتھ ایک خلافت کے چاند کا بھی مغرب تھا، حضرت عائشہ رضؓ کو بیوگی کے ساتھ اس کم عمری میں دو ہی برس کے اندر یتیمی کا داغ بھی اٹھانا پڑا۔

عہدِ فاروقی | حضرت فاروقِ اعظم کا عہدِ مبارک نظم و نسق کے لحاظ سے ممتاز تھا، انھوں نے تمام مسلمانوں کے نقد وظیفے مقرر کر دیئے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں دو روایتیں لکھی ہیں، ایک یہ ہے کہ تمام ازواجِ مطہرات کو بارہ بارہ ہزار سالانہ دیا جاتا تھا[1]، دوسری روایت جس کو حاکم نے صحت میں بخاری و مسلم کے ہم رتبہ قرار دیا ہے یہ ہے کہ دیگر ازواج کے لیے دس دس ہزار اور حضرت عائشہ رضؓ کا بارہ ہزار سالانہ وظیفہ تھا[2]، اس ترجیح کا سبب خود حضرت عمر رضؓ نے بیان فرما دیا تھا کہ ان کو میں دو ہزار اس لیے زیادہ دیتا ہوں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھیں۔

ازواجِ مطہرات رضؓ کی تعداد کے مطابق حضرت عمر رضؓ نے نو پیالے تیار کرائے تھے، جب کوئی چیز آتی، ایک ایک پیالہ میں کر کے ایک ایک کی خدمت میں بھیجتے[3]، تحفوں کی تقسیم میں یہاں تک خیال رکھتے کہ اگر کوئی جانور ذبح ہوتا تو بقول حضرت عائشہ رضؓ کے سری اور پایہ تک ان کے پاس بھیجد یتے تھے[4]، عراق کی فتوحات میں موتیوں کی ایک ڈبیہ ہاتھ آئی تھی، مالِ غنیمت کے ساتھ وہ بھی بارگاہِ خلافت میں بھیجی گئی، سب کو موتیوں کی تقسیم مشکل تھی، حضرت عمر رضؓ نے کہا آپ لوگ اجازت دیں تو میں اُم المومنین عائشہ رضؓ کو بھیج دوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ محبوب تھیں، سب نے بخوشی اجازت دی، چنانچہ وہ ڈبیہ حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں بھیجدی گئی، کھول کر دیکھا، فرمایا "ابن خطاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے ہیں، خدایا! مجھے آیندہ اُن کے عطیوں کے لیے زندہ نہ رکھنا"[5]۔

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۲۵، [2] مستدرک حاکم جز، صحابیات، ذکر عائشہ رضؓ، [3] امام مالک باب جزیۃ اہل الکتاب، [4] موطا امام محمد باب الزہد، [5] مستدرک حاکم۔

حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ وہ بھی حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نیچے دفن ہوں، لیکن کہہ اس لیے نہیں سکتے تھے، کہ گو شرعاً مردوں سے زیر خاک پردہ نہیں، تاہم ادباً دفن کے بعد بھی وہ اپنے کو غیر محرم ہی سمجھتے تھے، نزع کے وقت اس خلش سے بیتاب تھے، آخر اپنے صاحبزادے کو بھیجا، کہ "ام المومنین کو میری طرف سے سلام کہو اور عرض کرو کہ عمرؓ کی تمنا ہے کہ وہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہو" فرمایا، اگرچہ وہ جگہ میں نے خود اپنے لیے رکھی تھی، مگر عمرؓ کے لیے خوشی سے یہ ایثار گوارا کرتی ہوں"۔

اس اجازت کے بعد بھی حضرت عمرؓ نے وصیت کی کہ میرا جنازہ آستانہ تک لیجا کر پھر اذن طلب کرنا، اگر ام المومنینؓ اجازت دیں تو اندر دفن کر دینا، ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں لیجانا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور حضرت عائشہؓ نے دوبارہ اجازت دی اور جنازہ اندر لیجا کر دفن کیا گیا[۱]، اور آخر اسی حجرۂ اقدس میں خلافت کا دوسرا چاند بھی نگاہوں سے پنہاں ہوا۔

حضرت عثمانؓ کا عہد حضرت عثمانؓ کی خلافت کی مدت بارہ برس ہے، خلافت کا نصف زمانہ سکون اور اطمینان کا زمانہ تھا، اس کے بعد لوگوں کو ان سے مختلف شکایتیں پیدا ہوئیں حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ تم کو خلافت کا جامہ پہنائے تو اس کو اپنی خوشی سے نہ اتارنا[۲]۔

حضرت عائشہؓ کو عام مسلمانوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی[۳] اور فرمانِ الٰہی کی رو سے تمام مسلمانوں کی ماں تھیں، اس لیے حجاز، شام، عراق اور مصر میں ہر جگہ ماں کی طرح مانی جاتی تھیں (اس دعویٰ کی تصدیق آیندہ واقعات سے ہوگی) لوگ آکر ان کے پاس اپنی اپنی شکایتیں بیان کرتے تھے، وہ تسلی دیتی تھیں۔

---

[۱] یہ تمام تفصیل صحیح بخاری کتاب الجنائز میں ہے، [۲] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۶۳، [۳] مستدرک حاکم وغیرہ ہے، وَكَانَ اَحْسَنَ رَاْيًا فِي الْعَامَّةِ۔

خلافتِ صدیقی وفاروقی اور عہدِ عثمانی کے ابتدائی زمانہ تک بڑے بڑے صحابہ اور اربابِ مشورہ زندہ تھے، مہماتِ امور میں ان سے مشورہ لیا جاتا تھا، مناصبِ جلیلہ پر اپنی اپنی استعداد اور استحقاق کے مطابق وہی ممتاز تھے، شیخینؓ نے ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کیا تھا کہ کسی طرف پلہ جھکنے نہیں پاتا تھا، اس لیے تمام ملک میں امن وامان قائم تھا اور اکابر صحابہ میں سے کسی کو ادعا کا موقع حاصل نہ تھا، نوجوانوں میں جو لوگ بلند حوصلہ تھے مثلاً حضرت عبداللہؓ ابن زبیرؓ، محمّد بن ابی بکرؓ، مروان بن حکم، محمّد بن ابی حذیفہ، سعید بن العاص، وہ ان سے دبتے تھے اور خلافت وامارت کو اپنے سے بدرجہا بلند جانتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، صدیقِ اکبرؓ کے نواسے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پھوپھی زاد بھتیجے، اور حضرت زبیرؓ حوارِیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے تھے، یہ اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اسکے بعد وراثۃً خلافت کو اپنا حق جانتے تھے۔

محمّد بن ابی بکرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادے، اور حضرت عائشہؓ کے بے مات بھائی تھے، ان کی ماں حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت علیؓ کے نکاح میں آئی تھیں اس لیے حضرت علیؓ ہی کی آغوش میں انھوں نے تربیت پائی تھی[۱] اور حضرت علیؓ بھی ان کو بیٹوں کی طرح چاہتے تھے۔

محمّد ابی حذیفہ حضرت عثمانؓ کے آغوش پروردہ تھے، حدِ بلوغ کو پہنچے تو کسی بڑے عہدے کے طالب ہوئے، حضرت عثمانؓ نے اس کو مناسب نہیں سمجھا، یہ ناراض ہوکر مصر چلے گئے۔

مروان اور سعید بن عاص دونوں اموی تھے اور نوجوان وکم عمر تھے، اکابر مہاجرین کی وفات کے بعد ان کے فرزند واخلاف، قدیم استحقاق کے مطابق، حقوق ومناصب کے

---

[۱] اصابہ ترجمہ محمّد بن ابی بکرؓ۔

مطالبہ میں سب سے پیش پیش تھے، حضرت عثمانؓ اموی تھے، اور ان کو اپنے خاندان ہی کے لوگوں پر بھروسہ ہوتا ہوگا، اس بنا پر بنو اُمیہ کے نوجوان انتخاب میں سب سے آگے ہوتے تھے چنانچہ یہی مروان اور سعید بن عاص بڑے بڑے منصبوں پر ممتاز ہوئے، اس سے قریش کے دوسرے بلند حوصلہ نوجوانوں کو ناگزیر طور پر اشتعال پیدا ہوا، چنانچہ اسی لیے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ نے حضرت عثمان کے خلاف شورش میں سب سے زیادہ حصہ لیا، اس کے علاوہ ان نوجوانوں میں کبار صحابہ کی طرح عدل و مساوات، صدق و امانت اور زہد و تقویٰ کا جوہر نہ تھا، اس لیے عام رعایا اور سپاہیوں میں جنھوں نے پہلے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی تھیں، ان کی امارت اور سرداری سے برہمی اور ناگواری پیدا ہوئی۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ عرب ہمیشہ سے عجمیانہ غلامی کو شرافت کے دامن کا داغ سمجھتے تھے، انھوں نے آزاد آب و ہوا میں پرورش پائی تھی، اسلام نے آکر اُن کے اس فتنہ کو اور تیز کرکے عرب کے سارے قبیلوں کو ایک سطح پر لاکر کھڑا کردیا تھا، اکابر صحابہؓ جو اسلام کی تعلیم و تربیت کے اصلی پیکر تھے، اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے، ان کے بعد کے نوجوان افسروں اور عہدہ داروں نے اس سبق کو بھلا دیا، وہ علانیہ اپنی مجلسوں اور درباروں میں اپنی خود مختاری اور خاندانی شرافت کا اظہار کرنے لگے، دوسرے عرب قبائل کے لیے یہ تحکم سخت ناگوار ہوا، ان کو دعویٰ تھا کہ عہدِ نبوی کے بعد ایران، شام، مصر اور افریقہ کی فتوحات انکی تلواروں کی بدولت حاصل ہوئے ہیں، اس لیے ان کو بھی برابر کا حق ملنا چاہیئے، نو مسلم عجم نہ صرف بنو امیہ اور قریش بلکہ قومِ عرب کی حکومت سے فطرتًا نالاں تھے، اس لیے وہ اس قسم کے ہر فتنہ میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھتے تھے، عرب و عجم کے نقطۂ اتصال پر کوفہ آباد تھا، فتنہ کا آغاز اسی شہر سے ہوا، یہ عرب قبائل کی سب سے بڑی چھاؤنی تھی، سعید بن العاص کوفہ کا والی تھا رات کو اس کے دربار میں شہر کے اکثر قبیلوں کے سرداروں کا مجمع رہتا تھا، اور عمومًا عرب کے واقعاتِ جنگ اور عرب قبائل کے خاندانی حسب و نسب کے تذکرے رہتے تھے،

یہ وہ موضوع تھا جس میں ہر قبیلہ دوسرے سے اپنے کو کم درجہ نہیں سمجھتا تھا، مناظرہ کا خاتمہ اکثر جنگ وجدال اور سخت کلامی پر ہوتا تھا، اس موقع پر سعید کی زبان سے اپنی قریشیت کا فخرانہ اظہار آگ میں تیل کا کام دیتا تھا، اس کے اس طرز عمل سے قبائل کے سرداروں کو شکایتیں پیدا ہوئیں، اور اس نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی۔

اسی زمانہ میں **ابن سبا** نام ایک یہودی مسلمان ہوگیا تھا، یہودیوں کا یہ دستور رہا ہے کہ جب وہ دشمن سے دشمن بنکر انتقام نہیں لے سکتے، تو فوراً سپر ڈال کر اس کے مخلص دوست بن جاتے ہیں، اور آہستہ آہستہ مخفی سازشوں سے اس کا کام تمام کردیتے ہیں، یہود جب زور و قوت سے حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کو بے اثر نہ کرسکے تو ان میں سے پالوس نام ایک یہودی نے عیسائی بن کر ان کی تعلیم کے اصل جوہر کو فنا کردیا۔

ابن سبا نے لوگوں میں یہ پھیلانا شروع کیا کہ حضرت علیؓ در اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق جانشین ہیں اور وصی ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں خلافت کی وصیت کردی تھی، اور اپنی یہودیت کے زمانہ میں بھی حضرت ہارونؑ کے متعلق یہی عقیدہ رکھتا تھا، اس نے اپنی اس بدعت کی تبلیغ کے لیے پوری کوشش کی اور جگہ جگہ جاکر اس سیاسی شورش کو بہانہ بناکر اپنی سازش کے جال کو اس نے ہر جگہ پھیلادیا، اس نے سارے ملک کا دورہ کیا، کوفہ، بصرہ اور مصر جہاں بڑی بڑی فوجی چھاؤنیاں تھیں، انقلاب پسند کچھ نہ کچھ موجود تھے اُس نے مصر کو ان انقلاب پسندوں کا مرکز بناکر ان تمام متفرق اشخاص کو ایک رشتہ میں منسلک کردیا۔ اہلِ تاریخ نے ان کا نام سبائیہ رکھا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جزائر روم اور افریقہ میں لڑائیاں ہو رہی تھیں، اس لیے فوج کا زیادہ حصہ ادھر ہی رہتا تھا، جنگ کی شرکت کے بہانہ سے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ سپاہیوں سے آزادانہ ملتے تھے، اور ان میں اشتعال پیدا کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ مصر اس بغاوت کا مرکز بن گیا، اس زمانہ میں عبداللہ بن ابی سرح مصر کے گورنر تھے

محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ وغیرہ نے عبداللہ بن ابی سرح اور حضرت عثمان کے خلاف علانیہ تحریک شروع کر دی، اور مصر میں جدید پولٹیکل فرقہ کے لیڈر بن گئے۔

اتفاق سے یہ حج کا زمانہ تھا، باہمی قرارداد کے مطابق، کوفہ، بصرہ اور مصر سے ایک ہزار کی جمعیت نے حج کے بہانہ سے حجاز کا رخ کیا، اور مدینہ کے قریب آکر سب نے خیمے ڈالے، حضرت علیؓ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ نے ان کو سمجھا بجھا کر واپس کیا، یہ تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آئے اور مصر کے گورنر کے نام کا ایک خط پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ مصری باغیوں کے سرغناؤں کو ان کے مصر پہنچنے کے ساتھ فوراً قتل کر دو یا قید کر دو۔ ان کا خیال تھا کہ یہ خط مروان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اس لیے سب نے مل کر حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور دو شرطیں پیش کیں، مروان کو حوالہ کر دیجئے یا خلافت سے دست بردار ہو جائیے، حضرت عثمانؓ نے دونوں شرطیں نامنظور کیں، حضرت عائشہؓ نے محمد بن ابی بکر اپنے بھائی کو بُلا کر سمجھایا کہ تم اس ضد سے باز آجاؤ، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے، سال کے دستور کے مطابق حضرت عائشہؓ اسی اثنا میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ چلی گئیں، محمد بن ابی بکر کو بھی ساتھ لیجانا چاہا، مگر وہ آمادہ نہ ہوئے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ دو تین ہفتہ تک محاصرہ میں رہے، اور بالآخر باغیوں کے ہاتھ سے انھوں نے شہادت پائی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اب خلافت کے لیے صرف چار بزرگوں پر نظر پڑ سکتی تھی، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ حضرت سعد بنؓ ابی وقاصؓ اور حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ گوشہ نشین ہو گئے، اہلِ بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرفدار تھے، اور اہلِ مصر حضرت زبیرؓ کے حامی تھے، لیکن اہل مصر اور انقلاب پسندوں کی کثیر تعداد حضرت علیؓ کے طرفداروں میں تھی، جن میں زیادہ پیش پیش اشتر نخعی، حضرت عمار بن یاسر اور محمد بن ابی بکرؓ تھے، طرفدار لوگ خلیفہ ثانیؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر کو پیش کرتے تھے، بنوامیہ خلیفہ ثانی کے بیٹے ابان کا نام لے رہے تھے خلیفہ

اوّل کے بڑے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا نام بھی لیا جارہا تھا، تین دن کے بعد ان ہی انقلاب پسندوں کے اصرار اور چند کو چھوڑ کر عام اہلِ مدینہ کے قبول بیعت سے حضرت علیؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا، ادھر حجاز میں یہ اختلاف درپیش تھے، ادھر شام میں امیر معاویہؓ استقلال اور آزادی کا خواب دیکھ رہے تھے اور مصر میں محمد بن ابی حذیفہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا، پیغمبر کے جانشین اور مسلمانوں کے امام کا حرمِ نبوی کے اندر ماہ حرام میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ایسا حادثۂ عظیم تھا کہ لوگوں کے دل دہل گئے، صحابہ میں جن لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل سے اختلاف تھا اور جن میں ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ بھی داخل ہیں[۱]، وہ بھی اس کے روادار نہ تھے اور نہ حاشا ان کا یہ مقصد تھا، واقعہ سے پہلے اشتر نخعی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا تھا کہ اس شخص (حضرت عثمانؓ) کے قتل کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے، فرمایا "معاذاللہ! میں اماموں کے امام کے قتل کا حکم دے سکتی ہوں[۲]"۔ بعض دشمنوں نے یہ افواہ اڑا دی تھی کہ اس واقعہ میں حضرت عائشہؓ کی شرکت بھی تھی، عجب نہیں کہ ان بدگمانوں کو بدگمانی کی وجہ یہ ہو کہ حضرت عائشہؓ کے چھوٹے سوتیلے بھائی محمد بن ابی بکر ان انقلابیوں کے لیڈروں میں تھے، لیکن ابھی گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو اس سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی، مگر وہ باز نہیں آئے، خود حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے تذکرہ میں فرمایا، خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ عثمان کی کسی قسم کی بے عزتی ہو، اگر میں نے ایسا کبھی پسند کیا ہو تو ویسی ہی میری بھی ہو خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ وہ قتل ہوں اگر کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں، اے عبیداللہ بن عدی! (ان کے باپ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکا نہ دے، اصحاب رسول کے کاموں کی تحقیر اس وقت تک نہ کی گئی، جب تک وہ فرقہ پیدا نہ ہوا، جس نے عثمان پر

---

[۱] ابن سعد جزء اہل مدینہ ترجمہ مروان بن حکم، [۲] طبقات ابن سعد جزء نساء ص ۳۵۶ -

طعن کیا، اس نے وہ کہا جو نہیں کہنا چاہیئے، وہ پڑھا جو نہیں پڑھنا چاہیئے، اُس طرح نماز پڑھی جس طرح نہیں پڑھنی چاہیئے، ہم نے ان کے کارناموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہ کے اعمال کے قریب تک نہ تھے[1]۔ اس اعلان سے زیادہ اس افواہ کے جھوٹے ہونے کی دلیل اور کیا چاہیئے۔

حضرت علی رضؓ مرتضےٰ کا عہد غرض سارے مسلمانوں میں اس وقت ایک ہیجان اور تلاطم برپا تھا صحابۂ کرام کی ایک مختصر سی جماعت جو یہ دیکھ رہی تھی کہ جس باغ کو اس نے اپنے رگوں کے خون سے سینچا تھا، وہ پائمال ہوتا ہی، اصلاح کا علَم بلند کیا، اس جماعت کے ارکان عظام حضرت طلحہ رضؓ، حضرت زبیر رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ تھیں۔

حضرت طلحہ رضؓ قریشی سابقین اسلام میں داخل عہدِ نبوت میں معرکوں کے فاتح اور خلیفہ اوّل کے داماد اور رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے، حضرت زبیر رضؓ اسلام کے ہیرو، شجاعان اسلام میں داخل، حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لقب سے ملقب رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پھوپھی زاد بھائی، ہم زلف اور خلیفہ اوّل کے داماد تھے اور یہ دونوں اس جماعت میں شامل تھے، جس کو حضرت عمر رضؓ نے اپنی خلافت کیلئے منتخب کیا، گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ ابھی محاصرہ ہی میں تھے کہ حضرت عائشہ رضؓ اپنے سالانہ دستور کے مطابق حج کو چلی گئیں، واپس آرہی تھیں کہ راستہ میں باغیوں کے ہاتھ سے حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی، آگے بڑھیں تو حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ ملے، جو مدینے سے بھاگے چلے آرہے تھے، انھوں نے بیان کیا۔

ان تحملنا بقلتنا ھرابًا من المدینۃ	ہم لوگ مدینہ سے لڑے پھندے بد ودل
من غوغاء واعراب وفارقنا	اور عوام النّاس کے ہاتھوں سے بھاگے چلے
قوما حیاری لایعرفون حقًا	آتے ہیں، اور لوگوں کو ان کے حال میں چھوڑا

---

[1] یہ پوری تقریر امام بخاری نے جزء خلق افعال العباد میں نقل کیا ہی، ص ۷۶ مطبع انصاری دہلی۔

ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون انفسھم۔ (تاریخ طبری)

کہ وہ حیران و سرگردان ہیں، نہ حق کو پہچان سکتے ہیں نہ باطل سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ اپنی حفاظت پر قادر ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ باہم مشورہ کرو کہ اس موقع پر ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔ پھر یہ شعر پڑھا:۔

ولوان قومی طاوعتنی سراتھم لانقذتھم من الحبال اوالحبل

اگر میری قوم کے سردار میری بات مانتے تو میں ان کو اس خطرے باہر لے آتی

اس کے بعد وہ مکہ معظمہ واپس چلی آئیں، عام لوگوں کے اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو لوگ ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر ان کے پاس آنے لگے، انھوں نے طلب اصلاح کی دعوت دی، عمرہ بنت عبدالرحمن سے مروی ہے کہ ام المومنینؓ نے فرمایا کہ اس قوم کی طرح کوئی قوم نہیں جو اس آیت کے حکم سے اعراض کرتی ہو[1]۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا (حجرات۔ ۱)

اگر مسلمان جماعتیں لڑ جائیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پس اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظلم کرنیوالی سے لڑو، یہاں تک کہ حکم الٰہی کی طرف سے وہ رجوع کرے، اور جب رجوع کرے تو دونوں میں صلح کرا دو۔

اِصلاح کی دعوت

مسلمان عورت کے فرائض | عہد نبویؐ میں ایک صحابی نے اپنی لڑکی کا نکاح اس کے پوچھے بغیر

[1] موطا امام محمد باب التفسیر۔

کسی سے کردیا، لڑکی نے بارگاہِ نبوی میں استغاثہ کیا، آپ نے باپ کو بلا کر چاہا کہ نکاح فسخ کرادیا جائے، لڑکی نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں اب اس نکاح کو قبول کیے لیتی ہوں، میرا مقصد صرف یہ تھا کہ ہماری بہنوں کے ذاتی حقوق کی توضیح کی جائے"[۱]
اگر ام المومنین عائشہ رض سیاست میں آئیں، تو وہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مسلمان عورت کے حقوق کا دائرہ اتنا تنگ نہیں ہے جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رض کو اسلام کے حادثہ کا حال معلوم کر کے کیا کچھ صدمہ نہ ہوا ہوگا، اور مسلمانوں کو اس ابتری کی حالت میں دیکھ کر ان کو کتنا دکھ ہوا ہوگا اور خصوصاً جب ان کو نظر آیا ہوگا کہ اس گتھی کو سلجھانے والا کوئی دوسرا نہیں، وہ فطرتاً نہایت بلند حوصلہ، جری اور پُر دل تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے اجازت چاہی تھی کہ وہ جہاد میں شریک ہوا کریں، آپ نے فرمایا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے[۲]، اس سے پہلے جب حجاب کا حکم نہ تھا حضرت عائشہ رض بعض غزوات میں شریک رہی ہیں، ایک روایت کے مطابق وہ غزوۂ بدر میں بھی گئیں، جنگ احد میں جب مسلمان خطرے کی حالت میں تھے اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ رہے تھے، حضرت عائشہ رض پائنچے چڑھائے مشک کاندھے پر لیے زخمیوں کو دوڑ دوڑ کر پانی پلا رہی تھیں[۳]، غزوۂ خندق میں جب مسلمان محصوری کی حالت میں تھے، حضرت عائشہ رض زنانہ قلعہ سے نکل کر جنگ کی حالت دیکھتی تھیں[۴]۔

یہ صحیح ہے کہ عورت کے طبعی حالات، فرائض امامت کے منافی ہیں، اور خود اسلام نے امام کے لیے جو ضروری شرائط قرار دیئے ہیں، ان سے یہ جنسِ لطیف کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی

---

۱ سنن نسائی، باب البکر یزوجہا ابوہا وہی کارہۃ و سنن دار قطنی، کتاب النکاح و مسند احمد،
۲ صحیح بخاری باب حج النسا، ۳ صحیح بخاری غزوۂ احد، ۴ مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۴۱
۵ فتح الباری و قسطانی باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی کسریٰ۔

اس لیے وہ امامت جمہور اور خلافتِ الٰہی کے فرائض سے سبکدوش ہی، لیکن اس سے یہ غلط استناد نہیں کرنا چاہیئے کہ کسی مسلمان عورت کو کسی حالت میں بھی پبلک کی سیاسی اور فوجی رہبری جائز نہیں، خصوصاً ایسی حالت میں جب ساری ملّت میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک رہی ہو، اور اس کے خیال میں مسلمانوں میں کوئی دوسرا اس فتنہ کو بجھانیوالا نہ ہو، امام مالک اور امام طبری اور ایک اور روایت میں امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے اماموں کے نزدیک عورت کو امارت اور قضاء کا عہدہ مل سکتا ہے[۱]۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں بازار کا انتظام ایک عورت کے سپرد کیا[۲] تھا، خود حضرت عائشہؓ جب مسلمان عورتوں کے مجمع میں ہوتیں، اور نماز کا وقت ہوتا تو بیچ میں امام بنکر کھڑی ہوتیں[۳]۔

بہرحال یہ حج کا موسم تھا، اعلان کے ساتھ حرمین کے صرف ۶۰۰۰ آدمیوں نے لبیک کہا، ابن عامر اور ابن منبہ عرب کے دو رئیسوں نے کئی لاکھ درم اور سواری کے اونٹ مہیا کیے فوج کی روانگی کی سمت متعین کرنے کے لیے حضرت عائشہؓ کے قیام گاہ پر مشورہ کا جلسہ ہوا حضرت عائشہؓ کی رائے تھی کہ چونکہ سبائی اور عام باغی مدینہ ہی میں ہیں، اس لیے ادھر رخ کیا جائے، غالباً اگر ایسا ہوتا تو عجب نہیں کہ واقعہ کی صورت دوسری ہوتی، لیکن ایک مختصر مباحثہ کے بعد بصرہ کی جانب پیش قدمی مناسب سمجھی گئی، حضرت عائشہؓ قافلہ کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں، امہات المومنین اور عام مسلمانوں نے دُور تک مشایعت کی، لوگ ساتھ چلتے جاتے اور روتے جاتے تھے کہ آہ! اسلام پر کیا دردناک وقت آیا ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے! اور مادرِ اسلام اپنے بچوں کی محبت میں حریم خلوت سے نکلتی ہے، بنی اُمیہ کے نوجوانوں کی فتنہ پردازی کے لیے اس سے بہتر

---

[۱] اسماء الرجال میں شفاء عدویہ کا حال پڑھو۔ [۲] طبقات ابن سعد جزء نساء ص ۳۶۰ و کتاب الام امام شافعی لبسند جلد اوّل ص ۱۴۵۔

موقع کیا ہاتھ آسکتا تھا، اب تک وہ بھاگ بھاگ کر مکّہ کے حرم میں پناہ لے رہے تھے اور چھپتے پھرتے تھے، اس دعوت کے ساتھ ہی یہ فاسد عنصر بھی تمام تر اس میں منضم ہوگیا، راہ میں اور بہت سے لوگ یہ سنکر کہ مادرِ اسلام اس فوج کی سرعسکر ہے، نہایت جوش وخروش سے شریک ہوتے چلے گئے، منزل کے ختم پر تین ہزار کی جمعیّت ہوگئی۔

بنوامیہ کا اصل مقصود اصلاح کی دعوت کو کامیاب کرنا نہ تھا بلکہ حضرت علیؓ کی مشکلات میں اضافہ کرنا تھا، اُدھر یہ دیکھ کر کہ حضرت عائشہؓ کی سرپرستی میں ایک تیسری قوت اور نشوونما پا رہی ہے، جو ممکن ہے کہ ان کی دوسری حریف بن جائے، فوج میں مخفی سازشوں کا جال پھیلانا شروع کیا، چونکہ اس فوج میں متعدّد اربابِ ادعا تھے، اس لیے سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ کامیابی کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ میں سے خلیفہ کون ہوگا حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس شورش کو دبا دیا تو دوسرے فتنہ نے سر اٹھایا کہ خلافت کا فیصلہ تو بعد کو ہوگا، ان میں سے نماز کی امامت کا مستحق کون ہے؟ حضرت عائشہؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بیٹوں کی ایک ایک دن کی باری مقرر کردی، راہ میں حوأب کا تالاب آیا، کتّوں نے اس بھیڑ بھاڑ کو دیکھ کر بھونکنا شروع کیا، حضرت عائشہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشینگوئی یاد آگئی، کہ آپ نے ایک دفعہ اپنی بیویوں سے خطاب کرکے فرمایا تھا کہ "خدا جانے تم میں سے کس پر حوأب کے کتّے بھونکیں گے"۔ اس پیشینگوئی کا یاد آنا تھا کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی واپسی کا عزم کرلیا، کئی دن تک قافلہ یہیں رُکا رہا، بالآخر گاؤں کے پچاس آدمیوں نے شہادت دی کہ یہ حوأب نہیں ہے، تب حضرت عائشہؓ کو اطمینان ہُوا۔

حضرت علیؓ اس فوج کا حال سنکر بصرہ کے ارادے سے مدینہ سے چل پڑے تھے، لوگوں نے غُل کیا کہ چلو بڑھو، پیچھے سے علی کا لشکر آرہا ہے، قافلہ نے جلدی جلدی آگے قدم بڑھایا

یہ طبری وغیرہ تاریخ کی کتابوں کی روایت ہے، مسند ابن حنبل میں یہ واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی بتصریح مذکور ہے۔

قالت لمّا انت علی الحوأب	جب حوأب آیا تو کتوں کے بھونکنے کی آواز
سمعت نباح الکلاب فقالت	میں نے سنی، میں نے کہا اب تو میں اپنے کو
ما اظننی الا راجعۃ ان رسول	واپس ہونے والی سمجھتی ہوں، آپ نے
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لنا اتیکن	ایک بار ہم لوگوں سے فرمایا تھا کہ تم میں
تنبح علیھا کلاب الحوأب	سے کس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے،
فقال لھا الزبیر ترجعین عسی اللہ	زبیر نے کہا تم واپس جاؤ گی شاید خدا تعالےٰ
ان یصلح بك بین الناس[1]۔	تمہارے سبب سے لوگوں میں صلح کرا دے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ اس طرح ہیں[2]

فقال بعض من کان معھا	آپ کے ہمراہیوں میں سے کسی نے کہا
بل تقدمین فیراك المسلمون	بلکہ آپ آگے بڑھیں کہ مسلمان آپ کو
فیصلح اللہ عز وجل ذات بینھم	دیکھیں تو خدا انکے درمیان صلح کرا دے۔

ان روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس پیش قدمی اور جماعت بندی سے اصلاح اور صلح کے سوا کچھ اور مقصود نہ تھا۔

مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بصرہ کے بعد عرب کا سب سے بڑا شہر کوفہ تھا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ یہاں کے امیر تھے، دونوں طرف کے وکلا، اپنے اپنے فریق کی حقیقت کا ثبوت دے رہے تھے، حضرت ابو موسیٰؓ نے اس فتنہ کو سمجھا اور اپنے عام اثر اور خطبوں کے ذریعے سے لوگوں کو گوشہ گیری اور عزلت نشینی کی ہدایت کی، حضرت عائشہؓ نے کوفہ کے رئیسوں کے نام

---

[1] جلد۶ ص ۹۷، [2] مسند ۶ ص ۵۲، یہ دونوں حدیثیں مسند میں اسمٰعیل بن ابی خالد کے واسطہ سے قیس بن ابی حازم سے مروی ہیں، قیس کو اکثر محدثین نے ثقہ اور ثبت کہا ہے، لیکن بعضوں نے ان پر تنقید بھی کی ہے، اور ان کو ضعیف، منکر الروایۃ اور ساقط الحدیث بھی کہا ہے، اور ان کی حوأب والی اس روایت کی صحت میں کلام کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب)

خطوط روانہ کیے، حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عمار بن یاسرؓ اور امام حسنؓ یہاں شرکت دعوت کی غرض سے بھیجے گئے، حضرت عمارؓ نے کوفہ کی جامع مسجد میں موجودہ واقعات پر تقریر کی، جس میں حضرت عائشہؓ کی منقبت بیان کرنے کے بعد انھوں نے کہا یہ سب صحیح ہے، لیکن خدا تمھارا امتحان لے رہا ہے کہ اس کے باوجود تم حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہو یا نہیں یہ تقریر مؤثر ثابت ہوئی اور کئی ہزار مسلمان ان کے ہم آواز ہو گئے، تاہم عام لوگوں کو پس و پیش رہا کہ ایک طرف اُمّ المومنینؓ و حرم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم اور دوسری طرف نبی کا ابن عم اور داماد ہے، ان دونوں میں سے کس کا ساتھ دیا جائے۔

حضرت عائشہؓ اب بصرہ کے قریب پہنچکر واقعہ کی اطلاع کے لیے چند اشخاص کو بصرہ روانہ کیا، شہر کے عرب سرداروں کے نام خطوط لکھے، بصرہ پہنچکر بعض رئیسوں کے گھر گئیں قبیلہ کا ایک سردار آمادہ نہ تھا، اس کو خود جا کر سمجھایا، اس نے کہا "مجھے شرم آتی ہے کہ اپنی ماں کی بات نہ مانوں"۔

حضرت علیؓ کی طرف سے عثمان بن حنیف بصرہ کے والی تھے، انھوں نے عمران اور ابوالاسود کو تحقیقِ حال کے لیے بھیجا، وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور والی کی طرف سے آمد کا سبب دریافت کیا، حضرت عائشہؓ نے اس کے جواب میں حسب ذیل تقریر کی:

"خدا کی قسم میرے رُتبہ کے اشخاص کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکل سکتے اور نہ کوئی ماں اصل حقیقت اپنے بیٹوں سے چھپا سکتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قبائل کے آوارہ گردوں نے مدینہ پر جو حرم محترم تھا حملہ کیا، اور وہاں فتنے برپا کیے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دیئے رکھا، اس بنا پر وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہیں، علاوہ بریں انھوں نے بے گناہ خلیفۂ اسلام کو قتل کیا، معصوم خون کو حلال جان کر بہایا، جس مال کا لینا ان کو جائز نہ تھا، اس کو لوٹا، حرم محترم نبوی کی بے عزتی کی، ماہ مقدس کی توہین[1] کی، لوگوں کی آبروریزی کی، مسلمانوں کو

---

[1] حضرت عثمانؓ ماہ ذالحجہ میں شہید ہوئے تھے۔

بے گناہ مار پیٹ کی، اوران لوگوں کے گھروں میں زبردستی اُتر پڑے، جوان کے رکھنے کے روادار نہ تھے، نقصان دہ رہے، نفع رساں نہیں، نیک دل مسلمانوں کو نہ ان سے بچنے کی قدرت ہی اور نہ ان سے مامون ہیں، میں مسلمانوں کو لیکر اس لیئے نکلی ہوں تاکہ لوگوں کو بتاؤں کہ عام مسلمانوں کو جن کو میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں، ان سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ کن کن جرائم کے مرتکب ہیں، خدا فرماتا ہی۔ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ یعنی ان کی سرگوشی میں زیادہ فوائد نہیں، لیکن یہ کہ یہ خیرات یا عام نیکی یا لوگوں کے درمیان صلاح کرائیں، ہم اصلاح کی دعوت لیکر کھڑے ہوئے ہیں، جس کا خدا اور رسول نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا مقصد جس کی نیکی پر ہم تمھیں آمادہ کر رہے ہیں، اور جس کی بُرائی سے تمھیں روکنا چاہتے ہیں۔"

یہ دونوں اشخاص یہاں سے اُٹھ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے، رخصت ہوتے وقت پھر حضرت عائشہؓ کے پاس آئے، حضرت عائشہؓ نے ان میں سے ایک سے خطاب کرکے کہا، ابوالاسود! دیکھنا تمھارا نفس تم کو دوزخ کی طرف نہ چلے، پھر یہ آیت پڑھی۔

كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ۔ — خدا کے کام کے لیے آمادہ و سرگرم رہو اور انصاف کے گواہ بنو۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ وفد کے ایک ممبر عمران نے جنگ سے کنارہ کشی کر لی اور بصرہ کے والی کو بھی یہی مشورہ دیا، لیکن وہ باز نہ آیا، جمعہ کے دن آیا، تو اس نے ایک شخص کو پہلے سے تیار کرکے مسجد میں بٹھا دیا کہ جب لوگ جمع ہو چکیں تو یہ تقریر کرنا۔

"حاضرین! میرا نام قیس ہے، یہ لوگ جو باہر پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں، اور تم سے اعانت کے خواستگار ہیں، اگر ظالموں سے بھاگ کر آئے ہیں اور تم سے امن کے طالب ہیں تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ وہ مکہ سے آتے ہیں، جہاں پرند تک کو کوئی چھو نہیں سکتا، اور اگر یہ

یہ سمجھ کر آئے ہیں کہ ہم سے عثمانؓ کے خون کا انتقام لیں تو ہم عثمانؓ کے قاتل نہیں میری بات مانو یہ جہاں سے آئے ہیں، وہیں انھیں واپس کردو۔"

خطیب کا مغالطہ آمیز منطقی استدلال اپنا کام کرچکا تھا کہ دفعتہً ایک اور زبان آور صف سے نکل کر گویا ہوا۔

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ عثمانؓ کے قاتل ہم ہیں؟ نہیں؟ یہ لوگ اس لیے ہمارے پاس آئے ہیں کہ عثمان کے قاتلوں کو سزا دینے میں وہ ہماری اعانت اور ہمدردی حاصل کریں، اگر یہ سچ ہے جیسا کہ تم کہتے ہو کہ وہ اپنے گھر سے باہر کردیئے گئے ہیں تو شہر یا شہر کی آبادی کون ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہے؟

یہ تقریر خطابت اور بلاغت کے اصول کی بنا پر پہلے سے کم نہ ثابت ہوئی۔

ادھر مجمع میں یہ تقریریں ہورہی تھیں کہ اُدھر سے حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اپنے طرفداروں کے ساتھ میدان میں آگئے، اوّل حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے لوگوں کو مخاطب کرکے تقریریں کیں، ان تقریروں نے مخالفت اور موافقت کا تلاطم برپا کردیا، یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نہایت پُرجلال اور بلند آواز میں گویا ہوئیں، حمد و نعت کے بعد اُن کی تقریر کے الفاظ یہ تھے:

"لوگ عثمانؓ پر اعتراض کیا کرتے تھے، اُن کے عہدہ داروں کی بُرائیاں بیان کرتے تھے، مدینہ آکر ہم سے صلاح و مشورہ پوچھتے تھے، ہم اُن کو صلح و آشتی کے متعلق جو رائے دیتے تھے، وہ سمجھتے تھے عثمانؓ کی نسبت ان کو جو شکایتیں تھیں، اُن پر جب غور کرتے تھے تو ہم عثمانؓ کو بے گناہ، پرہیزگار، راست گفتار، اور شور و غل کرنیوالوں کو گنہگار، غدّار اور دروغگو پاتے تھے، ان کے دِل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ، انکی تعداد جب بڑھ گئی تو بے قصور اور بلا سبب عثمانؓ کے گھر میں گھُس گئے، اور جس خون کا بہانا جائز نہ تھا، اس کو بہایا، جس مال کا لینا درست نہ تھا، اس کو لوٹا، جس سرزمین کا

احترام ان پر فرض تھا، اس کی بے حرمتی کی۔

ہاں ہشیار! وہ کام جواب کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا نازیبا ہے، وہ عثمانؓ کے قاتلوں کی گرفتاری اور کلام الٰہی کے احکام کا مضبوطی سے اجرا ہے، خدانے فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا	کیا ان کو نہیں دیکھتے، جن کو کتاب الٰہی
نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى	کا ایک حصہ دیا گیا، کہ کتاب الٰہی کی
كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ	طرف اُن کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ
يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ	فیصلہ کرے، پھر یہ حال ہو کہ ان کا ایک فرقہ
مُّعْرِضُوْنَ ۝ (آل عمران - ۳)	اعراضانہ اس سے منحرف ہوتا ہے۔

بعض کتابوں[1] میں اس موقع پر حضرت عائشہؓ کی جانب ایک اور تقریر منسوب ہے، جو زور بیان اور اسلوب بلاغت میں اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔

لوگو! خاموش!! خاموش!!! اس لفظ کا سننا تھا کہ ہر طرف ایسا سناٹا معلوم ہوتا تھا کہ گویا منھ میں زبانیں کٹ کر رہ گئی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے سلسلہ تقریر کو آگے بڑھایا۔

"تم پر میرا مادری حق ہے اور مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے مجھے اس کے سوا جو اپنے رب کا فرمانبردار بندہ نہیں، کوئی الزام نہیں دے سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر سر رکھے ہوئے وفات پائی، میں آپ کی چہیتی بیویوں میں سے ہوں[2] خدا نے مجھے دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا[3] اور میری ذات سے مومن ومنافق میں تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم صادر فرمایا۔

---

[1] یہ خطبہ ابن عبدربہ نے عقد الفرید کے باب الخطیب اور ذکر واقعۂ جمل میں پورا نقل کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں (مقصد دوم ذکر جمل میں) اس کے ایک ٹکڑے کا حوالہ دیا ہے، احمد ابن ابی طاہر (المولود ۲۰۴ھ) نے بلاغت النساء میں اس تقریر کو نقل کیا ہے، [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی ایک کنواری بیوی تھیں، [3] واقعۂ افک کی طرف اشارہ ہے۔

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے، اور غارِ حرا میں دو کا دوسرا تھا، اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس سے خوش ہو کر اور اس کو خلافت کا طوق پہنا کر، اسکے بعد جب مذہب اسلام کی رسّی ہلنے ڈلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اسکے دونوں سرے تھام لیے، جس نے نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا، جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی، ہم اس وقت آنکھیں بند کیے غدر و فتنہ کے منتظر تھے اور شور و غوغا پر گوش برآواز تھے، اُس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی مدفون بیماریوں کو دُور کیا، جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے انھیں تھان تک پہنچا دیا، جو پیاسے تھے اُن کو گھاٹ پر لے آیا، اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انھیں دوبارہ پلایا، جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہلِ شرک کے لیے لڑائی کی آگ مشتعل کر چکا، اور تمھارے بے سامان کی گٹھری کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھا لیا۔

وہ اپنے بعد ایک ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا گیا جس کی طرف اگر جھکتے تو محافظ بن جاتا، گمراہی سے اس قدر دور جتنی دور مدینہ کی دونوں[۲] پہاڑیاں، دشمنوں کی گوشمالی اور جاہلوں سے درگزر کرتا، اسلام کی نصرت میں راتوں کو جاگا کرتا، اپنے پیشرو کے قدم بہ قدم چلا، فتنہ و فساد کے شیرازہ کو درہم برہم کیا، قرآن میں جو کچھ تھا اسکی ایک ایک چول بٹھا دی۔

ہاں میں لوگوں کے سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیونکہ فوج لیکر نکلی، میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے، جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں جو کچھ کہہ رہی ہوں، سچائی اور انصاف کے ساتھ، اتمام حجت اور تنبیہ کے لیے خدا نے[۱]

---

[۱] اسکے ہم معنی مختصر خطبہ معجم طبرانی میں بروایت محمد بن حسن مذکور ہے، ص ۲۱۸ مطبوعہ انصاری دہلی۔ [۲] اس فقرہ کا ترجمہ [illegible]

پاک سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر محمدؐ پر درود نازل کرے، اور اس کا جانشین پیغمبروں کی جانشینی کے ساتھ تم پر مقرر کردے "

یہ تقریر اس قدر موثر تھی کہ لوگ ہمہ تن گوش تھے، تقریر کا ایک ایک حرف دشمنوں کے دلوں میں بھی تیر بن کر پیوست ہوگیا، اور بے اختیار بول اُٹھے، خدا کی قسم سچ فرماتی ہیں، اور اپنی صف سے نکل کر اصلاح طلب فوج کے پہلو میں جاکر کھڑے ہوگئے جو بدگمان تھے، انھوں نے اس پر اعتراض کیے، دوسروں نے ان کا جواب دیا،

اب فریقین میں سوالات وجوابات شروع ہوگئے، اور آخر بڑھتے بڑھتے معاملہ نے طول پکڑا، یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضؓ نے اپنی جماعت کو واپسی کا حکم دیا، والیٔ بصرہ کے طرف داروں میں جن لوگوں نے حضرت عائشہ رضؓ کی تقریر سنکر اپنی رائے بدل دی تھی وہ بھی اپنی جماعت کو چھوڑ کر حضرت عائشہ رضؓ کے لشکرگاہ میں چلے آئے۔

دوسرے دن دونوں طرف سے فوجیں آراستہ ہوکر میدان میں آئیں، حکیمؔ نام ایک شخص مخالف سواروں کا افسر تھا، اُس نے خود جنگ میں پیش دستی کی، اصلاح طلب فوج اب تک نیزے تانے خاموش کھڑی تھی، حضرت عائشہ رضؓ برابر سکون اور تحمل کی تاکید کررہی تھیں، لیکن حکیمؔ کسی طرح باز نہ آیا، اور آخر کار حملہ کر ہی بیٹھا، اصلاح طلب پھر بھی ہاتھ روکے رہے، حکیمؔ نے اپنے سواروں کو للکارا کہ یہ قریش ہیں، ان کی نامردی خود ان کو موت کے منھ میں لے جائے گی، لوگ گلی کے موڑ پر کھڑے تھے کہ کوٹھوں اور چھتوں سے ہر فریق نے طرفداروں نے دوسروں پر پتھر برسانا شروع کیا اور آخر کشت وخون تک نوبت پہنچی، حضرت عائشہ رضؓ نے یہ دیکھ کر اپنی فوج کو پیچھے ہٹالیا، اور دوسرے میدان میں لاکر کھڑا کیا، مخالف اس پر بھی باز نہ آئے، اور پتہ لگا کر وہاں بھی پہنچے، اور شورش پر آمادہ ہوئے، لیکن رات ہوچکی تھی، اس لیے واپس چلے گئے۔

صلح جُو اشخاص نے چاہا کہ معاملہ صاف ہوکر طے پاجائے، ابوالجرباء تمیمی نے حضرت

عائشہؓ وغیرہ سے گفتگو کی، سب نے ان کی رائے تسلیم کی، اور یہاں سے بھی ہٹ کر دوسری جگہ پڑاؤ ڈالا، صبح ہوئی تو والئ بصرہ کی فوج پھر سامنے تھی، حکیم راستہ سے گزر رہا تھا، اور غصہ میں حضرت عائشہؓ کو ناشائستہ کلمات کہہ رہا تھا، ایک قیسی نے پوچھا یہ ناسزا کلمے کس کی نسبت کہہ رہے ہو، دریدہ دہنی سے بولا عائشہؓ کی نسبت، اس نے بیتاب ہو کر کہا، اے خبیث ماں کے بچے! یہ امّ المومنین کی شان میں کہتا ہے، حکیم نے نیزہ مارا تو اس کے سینہ کے پار تھا، آگے بڑھا تو ایک عورت نے یہی سوال کیا، اس کو بھی جواب نیزہ ہی کی زبان سے ملا، عبد القیس کا قبیلہ حکیم کے اس فعل سے ناراض ہو کر ناطرف دار بن گیا۔

مخالفین اب پورے طور پر تیار ہو چکے تھے، انھوں نے عام حملہ شروع کر دیا، حضرت عائشہؓ کی طرف سے مُنادی قسمیں دے دیکر روک رہا تھا لیکن وہ کسی طرح نہیں مانتے تھے، آخر ادھر بھی لوگ اپنا بچاؤ کرنے لگے، اور لڑائی شروع ہو گئی، حملہ آوروں کی لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں، یہ دیکھ کر امان امان کی آوازیں بلند کیں، فریقین نے اس شرط پر صلح کر لی کہ بصرہ سے ایک سفیر بارگاہِ خلافت کو بھیجا جائے، وہاں مجمع عام میں وہ دریافت کرے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بخوشی حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی یا ان کو زبردستی اس پر مجبور کیا گیا، پہلی صورت میں بصرہ ان کے حوالہ کر دیا جائے گا ورنہ وہ خود بصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

سفیر جب مدینہ منورہ پہنچا تو اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، تمام صحابہؓ اور عام مسلمان مسجد نبوی میں جمع تھے، اُس نے حاضرین کو بلند آواز سے خطاب کیا "اے اہلِ مدینہ! میں بصرہ کی طرف سے سفیر بنکر آیا ہوں، ان دونوں بزرگوں نے (حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ) برضا و رغبت بیعت کی ہے، یا اس پر وہ زبردستی مجبور کیے گئے ہیں؟ تمام مجمع پر خاموشی چھا گئی کہ دفعتاً ایک آواز نے خاموشی کا پردہ چاک کیا، یہ حضرت اُسامہ بن زید (آنحضرت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند متبنی کی آواز تھی، انھوں نے کہا "ان دونوں نے بخوشی بیعت نہیں کی، بلکہ بجبران سے بیعت لی گئی، حضرت سہل بن حنیف انصاری (حضرت علی رض کے اسلامی بھائی) نے اُچک کران کو، یہ دیکھ کر حضرت صہیب رض، حضرت ابوایوب رض اور حضرت محمد بن مسلمہ[1] اور دیگر صحابہ رض نے کہا "خدایا ہاں یہ سچ ہے" اس کے بعد حضرت صہیب رض نے حضرت اُسامہ کو چھوڑ کر گھر پہنچا دیا اور ان سے کہا آخر جس طرح ہم لوگ خاموش رہے، تم کیوں نہیں رہے۔

راہ میں حضرت علی رض کو صلح کی شرطیں معلوم ہوئیں، تو انھوں نے بصرہ کے والی کو خط لکھا "اگر ان لوگوں سے زبردستی بھی بیعت لی گئی ہے تو صرف اس لیے کہ مسلمانوں میں افتراق اور جماعت بندی نہ پیدا ہو جائے"۔

بصرہ کے سفیر نے واپس آکر مدینہ کا حال بیان کیا، مخالفین نے اس کے مقابلہ میں حضرت علی رض کا خط پیش کیا، ابھی یہ گفت وشنید جاری تھی کہ اتفاق سے ایک اور واقعہ پیش آیا، صلح کے زمانہ میں دونوں فریق ایک جگہ ایک ہی مسجد میں ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، نہیں معلوم اتفاقاً یا قصداً ادھر کے لوگوں نے اپنی طرف کے ایک آدمی کو امام بنا کر نماز شروع کر دی، چالیس عجمی نژاد اشخاص تلواریں گھسیٹ کر ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے، ادھر سے بھی جواب دیا گیا، اور والی کو گرفتار کر لیا گیا، حضرت عائشہ رض نے سنا تو اس کو آزاد کر دیا، اور فوج میں منادی کرا دی کہ حضرت عثمان رض کے قاتلو کے سوا کسی اور سے تعرض نہ کیا جائے گا، اس لیے عام لوگ ہتیار ڈال دیں، لیکن حکیم نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی، اور جنگ کو برابر جاری رکھا، ایک دستہ نے شب کو موقع پاکر چاہا کہ چھپ کر حضرت عائشہ رض کی منزل گاہ پر پہنچ جائے، اور ان کا کام تمام کر دے، دہلیز تک پہنچ چکا تھا کہ راز فاش ہو گیا، آخر جنگ کا خاتمہ اصلاح پسندوں کی کامیابی پر ہوا،

---

[1] تہذیب واصابہ بحوالہ ابن سعد،

بصرہ پر قبضہ کرلیا گیا، شہر کے اکثر باشندوں نے اطاعت قبول کرلی، بصرہ کے خزانہ سے سپاہیوں کی تنخواہیں تقسیم ہوئیں، کوفہ، دمشق، مدینہ وغیرہ ممتاز شہروں میں فتحنامہ بھیجے گئے، حضرت عائشہؓ نے جو خط کوفہ کے امراء کے نام لکھا تھا وہ حسب ذیل تھا:

"اما بعد میں تمھیں اللہ عزوجل اور اسلام کی یاد دلاتی ہوں، کتاب الٰہی کو اس کے احکام کے اجراء سے قائم رکھو، خدا سے ڈرو، اور اس کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور اس کی کتاب کا ساتھ نہ چھوڑو، ہم نے بصرہ آکر بصرہ کے لوگوں کو کتاب الٰہی کی اقامت کی دعوت دی، صلحائے امت نے ہماری دعوت قبول کی، اور جن میں بہتری نہ تھی انھوں نے تلوار سے ہمارا مقابلہ کیا اور کہا کہ تمھیں بھی ہم عثمان کے ساتھ روانہ کردیتے ہیں۔ عناد سے انھوں نے ہم کو کافر بنایا، اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں، ہم نے انکو قرآن کی آیت پڑھ کر سُنائی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا	ان کو نہیں دیکھتے جنکو کتاب الٰہی کا ایک
مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ	حصّہ دیا گیا، ان کو کتاب اللہ کی طرف
اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ	دعوت دیجاتی ہو تاکہ وہ انکے درمیان فیصلہ
(آل عمران - ۳)	کرے، لیکن وہ اعراض کرتے ہیں۔

یہ سُنکر کچھ لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کرلی، اور بعضوں نے اختلاف کیا، ہم نے انھیں چھوڑ دیا، لیکن باوجود اسکے بھی انھوں نے ہمارے ساتھیوں پر تلواریں چلائیں عثمان بن حنیف والی بصرہ نے انھیں قسم دی کہ وہ مجھ سے لڑیں، لیکن خدائے پاک نے اپنے نیک بندوں کے ذریعہ سے میری مدد کی اور ان کی سازشی تدبیریں ان ہی پر لوٹا دیں، ہم نے ۲۶ روز تک ان کو کتاب الٰہی کے احکام کی دعوت دی، یعنی یہ کہ مجرموں کے علاوہ اور بے گناہوں کی خونریزی سے احتراز کیا جائے، انھوں نے ہمارے خلاف دلائل قائم کیے، تاہم ہم نے صلح کرلی، لیکن انھوں نے بدعہدی اور خیانت کی،

اور فوج جمع کی، خدا نے عثمان رض کے قصاص کا سامان کر دیا، ایک شخص کے سوا ان شورش پسندوں میں سے کوئی اور نہیں بچا، خدا نے قیس و رباب وازد کے قبیلوں کے ذریعہ سے ہماری اعانت فرمائی، اب دیکھو! عثمان رض کے قاتلوں کے سوا جبتک خدا ان سے اپنا حق نہ لے لے، اوروں سے اچھی طرح پیش آؤ، لیکن ان خیانت کاروں کی طرفداری نہ کرنا، نہ ان کی حفاظت کرنا، نہ ان لوگوں سے جو سزائے الٰہی کے مستوجب ہیں، رضامندی ظاہر کرنا تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمھارا شمار بھی انہی ظالموں میں ہو جائے "

مخصوص اشخاص کے نام جو خط تھا، اس کی عبارت یہ تھی :

اما بعد، لوگوں کو ان کی مدد اور حفاظت سے باز رکھو، اپنے اپنے گھروں میں گوشہ نشین ہو جاؤ، اس جماعت نے عثمان بن عفان کے ساتھ جو کچھ کیا، امت کے اتحاد باہمی کو جس طرح پراگندہ کیا، کتاب الٰہی اور سنت نبوی کی مخالفت کی، اسی پر بس نہیں کی، بلکہ احکام دینی اور کتاب الٰہی پر لوگوں کو آمادہ کرنیکے سبب اس نے ہم کو کافر بنایا، اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں، صلحائے امت نے ان کی مخالفت کی، اور انکے اس فعل کو بڑا گناہ سمجھا اور ان کو خطاب کر کے کہا تم امام کے قتل پر قانع نہیں ہو، اپنے پیغمبر کی بیوی سے اس لیے بغاوت کرتے ہو کہ وہ تم کو حق کا فرمان دیتی ہیں اور چاہتے ہو کہ ان کو اور پیغمبر کے ساتھیوں اور اسلام کے رہبروں کو قتل کر ڈالو، لیکن وہ اور عثمان بن حنیف (والی بصرہ) جاہل عوام اور عجم زادوں کی جمعیت لے کر لڑنے پر آمادہ ہوا، ہم نے چھاؤنی کے کچھ سپاہیوں کی حفاظت حاصل کی، چھبیس دن تک یہی حال رہا، ہم ان کو حق کی طرف بلاتے تھے اور کہتے تھے کہ حق کے درمیان حائل نہ ہو جاؤ لیکن انھوں نے غداری اور خیانت کی، طلحہ رض اور زبیر رض کے بیعت کا بہانہ کرتے تھے آخر ایک سفیر دریافت حال کے لیے مدینہ بھیجا، وہ اصلی واقعہ دریافت کر کے آیا،

انھوں نے پھر بھی حق کو نہ پہچانا، اور اسی پر صبر نہ کیا، بلکہ ایک دفعہ تاریکی میں چھپ کے میرے قیام گاہ میں گھس آئے کہ مجھے مار ڈالیں، وہ دہلیز تک پہنچ چکے تھے، ایک آدمی انھیں آگے آگے راستہ بتا رہا تھا کہ قیس ارباب اور ازد کے چند آدمی میرے در پر پہرہ دیتے ان کو ملے، لڑائی کی چکّی نے گردش کی، اور مسلمانوں نے ان کو قتل کر ڈالا، خدا نے تمام اہلِ بصرہ کو طلحہؓ اور زبیرؓ کی رائے پر متفق کر دیا ہے، قصاص کے لینے کے بعد ہم معاف کر دیں گے، یہ واقعہ ۲۶ ربیع الآخر ۳۶ھ کو واقع ہوا۔"

جنگ جمل حضرت علیؓ مدینہ منورہ سے ۷۰۰ آدمی لیکر چلے تھے، کوفہ سے سات ہزار آدمی اُن کے ساتھ ہوئے، بصرہ پہنچتے پہنچتے بیس ہزار کی جمعیت ہو گئی، ادھر حضرت عائشہؓ کے ساتھ تیس ہزار آدمی تھے، دونوں فوجیں آمنے سامنے آکر میدانِ جنگ میں خیمہ زن ہوئیں، مضر، مضر کے مقابل، ازد، ازد کے سامنے، یمنی، یمنی کے محاذی، غرض ہر قبیلہ خود اپنے قبیلہ کا حریف بن کر اُترا، اس سے زیادہ دردانگیز منظر یہ تھا کہ دل گو درد محبّت سے بیتاب تھے، تاہم اپنے سیاسی عقیدہ کے مُطابق ایک ہی ماں کے دو جگر پاروں میں ایک ادھر تھا ایک ادھر دونوں کو حق دو جگہ نظر آتا تھا، اور حق طلبی کا جوش برادرانہ محبّت پر غالب تھا۔

یہ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں، ہر مسلمان کا دِل خون تھا کہ کل تک جو تلواریں دشمنوں کے سر اڑاتی تھیں! اب وہ خود دستوں کے سر و سینہ کو زخمی کریں گی، حضرت زبیرؓ نے اس منظر کو دیکھا تو فرمایا۔" آہ مسلمان جب زور و قوت میں پہاڑ بن گئے تو خود ٹکرا کر چور چور ہو جانا چاہتے ہیں۔" ایک دُوسرے کو اپنے برسرِ حق ہونے کا اس قدر پختہ یقین تھا کہ کوئی اپنی جگہ سے ایک قدم ہٹنا نہیں چاہتا تھا، کوفہ کے بعض قبیلہ کے رئیسوں نے اپنے بصری قبائل کی مسجدوں میں گئے، اور ان کو اس فتنہ سے کنارہ کشی کی دعوت دی، سب نے بیک آواز کہا کیا ہم ام المومنین کو تنہا چھوڑ دیں گے؟"

تاہم دونوں طرف لوگوں کو یقین تھا کہ معاملہ جنگ تک طول نہ کھینچے گا، بلکہ باہمی

صلح سے طے ہو جائے گا، ایک قبیلہ کے رئیس نے حضرت علیؓ سے صلح کی تحریک کی، وہ پہلے سے راضی تھے، وہاں سے اُٹھ کر وہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے پاس آیا، اس نے پوچھا، ام المومنین! اس مہم سے آپ کی غرض کیا ہے؟ فرمایا "عثمانؓ کے قاتلوں کی سزا اور اصلاح کی دعوت" اُس نے کہا "ام المومنین! غور فرمائیے کہ پانچ سو آدمیوں کی سزا کے لیے آپ نے پانچ ہزار کا خون بہایا اور پانچ ہزار کے لیے ہزاروں کا خون بہانا ہوگا کیا یہ اصلاح ہے؟" انداز تقریر اس قدر بلیغ اور مؤثر تھا کہ کوئی جواب نہ دے سکا اور سب نے صلح پر رضامندی ظاہر کی اور سب صاحبوں نے ملکر باہم فیصلہ کرلیا[1]۔

اب ہر فریق مطمئن ہو گیا، جنگ وجدل کا خیال یک قلم دلوں سے محو ہو گیا، صلح کے استحکام اور دیگر معاملات کے باسانی اور بہ آشتی طے ہو جانے میں کوئی شک نہ تھا لیکن عثمانؓ کے قاتلوں کا جو فاسد عنصر ادھر شامل تھا اس نے دیکھا کہ اگر حقیقت میں صلح ہو گئی تو ہم محفوظ نہیں رہ سکتے اور پھر ہماری برسوں کی محنت اکارت جاتی ہے، سبائی فرقہ کی کثیر تعداد حضرت علیؓ کے ساتھ تھی، دونوں فریق رات کے پچھلے پہر جب آرام کی نیند سو رہے تھے، سبائیوں نے پیش دستی کر کے شب خون[2] مارا، دفعتہً ان چند شراروں نے ہر جگہ آگ لگا دی، حضرت علیؓ لوگوں کو روک رہے تھے، مگر کوئی نہیں سنتا تھا، ہر شخص بدحواس ہو کر ہتیار کیطرف جھپٹ رہا تھا، ہر فریق کے رئیس یہ سمجھے کہ دوسرے نے غفلت پاکر بدعہدی کی۔

صبح تک یہ تلاطم برپا رہا، شوروغل سنکر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ لوگوں نے جنگ شروع کردی، بصرہ کے قاضی کعب بن سور نے حضرت عائشہؓ سے آکر عرض کی کہ آپ سوار ہو کر چلیں، شاید آپکے ذریعہ سے لوگ صلح کرلیں[3]۔ وہ آہنی ہودج میں اونٹ پر سوار ہو کر اپنی فوج کے قلب میں آئیں، حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بلا بھیجا، تینوں صاحب گھوڑوں پر سوار ایک جگہ مل کر کھڑے ہوئے، آہ کیسا پُر اثر منظر ہے کہ بدر و اُحد

---

[1] طبری جلد ۶، [2] طبری جلد ۳۱۸۲ و ۳۱۸۳، [3] طبری جلد ۶ ص ۳۱۸۸۔

کے ہیرو اب خود دست و گریباں ہیں، حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشینگوئی یاد دلائی، دفعتہً دونوں بزرگوں کو بھولا ہوا خواب یاد آگیا، حضرت زبیرؓ نے گھوڑے کی باگ موڑی اور میدان سے باہر نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، ابن جرموز نام ایک سبائی نے دیکھ لیا، وہ پیچھے چلا، ایک بادیہ میں آکر جب حضرت زبیرؓ نماز میں مصروف اور سربسجود تھے ظالم نے ان کو ایسی تلوار ماری کہ سر دھڑ سے الگ ہو گیا، سر اور تلوار لیکر حضرت علیؓ کے پاس آیا، آبدیدہ ہو گئے، فرمایا "یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے"

حضرت طلحہؓ بھی واپسی کا عزم کر رہے تھے کہ مروان اموی کی نظر پڑ گئی، سمجھا کہ ان کی زندگی خاندان اموی کے لیے سنگ راہ ہی، زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ایسا تاک کر مارا کہ گھٹنے میں پیوست ہو گیا، خون کسی طرح نہ تھما، اور آخر اسی حالت میں جان دیدی، کعب بن سور کو حضرت عائشہؓ نے اپنا قرآن دیا کہ لوگوں کو یہ دکھا کر صلح کی دعوت دو، وہ قرآن کھول کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہوئے، شریروں نے ادھر سے ایسا تیر مارا کہ جاں بحق ہو گئے۔

دوپہر ہو گئی تھی چونکہ اچانک حملہ ہو گیا فوج کے جو جنرل تھے، انھوں نے اس فتنہ سے کنارہ کشی کر لی تھی، اس لیے حضرت عائشہؓ کی فوج کا پہلو کمزور ہو گیا تھا لڑنے والے کون تھے، بھائی بھائی، حملہ میں ہات پاؤں پر وار کرتے تھے، سر و سینہ کو بچا جاتے تھے کہ مقصود اس غیر متوقع جنگ کو روک دینا تھا، ہر جگہ کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کا ڈھیر تھا۔

سبائیوں کا ارادہ تھا کہ اگر حضرت عائشہؓ ہاتھ آگئیں تو وہ سخت تحقیر کے ساتھ پیش آئینگے[1] چنانچہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بعد اہل کوفہ ان پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے[2]، ان کے طرفداروں نے ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر ان کو اپنے حلقہ میں لے لیا، مصری قبائل اور ان میں

---

[1] چنانچہ یہی لوگ جب خوارج بنکر حضرت علیؓ سے الگ ہوئے، تو ان پر جو الزامات انھوں نے قائم کیے انمیں ایک یہ بھی تھا کہ تم اپنی ماں کو لونڈی بنانا چاہتے تھے۔ [2] طبری جلد ۶ ص ۳۱۹۳،

بھی بنو عدی اور بنو ضبہ کے آدمی جوش سے بپھرے ہوئے تھے، ادھر سے دشمنوں کا ریلہ تھا، ادھر حضرت عائشہؓ کے داہنے بکر بن وائل، بائیں ازد، سامنے بنو ناجیہ، مادرِ اسلام کی عزت واحترام کے تحفظ کے لیے اپنی اپنی جانیں فرزندانِ فدویت کے ساتھ نثار کر رہے تھے، اونٹ اپنی جگہ پر کھڑا تھا، آہنی ہودج تیروں کی پیہم بارش سے چھلنی ہو رہا تھا، پُرجوش بیٹے آگے پیچھے داہنے بائیں اس ریلے کو پیچھے ہٹا رہے تھے، زبان پر رجز کے فخریہ اشعار تھے، بنو ازد کا نعرہ تھا۔

یَا اُمَّنَا یَا خیرُ اُمٍ نعلم — اَمَا ترینَ کم شجاعٍ یُکلَم

اے ہماری ماں اے ہماری بہتر ماں جسکو ہم جانتے ہیں — آپ نہیں دیکھتیں کہ کتنے بہادر زخمی کیے گئے

وتختلی هامتہ والمعصم — اور ان کے ہاتھ اور سر کاٹ ڈالے گئے

اب ہر طرف یہ شور تھا کہ اونٹ کو جب تک مار کر نہ بٹھا دیا جائیگا، جنگ کا خاتمہ نہ ہوگا، بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لیے ہوئے تھے، حملہ آوروں میں سے جو شخص ادھر کا رخ کرتا واپس نہ جاتا، ان کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے۔

نحن بنو ضبّة لا تفرّ — حتی نرے جماجما تخرّ

ہم ضبہ کے فرزند ہیں، بھاگتے نہیں — جب تک سروں کو گرتے اور اُن سے

یخر منها العلق المحمر — سُرخ خون کو بہتے نہ دیکھ لیں

یَا اُمَّنَا یا عیش لن تراعی — کل بنیك بطل شجاع

اے ہماری ماں اے عائشہؓ! گھبرائیے نہیں — آپ کے سب بیٹے بہادر اور بہادر ہیں

یَا اُمَّنَا یا زوجة النبیّ — یا زوجة المبارك المهدی

اے ہماری ماں، اے پیغمبر کی بیوی — اے بابرکت وہدایت یاب شوہر کی بیوی

لیکن ان کا سب سے زیادہ پُرجوش قومی نعرہ یہ تھا،

نحن بنو ضبّة اصحاب الجمل — الموت احلیٰ عندنا من العسل

ہم ضبہ کے بیٹے، اور اس اونٹ کے پاسبان ہیں — موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے

نحن بنو الموتِ اذا الموتُ نزل	ننعی ابن عفان باطراف الاسل
ہم موت کے آغوش میں پلے ہیں جب موت اتر ہے	ہم عفان کے بیٹے عثمان کی موت کی خبر کا اعلان نیزوں کی نوکوں سے کرتے ہیں
رُدّوا علینا شیخنا ثم بجل	ہمارے سردار کو واپس کردو پھر کوئی بات نہیں

جوش کا یہ عالم تھا کہ بنو ضبہ کا ایک ایک آدمی آگے بڑھتا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر کھڑا ہو جاتا وہ کام آتا تو دوسرا اس فرض کو انجام دینے کو آگے بڑھتا، وہ مارا جاتا تو تیسرا دوڑ کر نکیل تھام لیتا، اسی طرح ستّر آدمیوں نے اپنی جانیں دیں، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پاس کھڑے تھے، جس نے دشمنوں میں سے اونٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا، اس کا ہاتھ اڑا دیا، کہتے ہیں کہ فضا میں گلیوں کی طرح ہاتھ اڑ رہے تھے، یہ دیکھ کر حضرت علی مرتضیٰؓ بھیڑ کے چھاٹنے کو خود آگے بڑھے، اشتر نخعی (اصلی نام مالک) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قریب پہنچ گئے، دونوں مشہور بہادر تھے، تلواروں کے ردّ و بدل ہونے لگے، دونوں زخمی ہو گئے تو دوڑ کر ایک دوسرے کو لپٹ گئے۔ ابن زبیرؓ نے چلا کر کہا،

اقتلونی و مالکا	اقتلوا مالکا معی
مجکو اور مالک کو مار ڈالو	میرے ساتھ مالک کو بھی مار ڈالو

اشتر کہتے تھے کہ مالک کے نام سے مجھ کو لوگ جانتے نہ تھے، ورنہ میری بوٹی بوٹی اڑا دیتے، بنو ضبہ کے کچھ لوگ ادھر سے بھی شریک تھے، یہ دیکھ کر کہ اونٹ ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا ہو تو ہمارا قبیلہ اسی طرح کٹ کٹ کر مر جائے گا، ایک ضبّی پیچھے سے آیا اور اونٹ کے پچھلے پاؤں پر ایسی تلوار ماری کہ اُونٹ دھم سے گر پڑا، حضرت عمار بنؓ یاسر اور محمد بن ابی بکرؓ نے دوڑ کر ہودے کو سنبھالا، محمد بن ابی بکرؓ نے اندر ہاتھ لیجا کر دیکھنا چاہا کہ کہیں زخم تو نہیں آیا، حضرت عائشہؓ نے ڈانٹا کہ یہ کس ملعون کا ہاتھ ہے، محمد بن ابی بکرؓ نے کہا، تمھارے بھائی محمد کا، بہن! کوئی چوٹ تو نہیں آئی"۔ فرمایا تم محمد نہیں، مذمّم ہو، اتنے میں حضرت علیؓ پہنچے، انھوں نے خیریت دریافت کی، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ اچھی ہوں۔

حضرت علی رضؓ نے ان کو ان کے طرفدار بصری رئیس کے گھر میں اتارا، حضرت عائشہ رضؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے اسی گھر کے ایک ایک گوشہ میں آ آ کر پناہ لی، اس کے بعد حضرت علی رضؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ ملنے آئے، حضرت علی رضؓ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اس گھر میں تمام زخمی پناہ گزیں ہیں، مگر انھوں نے کسی سے کچھ تعرض نہیں کیا، اس کے بعد بحرمت تمام محمد بن ابی بکر رضؓ کی نگرانی میں چالیسؓ معزز آدمیوں کے جھرمٹ میں ان کو حجاز کی طرف رخصت کیا، عام مسلمانوں نے اور خود حضرت علی رضؓ نے دُور تک مشایعت کی، امام حسن رضی اللہ عنہ میلوں تک ساتھ گئے، چلتے وقت تمام مجمع کے سامنے حضرت عائشہ رضؓ نے اقرار کیا کہ مجھ کو علی رضؓ سے نہ کسی قسم کی کدورت تھی، اور نہ اب ہے، ہاں ساس داماد میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے، اس کی میں نفی نہیں کرتی، حضرت علی رضؓ نے بھی اسی قسم کے الفاظ فرمائے، اس کے بعد یہ مختصر قافلہ حجاز کی طرف رُوانہ ہوا[1]۔

حج کے چند مہینے باقی تھے، اتنے عرصہ تک حضرت عائشہ رضؓ نے مکہ معظمہ میں بسر کیا، پھر وہ بدستور روضۂ نبوی کی مجاور تھیں اور اپنی اس اجتہادی غلطی پر کہ اصلاح کا جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا تھا وہ کہاں تک مناسب تھا، ان کو عمر بھر افسوس رہا،

ابن سعد میں ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں اے کاش میں درخت ہوتی، اے کاش میں پتھر ہوتی، اے کاش میں روڑا ہوتی[2]، اے کاش میں نیست و نابُود ہوتی[3]۔

تاریخ طبری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک بصری حضرت عائشہ رضؓ کی ملاقات کو آئے، آپ نے پوچھا کہ تم ہماری لڑائی میں شریک تھے؟ اس نے کہا ہاں، پوچھا کہ تم اس کو جانتے ہو، جو یہ رجزیہ شعر پڑھتا تھا، یا اُمَّنَا یا خَیْرَ اُمٍّ نعلمُ اُس نے کہا وہ میرا بھائی تھا، راوی بیان

---

[1] اس فصل کے تمام واقعات حرفاً حرفاً تاریخ طبری جلد ہشتم سے ماخوذ ہیں، افسوس کہ ان واقعات کے متعلق اس سے زیادہ معتبر سند ہمارے پاس کوئی اور نہیں، حدیث کی کتابوں میں یہ واقعات مذکور نہیں۔

[2] طبقات ابن سعد جزء نساء ص ۵۱، مطبوعہ لائیڈن، [3] ایضاً۔

کرتا ہے کہ وہ اس کے بعد اس قدر روئیں کہ میں سمجھا کہ پھر کبھی چپ نہ ہوں گی، بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انھوں نے وصیّت کی کہ مجھے روضۂ نبوی میں آپ کے ساتھ دفن نہ کرنا، بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا[1] میں نے آپ کے بعد ایک جرم[2] کیا ہے، ابن سعد میں ہے کہ جب وہ یہ آیت پڑھتی تھیں:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (احزاب ۴) (اے پیغمبر کی بیویو) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو

تو اس قدر روتی تھیں کہ روتے روتے آنچل تر ہو جاتا تھا،[3]

حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے باہمی ملالِ خاطر کی تردید

بعض کور باطنوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اس جنگ میں حضرت عائشہ رضؓ کی شرکت کا اصلی سبب یہ تھا کہ چونکہ واقعۂ افک میں حضرت علی رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے دی تھی کہ "آپ چاہیں تو ان کو الگ کر سکتے ہیں، اس بنا پر ان کی طرف سے حضرت عائشہ رضؓ کو ملال خاطر تھا، لیکن جنگ کی ساری روداد تمھارے سامنے ہے، اور اسی غرض سے تطویل کے باوجود ہم نے حضرت عائشہ رضؓ کے جنگ کے زمانہ کے تمام خطوط اور خطبے نقل کر دیئے ہیں، ان میں کہیں بھی حضرت علی رضؓ کی طرف روئے سخن ہے؟ جنگ بالکل اتفاقی تھی اور متعمدین جرم کے سوا دونوں فریق بے قصور تھے۔

یہ سچ ہے کہ واقعہ کے لحاظ سے اُن کو سبائیوں کے اس دعوٰی سے انکار تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت حضرت علی رضؓ کے لیے خلافت کی وصیّت کی، فرماتی تھیں کہ "آپ نے میری گود میں سر رکھے ہوئے انتقال فرمایا، آپ نے وصیّت کس وقت کی؟[4] لیکن اس سے باہمی ناگواریٔ خاطر کا ثبوت نہیں ہوتا، یہ ایک واقعہ کا تاریخی بیان ہے، ایک شخص نے حضرت عائشہ رضؓ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا پھر ہم نے کتاب الٰہی کی وراثت ان بندوں

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز، [2] مستدرک حاکم جزء، عائشہ رضؓ، [3] جزء نسا رص ۵۶، واقدی بروایت سفیان ثوری، [4] صحیح بخاری باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۶۴۱۔

مِنْ عِبَادِنَا ج فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ج وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ۔ (فاطر-۴)

کو عطا کی، جنکو ہم نے چن لیا، ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنیوالے ہیں، بعض معتدل اور بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

فرمایا کہ "فرزندِ من! یہ تینوں فرقے جنت میں داخل ہوں گے" (یہ اس آیت کی طرف اشارہ تھا، جو پہلی آیت کے بعد ہی واقع ہے)

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا (رعد-۳) یہ لوگ جنت عدن میں رہیں گے۔

پھر فرمایا "سابق الی الخیرات تو وہ صحابہ ہیں جنھوں نے آپکے سامنے وفات پائی اور آپنے ان کو بشارت دی، متوسط وہ ہیں جنھوں نے آپ کی پوری پوری پیروی کی، یہاں تک کہ وہ مرگئے، اور ظالم وہ ہیں، جو ہماری تمھاری طرح ہیں" (طیالسی مسند عائشہ رضہ)

حضرت عمار بن یاسر رضہ اور اشتر نخعی جو حضرت علی رضہ کے طرفدار اور اس لڑائی کے ہیرو تھے حضرت عائشہ رضہ سے ملنے آئے، حضرت عمار رضہ نے کہا "اے میری جان"! فرمایا "میں تمھاری ماں نہیں ہوں"۔ عرض کی "آپ میری ماں ہی ہیں گو آپ کو ناگوار ہو"۔ پھر دریافت کیا کہ "تمھارے ساتھ کون ہے" بتایا کہ "اشتر نخعی ہیں"۔ اشتر نخعی سے خطاب کرکے کہا کہ تم ہی تھے جو میرے بھانجے کو مار ڈالنا چاہتے تھے" اشتر نے کہا کہ وہ مار ڈالنا چاہتے تھے، میں ان کو مار ڈالنا چاہتا تھا، حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ "اگر تم ایسا کرتے تو کبھی فلاح نہ پاتے"[۱]۔ ابن حنبل کی روایت ہے کہ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے اور طیالسی[۲] میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ "اے عمار! تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مومن کا خون بہانا حلال نہیں لیکن تین اسباب سے، یا وہ مرتد ہوگیا ہو یا زنا کا مرتکب ہوا ہو یا کسی کو قتل کیا ہو، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فوج کشی سے حضرت عائشہ رضہ کا مقصد خونریزی نہ تھا،

اس اشتباہ اور تعریض کی ابتدا بنو امیہ نے کی، واقعہ اتنا ہی کہ افک کے قصہ میں حضرت

---

[۱] مسند احمد جلد ۶ ص ۳۰۵۔ [۲] طیالسی مسند عائشہ رضہ ص ۲۱۶۔

علی رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی کی خاطر عرض کیا تھا کہ اگر آپ کو منافقین کے کہنے کا خیال ہی تو الگ کر دیجئے، شاہانِ بنو امیہ کو حضرت علی رض کے بدنام کرنے کے لیے جب کوئی دستاویز ہاتھ نہ آسکی تو انھوں نے اس واقعہ کو حضرت علی رض کے مثالب میں داخل کر لیا جس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت عائشہ رض کے اتہام میں جو لوگ ساعی تھے ان کو دوزخی کہا گیا ہے، ایک دفعہ امام زہری ولید بن عبدالملک کے دربار میں تھے، ولید نے کہا کہ وہ علی رض ہی نہ تھے جن کی نسبت قرآن نے کہا ہے۔

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ	اس افترا پردازی میں جس کا بڑا حصہ ہے
لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ (نور-۲)	اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ چند لمحوں کے لیے میرے دل نے مرعوب ہو کر حق گوئی کی جراءت نہ کی، لیکن پھر میں نے کہا "خدا امیر کو صلاحیت کو بخشے، اس کے دو اہم خاندانوں نے مجھ سے حضرت عائشہ رض کی زبانی روایت کی ہے۔

کَانَ عَلِیٌّ مُسْلِمًا فِیْ شَانِهَا۔	حضرت علی رض حضرت عائشہ رض کے واقعہ
(بخاری حدیث افک)	میں محفوظ تھے۔

تاہم ولید کو تسکین نہ ہوئی[1]۔

مرض الموت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس رض اور حضرت علی رض سہارا دیکر حضرت عائشہ رض کے حجرہ میں لائے تھے، حضرت عائشہ رض جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھیں تو کہتی تھیں کہ آپ عباس اور ایک اور آدمی کے سہارے آئے، بعض بدگمانوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عائشہ رض نے ملالِ خاطر کے سبب حضرت علی رض کا نام نہیں لیا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک طرف حضرت عباس برابر سہارا دیئے ہوئے لائے، اور دوسری طرف کبھی حضرت علی رض سہارا دیتے تھے، اور کبھی حضرت اسامہ بن زید رض، اس بنا پر حضرت عباس رض

---

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری میں دو موقعوں پر مروی ہے تفصیل کے لیے دیکھو فتح الباری، شرح حدیث افک۔

کا نام انھوں نے لیا، اور دوسرے کی نسبت عدم تعین کے سبب یا اختصار کی بنا پر کہدیا کہ "ایک اور آدمی"[1]۔

اس باہمی ملالِ خاطر کی تردید طبری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ دونوں نے اپنی دلی صفائی کا اعتراف مجمع عام میں کیا ہے، حدیثوں میں ایسی متعدد روایتیں ہیں، جن میں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے مناقب بیان فرمائے ہیں، ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے محبوب کون تھا، بولیں "فاطمہ" پھر عرض کی کہ مردوں میں، فرمایا "ان کے شوہر بہت نماز گزار اور بہت روزہ دار تھے"[2]۔

حضرت علیؓ کا اہلِ بیت اور آلِ عبا میں داخل ہونا ہم اہل السنّۃ کو حضرت عائشہؓ ہی کے ذریعہ سے معلوم ہے[3]، متعدد دفعہ ایسا ہوا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس مستفتی آئے ہیں اور انھوں نے ان کو حضرت علیؓ کی خدمت میں جانے کی ہدایت کی ہے[4]، وہ کبھی سفر سے واپس آتے تو داماد کی ضیافت کرتیں[5]، حضرت علیؓ نے کوفہ میں جب خوارج کے ہاتھوں شہادت پائی، اور لوگوں نے وہاں سے آکر واقعہ بیان کیا، تو حضرت عائشہؓ نے ایک صاحب سے پوچھا کہ اے عبداللہ! میں تم سے جو پوچھوں گی، سچ سچ بیان کروگے، عرض کی کیوں نہ بیان کرونگا فرمایا یہ لوگ جن کو علیؓ نے قتل کیا، ان کا کیا واقعہ ہے، انھوں نے امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی مصالحت اور تحکیم خوارج کی مخالفت، حضرت علیؓ کا سمجھانا، ان کا نہ ماننا سب بیان کیا یہ سُن کر فرمایا، خدا علیؓ پر رحمت بھیجے، ان کو جب کوئی بات پسند آتی تو یہی کہتے صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اہل عراق ان پر جھوٹ تہمت باندھتے ہیں، اور بات کو بڑھا کر بیان کرتے ہیں[6]۔

---

[1] صحیح بخاری ذکر وفات مع کرمانی، [2] ترمذی، مناقب، [3] صحیح مسلم صد [4] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۵ و جلد ۱ ص ۹۶ وغیرہ، [5] ایضاً جلد ۶ ص ۱۵۵، [6] ایضاً جلد ۱ ص ۸۶ و ۸۷ و خلق افعال العباد، بخاری ص ۱۹۱ مطبع انصاری،

حضرت معاویہؓ کا زمانہ | حضرت علیؓ کی خلافت کی مدّت صرف چار برس ہی، اس کے بعد امیر معاویہؓ نے تختِ حکومت پر قدم رکھا اور تقریباً بیس برس پوری اسلامی دنیا کے اکیلے فرمانروا رہے، ان کی مدّتِ حکومت کے اختتام سے دو برس پہلے حضرت عائشہؓ نے وفات پائی، اس حساب سے امیر معاویہؓ کی حکومت میں انھوں نے اپنی زندگی کے اٹھارہ سال بسر کیے اور یہ پورا زمانہ حضرت عائشہؓ نے جزئی اوقات سے سوا خاموشی میں گزارا۔

ایک دفعہ امیر معاویہؓ مدینہ منورہ آئے تو حضرت عائشہؓ سے ملنے گئے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم اس طرح بے خطر تنہا میرے گھر آگئے، ممکن تھا کہ میں کسی کو چھپا کر کھڑا کر دیتی کہ جیسے ہی تم آتے وہ تمھارا سر اُڑا دیتا، امیر معاویہؓ نے کہا یہ دارالامان ہی، یہاں آپ ایسا نہیں کر سکتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ ایمان قتلِ ناگہانی کی زنجیر ہے، پھر دریافت کیا کہ میرا برتاؤ آپکے ساتھ کیسا ہے، بولیں کہ ٹھیک ہی، امیر معاویہ نے کہا کہ پھر میرا اور اُن کا (بنو ہاشم) معاملہ چھوڑ دیجیے خدا کے یہاں سمجھا جائے گا۔[1]

حجر بن عدیؓ ایک صحابی حضرت علیؓ کے بڑے طرفدار اور کوفہ میں علوی فرقہ کے سرگروہ تھے کوفہ کے والی نے کچھ لوگوں کی شہادت پر ان تمام اشخاص کو گرفتار کرکے دمشق بھیجدیا، حجر یمن خاندان کندہ سے تھے، کوفہ عرب کے بڑے بڑے قبائل کا مرکز تھا، خود کندہ کا قبیلہ یہاں موجود تھا، لیکن کسی نے حجر کی حفاظت کے لیے انگلی تک نہ ہلائی، تاہم حجر کا صحابہ میں اس وقت نہایت اقتدار تھا، اس لیے اس واقعہ کو تمام ملک نے ناگواری کے ساتھ سنا، قبائل کے رئیسوں کے رئیسوں نے ان کے حق میں سفارش کیں، لیکن قبول نہ ہوئیں، مدینہ خبر پہنچی تو حضرت عائشہؓ نے اپنی طرف سے ایک قاصد ان کی سفارش کے لیے روانہ فرمایا، لیکن افسوس کہ قاصد کے پہنچنے سے پہلے حجر کا کام تمام ہو چکا تھا۔[2] اس وقت جب امیر معاویہؓ ملنے آئے، حضرت عائشہؓ نے سب سے پہلے جو گفتگو ان سے کی وہ یہ تھی "معاویہ! حجر کے معاملہ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۹۲ [2] طبری جلد ہفتم ص ۱۴۵۔

میں تمھارا تحمل کہاں تھا، حجر کے قتل میں تم خدا سے نہ ڈرے" امیر معاویہؓ نے جواب دیا، اس میں میرا قصور نہیں، قصور ان کا ہے جنھوں نے گواہی دی[1]" دوسری روایت میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے کہا یا ام المومنین کوئی صاحب الرائے میرے پاس موجود نہ تھا[2]، مسروق تابعی راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ خدا کی قسم اگر معاویہ کو معلوم ہوتا کہ کوفہ میں کچھ بھی جرأت اور خودداری باقی ہے تو کبھی وہ حجر کو اُن کے سامنے پکڑوا کر شام میں قتل نہ کرتے، لیکن اس ہند[3] خوارہ کے بیٹے نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب لوگ اُٹھ گئے، خدا کی قسم کوفہ شجاعت و خودداری والے عرب رئیسوں کا مسکن تھا، لبید نے سچ کہا ہے[4]،

ذھب الذین یُعاش فی اکنافھم   وبقیت فی خلفٍ کجلد الاجرب

وہ لوگ چلے گئے جن کے سائے میں زندگی بسر کی جاتی ہے اب ایسے اخلاف کے درمیان رہ گیا ہوں جو خارشتی اونٹ کی کھال کی طرح ہیں

لَایَنفعُونَ وَلَایرجی خَیرُھُم   ویُعاب قائلھم وان لم یتغب

نہ وہ نفع پہنچاتے ہیں، نہ ان سے بھلائی کی امید ہے، ان سے باتیں کرنے والوں کی عیب گیری کی جاتی ہے۔

عراق اور مصر کے لوگ حضرت عثمانؓ کو برا کہتے تھے، شامی حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کرتے تھے، خوارج دونوں کو بُرا جانتے تھے، حضرت عائشہؓ کو ان فرقوں کا حال معلوم ہوا تو فرمایا، قرآن میں تو خدا نے فرمایا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تم رحمت و مغفرت کی دعا مانگو اور یہ لوگ ان کو گالی دیتے ہیں[5]" خوارج کا فرقہ حضرت علیؓ سے جدا ہو کر سب سے پہلے مقام حرور میں جمع ہوا تھا، اس لیے ان کا پہلا نام حروریہ ہے۔ ایک عورت نے آکر حضرت عائشہؓ سے مسئلہ پوچھا کہ ایام مخصوص میں روزہ کی طرح نماز کی بھی قضا کیوں نہ کریں، انھوں نے نہایت برہمی کے ساتھ فرمایا "کیا تو حروریہ ہے[6]" یعنی وہ اس

---

[1] طبری جلد ہفتم ص ۱۴۵، [2] طبری جلد ہفتم ص ۱۱۶، [3] ہند امیر معاویہ کی ماں غزوہ احد میں حضرت حمزہ کا سینہ چیر کر ان کا جگر چبا گئی تھی، [4] یہ پورا واقعہ جلد ہفتم میں ہے، [5] صحیح مسلم کتاب التفسیر مع نووی، [6] صحیح بخاری، کتاب الحیض۔

فرقہ سے نفرت کرتی تھیں۔

امیر معاویہؓ نے ایک دفعہ ان کو خط لکھا کہ مجھ کو مختصر سی نصیحت کیجئے، حضرت عائشہؓ نے جواب میں لکھا "سلام علیکم، اما بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ جو شخص انسانوں کی ناراضامندی کی پروا نہ کرکے خدا کی رضا جوئی کرے گا خدا انسانوں کی ناراضامندی کے نتائج سے اس کو محفوظ رکھے گا، اور جو خدا کو ناراضامند کر کے انسانوں کی رضامندی کا طلب گار ہو گا، خدا اس کو انسانوں کے ہاتھ میں سونپ دیگا والسلام علیک[1]۔

حضرت عائشہؓ کی نصیحت کے یہ فقرے درحقیقت امیر معاویہؓ کے حالاتِ زندگی پر ایک مختصر تبصرہ ہے۔

امیر معاویہ نے اپنے بعد یزید کو اپنا جانشین بنانا چاہا، مروان ان کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا، مجمع عام میں اُس نے یزید کا نام پیش کیا، حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمن نے اٹھ کر مخالفت کی، مروان نے ان کو گرفتار کرنا چاہا، وہ دوڑ کر حضرت عائشہؓ کے گھر میں گھس گئے، مروان اندر گھسنے کی جرأت نہ کر سکا، کھسیانا ہو کر بولا، یہی وہ ہے جسکی شان میں یہ آیت اتری ہے، وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لکھُمَا حضرت عائشہؓ نے اوٹ کے پیچھے سے فرمایا ہم لوگوں کی شان میں خدا نے کوئی آیت نہیں اُتاری، بجز اس کے کہ میری برأت[2] فرمائی، اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ یزید کی جانشینی سے وہ خوش نہ تھیں۔

امام حسنؓ کی تدفین کا واقعہ امام حسنؓ نے ۴۹ھ میں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینۂ منورہ میں وفات پائی، حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدفون ہیں، ایک گوشہ میں ایک قبر کی جگہ اور باقی تھی، امام حسن نے بھائی سے وصیت کی تھی کہ میری لاش اُسی خالی جگہ میں دفن کی جائے، اور اگر اس میں مزاحم ہو تو جنگ و جدال کی ضرورت نہیں، امام حسینؓ نے جب وصیت کی تعمیل کرنی چاہی تو مروان

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الزہد۔ [2] صحیح بخاری تفسیر سورۂ احقاف۔

بن حکم نے مخالفت کی کہ جب یہاں عثمانؓ کو باغیوں نے دفن نہ ہونے دیا تو کسی اور کو بھی اجازت نہیں ہو سکتی، ادھر امام حسینؓ کے ساتھ تمام بنو ہاشم، اور ادھر مروان کی معیت میں بنو امیہ ہتیاروں سے آراستہ ہو کر باہر نکلے، قریب تھا کہ ایک خونریز جنگ شروع ہو کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آکر بیچ بچاؤ کیا، مروان سے کہا کہ نواسہ اگر اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہوتا ہے تو تم کو اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے، امام حسینؓ کی خدمت میں عرض کی کہ امام مرحوم کی یہ بھی تو وصیت تھی کہ اگر مزاحمت ہو تو جنگ و جدال سے پرہیز کیا جائے الغرض جنازہ جنت البقیع میں لایا گیا اور یہیں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں حضرت عائشہؓ کا طرزِ عمل کیا تھا، بعض شیعی مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کچھ سپاہیوں کے ساتھ خود ایک سپید خچر پر سوار ہو کر امام حسنؓ کے جنازے کو روکنے کے لیے نکلیں، سپاہیوں نے تیر چلائے اتنے میں حضرت عائشہؓ کے بھائی آئے اور انھوں نے کہا "ابھی جنگِ جمل کی شرم ہمارے خاندان سے مٹی نہیں کہ تم ایک اور جنگ کے لیے آمادہ ہو" یہ سنکر حضرت عائشہؓ واپس چلی گئیں، یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے فارسی ترجمہ میں جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے، نظر سے گزری ہے، لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک حرف پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا، طبری کے اس فارسی ترجمہ میں درحقیقت بہت سے حذف و اضافے ہیں، مترجم نے مقدمہ میں اس کی تصریح بھی کردی ہی یعقوبی جو تیسری صدی کا ایک شیعی مورخ ہے، اس نے اس واقعہ کو البتہ نقل کیا ہی لیکن علاوہ اس کے کہ وہ روایت کی سند نہیں لکھتا اصل واقعہ کے بیان کے بعد کہ درحقیقت مروان کا فعل تھا، قیل یعنی ضعف روایت کے صیغہ کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن یہ نہیں لکھا ہے کہ انھوں نے نعوذ باللہ تیر چلائے یا جنگ کی۔

ابو الفداء میں یہ مذکور ہے کہ "بنو ہاشم اور بنو امیہ میں جب جنگ و جدال شروع

ہو گیا تو حضرت عائشہ نے کہلا بھیجا کہ "یہ گھر میری ملکیت ہے، میں کسی اور کو یہاں دفن ہونیکی اجازت نہیں دیتی، لیکن یہ بھی صحیح نہیں، ابن اثیر اور تمام معتبر تاریخوں میں مذکور ہے کہ ام المومنین رض نے بطیب خاطر اجازت دیدی، امیر معاویہ رض کی طرف سے مدینہ کا جو گورنر تھا اس نے بھی نہیں روکا، لیکن مروان چند آدمیوں کو لیکر فساد پر آمادہ ہو گیا، امام نے وصیت کی تھی کہ اگر فتنہ و فساد کا ڈر ہو تو مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کرنا، چنانچہ حضرت امام حسین رض کو اس شرارت پر گو بہت غصہ آیا، تاہم بھائی کی اس وصیت سے انحراف[1] کرنا نہ چاہا، محدث ابن عبدالبر استیعاب میں، ابن اثیر اسد الغابہ میں اور سیوطی تاریخ الخلفاء میں ایک ہی عبارت کے ساتھ راوی ہیں، اور یہ روایت اس شخص کی زبانی ہے جو امام کی وفات کے وقت انکے پاس موجود تھا۔

وقد کنت طلب الی عائشة	امام حسن رض وصیت فرماتے ہیں کہ میں نے
اذا مت ان تاذن لی فادفن	عائشہ سے درخواست کی تھی کہ مجھے آنحضرت
فی بیتها مع رسول الله صلی الله	صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گھر میں دفن
علیه وسلم فقالت نعم، وانی لا دری	ہونیکی اجازت دیں انھوں نے اجازت دے
لعلها کان ذالك منها حیاءً فاذا	دی تھی، لیکن معلوم نہیں شرما شرمی میں
انا مت فاطلب ذلك الیها فان	انھوں نے اجازت دی یا کیا، میرے مرنیکے
طابت نفسها فادفنی فی بیتها،	بعد ان سے جاکر پھر اجازت لینا، اگر وہ خوشی
وما اظن الا القوم سیمنعونك	سے اجازت دیں تو وہیں دفن کرنا میں سمجھتا
اذا اردت ذلك فان فعلوا	ہوں کہ لوگ تم کو ایسا کرنے سے روکیں گے
فلا تراجعهم فی وادفنی فی	اگر واقعاً وہ روکیں تو اس میں ان لوگوں سے
البقیع الغرقد	ردو کد کی ضرورت نہیں، مجھے بقیع میں دفن کردینا۔

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۸۳ طبع یورپ ۔

فلمّا مات الحسن اتی الحسین	جب حضرت حسنؓ کا انتقال ہوا تو حضرت
عائشة فطلب ذٰلك الیها فقالت	حسینؓ نے جاکر حضرت عائشہؓ سے
نعم وکرامة فبلغ ذٰلك مروان	اجازت طلب کی، انھوں نے کہا
فقال کذب وکذبت واللّٰه	بخوشی، مروان کو واقعہ معلوم ہوا تو
لا یدفن هناك ابدًا.....	اسنے کہا حسینؓ اور عائشہ دونوں جھوٹے
	کہتے ہیں حسنؓ وہاں کبھی دفن نہیں کئے جا سکتے،

منعوا عثمان من دفنه فی المقبرة	عثمان کو قبرستان تک میں دفن کرنے نہ
ویریدون دفن الحسن فی	دیا گیا، اور حسنؓ عائشہؓ کے گھر میں
بیت عائشة	دفن ہوں گے۔

وفات

امیر معاویہؓ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہؓ کی زندگی کا آخیر زمانہ ہی، اس وقت ان کی عمر سرسٹھ برس کی تھی، ۵۸ھ میں رمضان کے مہینہ میں بیمار پڑیں، چند روز تک علیل رہیں، کوئی خیریت پوچھتا، فرماتی، اچھی ہوں، جو لوگ عیادت کو آتے، بشارت دیتے، فرماتیں "اے کاش میں پتھر ہوتی، اے کاش میں کسی جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی[۱]، حضرت ابن عباسؓ نے اجازت چاہی تو حضرت عائشہؓ کو تامل ہوا کہ وہ آکر تعریف نہ کرنے لگیں، بھانجوں نے سفارش کی تو اجازت دی، حضرت ابن عباسؓ نے کہا "آپ کا نام ازل سے ام المومنینؓ تھا۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سب سے محبوب بیوی تھیں، رفقا سے ملنے میں اب آپ کو اتنا ہی وقفہ باقی ہے کہ رُوح بدن سے پرواز کر جائے، خدا نے آپ ہی کے ذریعہ تیمم کی اجازت فرمائی آپ کی شان میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں جو اب ہر محراب و مسجد میں شب و روز پڑھی جاتی

---

[۱] ابن سعد جز نسا ص ۵۱ - [۲] ایضًا۔

ہیں " فرمایا ابنِ عباسؓ مجھے اپنی اس تعریف سے معاف رکھو، مجھے یہ پسند تھا کہ میں معدوم محض[1] ہوتی"۔

مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے دفن نہ کیجیو، میں نے ایک جرم کیا ہے، مجھے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا[2] اور رات ہی کو دفن کر دی جاؤں، صبح کا انتظار نہ کیا جائے" کسی نے عرض کی کہ آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کے ساتھ دفن ہوتیں تو بہتر تھا، فرمایا اگر ایسا ہو تو پچھلا عمل جاتا رہے اور نیا شروع کروں[3]، ۵۸ھ تھا اور رمضان کی سترہ تاریخ مطابق ۱۳ رجون ۶۷۸ء تھی کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی، ماتم کا شور سنکر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے، جنازہ میں اتنا ہجوم تھا، کہ لوگوں کا بیان ہی کہ رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا، بعض روایتوں میں ہی کہ عورتوں کا اژدہام دیکھکر روزِ عید کے ہجوم کا دھوکا ہوتا تھا[4]، حضرت ام سلمہؓ نوحہ اور ماتم سُن کر بولیں، عائشہؓ کے لئے جنّت واجب ہے، کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سب سے پیاری بیوی تھیں، یہ حاکم کی روایت ہے، مسند طیالسی میں ہی کہ انھوں نے کہا " خدا ان پر رحمت بھیجے کہ اپنے باپ کے سوا وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں[5]۔

حضرت ابو ہریرہؓ ان دنوں مدینہ کے قائم مقام حاکم تھے، انھوں نے جنازہ کی نماز پڑھائی، قاسم بن محمدؒ ابی بکرؓ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عتیق، عروہ بن

---

[1] اس روایت کا صرف پہلا ٹکڑا، بخاری مناقب عائشہؓ میں مذکور ہے، اور اس سے زیادہ تفسیر سورۂ نور میں ہے، لیکن پوری روایت مستدرک حاکم میں ہے، علی شرط الصحیحین، امام احمد نے مسند رک میں بھی یہ پوری روایت نقل کی ہے۔ [2] بخاری اواخر کتاب الجنائز میں، اور بخاری الاعتصام بالسنۃ میں مختصراً ہے اور ابن سعد جز، نسا رص ۵۱ میں پورا واقعہ ہے [3] موطا امام محمد باب النوادر، اصل عبارت یہ ہی، انی اذا لانا المبتدئۃ بعملی۔ [4] ابن سعد جز، نسا رص ۵۲ [5] طیالسی مسند ام سلمہؓ ص ۲۲۴۔

بن زبیرؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اُتارا، اور حسب وصیت جنت البقیع میں مدفون ہوئیں، مدینہ میں قیامت برپا تھی کہ آج حرم نبوت کی ایک اور شمع بجھ گئی، مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ اگر ایک بات کا مجھ کو خیال نہ ہوتا تو امّ المومنین کے لیے میں ماتم کا حلقہ قائم کرتا۔[۲] ایک مدنی سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت عائشہؓ کی وفات کا غم اہلِ مدینہ نے کتنا کیا، جواب دیا جس جس کی وہ ماں تھیں (یعنی تمام مسلمان) اسی کو ان کا غم تھا۔[۳]

حضرت عائشہؓ نے اپنے بعد کچھ متروکات چھوڑے جن میں ایک جنگل بھی تھا، یہ ان کی بہن حضرت اسماءؓ کے حصہ میں آیا، امیر معاویہؓ نے تبرکاً اس کو ایک لاکھ درم میں خریدا، تم جانتے ہو کہ حضرت اسماءؓ نے یہ کثیر رقم کیا کی، عزیزوں میں تقسیم کردی۔[۴]

تبنّیٰ

حضرت عائشہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، لیکن ان کی پوری زندگی میں کوئی واقعہ ایسا مذکور نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کو قسمت سے اس کا گلہ تھا، عرب کے شریفوں میں دستور تھا کہ نام کے علاوہ اپنی اولاد کے نام سے اپنی کنیت رکھتے تھے، معززین کا نام نہیں لیتے تھے، کنیت سے مخاطب کرتے تھے، حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی تمام بیویوں نے اپنے (پہلے شوہروں کے) بیٹوں کے نام سے اپنی کنیتیں رکھ لی ہیں، میں کس نام سے رکھوں، آپ نے فرمایا تم بھی اپنے بیٹے عبداللہ کے نام سے رکھو۔[۵]

---

[۱] تمام واقعات حاکم کی مستدرک سے ماخوذ ہیں۔ حاکم نے ان میں سے اکثر روایتوں کی نسبت لکھا ہے کہ علی شرط الصحیحین ہیں، [۲] ابن سعد جزء نساء ص ۵۴، [۳] ابن سعد جزء نساء ص ۵۴۔

[۴] صحیح بخاری باب ہبۃ الواحد للجماعۃ۔

[۵] ابوداؤد، کتاب الادب، [۵] ابوداؤد، کتاب الادب۔

ابن الاعرابی کو اس سے شبہ ہوا، اور اس نے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا، اسی کا نام عبداللہ[1] تھا، لیکن یہ روایت سرے سے ماننے کے قابل نہیں اور سند کے اعتبار سے نہایت کم زور ہے، تمام صحیح روایتوں کی متفقہ خاموشی کے علاوہ احادیث میں تصریح بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ لاولد تھیں[2]۔

اس عبداللہ سے مقصود حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ ہیں، جو حضرت عائشہ رضؓ کے بھانجے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضؓ کے صاحبزادہ ہیں، ہجرت کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے وہی پیدا ہوئے تھے، کافر کہنے لگے تھے کہ مسلمان بی بیاں یہاں آکر بانجھ ہوگئیں، جب یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے تالو میں چھوہارا اور اپنا لعابِ دہن ملا، حضرت عائشہ رضؓ نے ان کو گویا بیٹا بنا لیا تھا اور ان کو دل سے چاہتی تھیں، وہ بھی ماں سے زیادہ ان سے محبت کرتے تھے، انکے علاوہ حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے آغوش تربیت میں اور بھی متعدد بچوں کو لیکر پرورش[3] کی، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک انصاریہ لڑکی کی پرورش اور بیاہ کا ذکر حدیثوں میں ہے[4]

مسروق بن اجدع[5]، عمرہ بنت عائشہ رضؓ بنت طلحہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ، اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضؓ، عروہ بن زبیر[6]، قاسم بن محمد[7] اور انکے بھائی اور عبداللہ بن یزید وغیرہ[8] حضرت عائشہ رضؓ کے پروردہ تھے، محمد بن ابی بکر رضؓ کی لڑکیوں کو بھی انہی نے پالا[9] تھا، انکی شادی بیاہ بھی وہی کردیتی تھیں[10]۔

---

[1] زرقانی جلد ۳ ص ۲۶۹، [2] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۵۱، [3] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ۔

[4] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۶۹، [5] تذکرۃ الحفاظ ترجمۂ مسروق، [6] اسماء الرجال میں ان کے حالات پڑھو، [7] موطا، زکوٰۃ اموال الیتامیٰ

[8] مسند جلد ۶ ص ۳۲۔

[9] موطا زکوٰۃ الحلی۔

[10] موطا، کتاب الطلاق۔

حلیہ اور لباس

حضرت عائشہ رضؓ ان لڑکیوں میں تھیں جن کی جسمانی بالیدگی نہایت سرعت سے ترقی کرتی ہے، نو دس برس میں وہ اچھی خاصی بالغ ہو گئی تھیں[1]، لڑکپن میں وہ دُبلی پتلی چھریری سی تھیں[2]، جب سِن کچھ زیادہ ہوا تو کسی قدر بدن بھاری ہو گیا تھا[3]، رنگ سُرخ و سپید تھا[4]، خوش رُو اور صاحبِ جمال تھیں[5]۔

زہد و قناعت کی وجہ سے صرف ایک جوڑا پاس رکھتی تھیں، اسی کو دھو دھو کر پہنتی تھیں[6]، ایک کُرتا تھا جس کی قیمت پانچ درم (عہ) تھی، یہ اس زمانہ کے لحاظ سے اس قدر بیش قیمت تھا کہ تقریبوں میں دُلہن کے لیے عاریت مانگا جاتا تھا[7]، کبھی کبھی زعفران رنگ کر کپڑے پہنتی تھیں[8]، گاہے گاہے زیور بھی پہن لیتی تھیں، گلے میں یمن کا بنا ہوا خاص قسم کے سیاہ و سپید مہروں کا ہار تھا[9]، انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہنتی تھیں[10]۔

اخلاق و عادات

ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچپن سے جوانی تک کا زمانہ اس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بسر کیا جو دنیا میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے آئی تھی اور جس کے روئے جمال کا غازہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ہے، اس تربیت گاہِ رُوحانی

---

[1] صحیح بخاری باب ترویج عائشہ رضؓ، [2] صحیح بخاری واقعہ افک و ابوداؤد و باب السبق۔ [3] ابوداؤد و باب السبق [4] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۳۸ نیز آپ کا لقب حمیرا، [5] صحیح بخاری قصہ افک و ایلا۔ [6] صحیح بخاری باب ہل تصلی المرأۃ فی ثوب حاضت فیہ۔ [7] صحیح بخاری باب الاستعارہ للعروس۔ [8] ایضاً باب ما یلبس المحرم من الثیاب۔ [9] ایضاً باب التیمم و افک، [10] ایضاً بخاری باب الخاتم النساء۔

یعنی کاشانۂ نبوت نے پردگیانِ حرم کو حسنِ اخلاق کے اس رُتبہ تک پہنچا دیا تھا جو انسانیت کی رُوحانی ترقی کی آخری منزل ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کا اخلاق نہایت بلند تھا، وہ نہایت سنجیدہ، فیاض قانع عبادت گزار اور رحم دل تھیں،

عورت اور قناعت پسندی دو متضاد مفہوم ہیں، صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں سب سے زیادہ عورتوں کو دیکھا، وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ شوہروں کی ناشکر گزاری کی وجہ سے، لیکن حضرت عائشہؓ کی ذات میں وہ دونوں مجتمع ہیں، انھوں نے اپنی ازدواجی زندگی جس عسرت اور فقر و فاقہ سے بسر کی، وہ پچھلے صفحوں میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے، لیکن وہ کبھی شکایت کا کوئی حرف زبان پر نہیں لائیں، بیش بہا لباس گراں قیمت زیور، عالی شان عمارت، لذیذ الوانِ نعمت، ان میں سے کوئی چیز شوہر کے ہاں انکو حاصل نہیں ہوئی، اور دیکھ رہی تھیں کہ فتوحات کا خزانہ سیلاب کی طرح ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف نکل جاتا ہے، تاہم کبھی ان کی طلب بلکہ ہوس بھی ان کو دامنگیر نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دفعہ انھوں نے کھانا طلب کیا، پھر فرمایا میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی، کہ مجھے رونا نہ آتا ہو، ان کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ یہ کیوں؟ فرمایا مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا، خدا کی قسم دن میں دو دفعہ کبھی سیر ہو کر آپ نے روٹی اور گوشت نہیں کھانا۔ (ترمذی، زہد)

خدا نے اولاد سے محروم کیا تھا، تو عام مسلمانوں کے بچوں کو اور زیادہ تر یتیموں کو لے کر پرورش کیا کرتی تھیں، ان کی تعلیم و تربیت کرتی تھیں، اور ان کی شادی بیاہ کے فرائض انجام دیتی تھیں[1]۔

خدا نے ان کو کاشانۂ نبوت کی ملکہ بنایا تھا، اس فرض کو وہ نہایت خوبی سے انجام دیتی

[1] دیکھو ذکر اولاد، موطاے امام مالک، کتاب الزکوٰۃ۔

تھیں، عورتیں جب آنحضرتؐ کی خدمت میں کوئی ضرورت لیکر آتیں، اکثر ان کی اعانت اور سفارش حضور میں کیا کرتی تھیں[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور آپ کی مسرت و رضا کے حصول میں شب و روز کوشاں رہتیں، اگر ذرا بھی آپ کے چہرے پر حزن و ملال یا کبیدہ خاطری کا اثر نظر آتا، بیقرار ہو جاتیں[2]، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا اتنا خیال تھا کہ ان کی کوئی بات ٹالتی نہ تھیں، ایک دفعہ عبداللہ بن زبیرؓ سے خفا ہو کر ان سے نہ ملنے کی قسم کھا بیٹھی تھیں، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی لوگوں نے سفارش کی تو انکار کرتے نہ بنا[3]، آپ کے دوستوں کی بھی اتنی عزت کرتی تھیں، اور ان کی کوئی بات بھی رد نہیں کرتی تھیں[4]۔

شوہر کی اطاعت

غیبت اور بدگوئی سے احتراز

وہ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتی تھیں، اُن کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک ہے مگر اس دفتر میں کسی شخص کی توہین یا بدگوئی کا ایک حرف بھی نہیں ہے، سوکنوں کو برا کہنا عورتوں کی خصوصیت ہے مگر اوپر گزر چکا ہے کہ وہ کس کشادہ پیشانی سے اپنی سوکنوں کی خوبیوں کو بیان اور ان کے فضائل و مناقب کا ذکر کرتی ہیں، حضرت حسانؓ جن سے افک کے واقعہ میں حضرت عائشہؓ کو سخت صدمہ پہنچا تھا، ان کی مجلس میں شریک ہوتے اور وہ ان کو بڑی خوشی سے جگہ دیتیں، ایک دفعہ حضرت حسانؓ آئے اور اپنا ایک قصیدہ سنانے لگے، اس کے ایک شعر کا مطلب یہ تھا کہ "وہ بھولی بھالی عورتوں پر تہمت نہیں لگاتی"، حضرت عائشہؓ کو افک کا واقعہ یاد آگیا، اس پر صرف اسی قدر فرمایا لیکن تم ایسے نہیں ہو[5]، بعض عزیزوں نے افک کے واقعہ میں ان کی شرکت کے سبب سے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کو برا کہنا چاہا، تو انھوں نے سختی سے روکا کہ ان کو برا نہ کہو، کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۲۲۶ صحیح بخاری باب شہادت القاذف ص ۳۶۱، [2] مسند جلد ۶ ص ۱۱۷ واقعہ حنا، مسند جلد ۴ ص ۵۸، مسند جلد ۶ ص ۱۳۸، صحیح بخاری باب الجنائز ذکر ماتم جعفر طیارؓ نیز دیکھو "باب مناقب قریش"۔ [3] صحیح بخاری باب مناقب قریش، [4] ایضاً باب اعتصام بالسنۃ، [5] واقعہ افک و تفسیر سورۂ نور۔

کی طرف سے مشرک شاعروں کو جواب دیا کرتے تھے[1]۔

ایک دفعہ ایک شخص کا ذکر چلا، آپ نے اس کو اچھا نہیں کہا، لوگوں نے کہا، ام المومنین! اس کا تو انتقال ہو گیا، یہ سنکر فوراً ہی اس کی مغفرت کی دعا مانگی، سب نے سبب پوچھا کہ ابھی تو آپنے اس کو اچھا نہیں کہا اور ابھی آپ اس کی مغفرت کی دعا مانگتی ہیں، جواب دیا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مُردوں کو بھلائی کے سوا یاد نہ کرو[2]۔

عدم قبول احسان

کسی کا احسان کم قبول کرتی تھیں اور کرتی بھی تھیں تو اس کا معاوضہ ضرور ادا کرتی تھیں فتوحات عراق کے مالِ غنیمت میں موتیوں کی ایک ڈبیہ آئی، عام مسلمانوں کی اجازت سے حضرت عمرؓ نے وہ حضرت عائشہؓ کو نذر بھیجی، حضرت عائشہؓ نے ڈبیہ کھول کر کہا "خدایا! مجھے ابن خطاب کا احسان اُٹھانے کے لیے اب زندہ نہ رکھ[3]" اطراف ملک سے ان کے پاس ہدیے اور تحفے آیا کرتے تھے، حکم تھا کہ ہر تحفہ کا معاوضہ ضرور بھیجا جائے[4]، عبداللہ بن عامر عرب کے ایک رئیس نے کچھ روپئے اور کپڑے بھیجے، ان کو یہ کہکر واپس کر دینا چاہا کہ ہم کسی کی کوئی چیز قبول نہیں کرتے، لیکن پھر آپ کا ایک فرمان یاد آگیا تو واپس لے لیا[5]۔

خودستائی سے پرہیز

اپنے منھ سے اپنی تعریف پسند نہیں کرتی تھیں، مرض الموت میں حضرت ابنِ عباسؓ نے عیادت کے لیے آنا چاہا لیکن وہ سمجھ چکی تھیں کہ وہ آکر میری تعریف کریں گے، اس لیے اجازت دینے میں تامل کیا، لوگوں نے سفارش کی تو منظور کیا، اتفاق یہ کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے آکر واقعتاً تعریف شروع کی، سُنکر بولیں، کاش میں پیدا نہ ہوئی ہوتی[6]۔

خودداری

اس عجز و خاکساری کے باوجود وہ خوددار بھی تھیں، کبھی کبھی یہ خودداری دوسروں کے مقابلے میں تنک مزاجی کی حد تک پہنچ جاتی، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں وہ نازِ محبوبانہ بن جاتی، یاد ہوگا، واقعۂ افک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برأت کی

---

[1] ایضاً مناقب حسانؓ، [2] طیالسی مسند عائشہؓ، [3] مستدرک حاکم، [4] ادب المفرد بخاری باب الکتابت الی النساء، [5] مسند جلد ۶ ص ۷۷، [6] صحیح بخاری و مستدرک و مسند احمد، [7] ایضاً صحیح بخاری واقعۂ افک

آیتیں پڑھ کر سنائیں، اور ماں نے کہا بیٹی شوہر کا شکریہ ادا کرو، بولیں "میں صرف اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کروں گی، جس نے مجھ کو پاکدامنی وطہارت کی عزت بخشی"[1] یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خفا ہوتیں تو آپ کا نام لیکر قسم کھانا چھوڑ دیتیں، یہ سب محبوبانہ انداز ہیں، جن کو اس نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ میاں بیوی کے درمیان کے معاملات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اکثر اپنی خالہ کی خدمت کیا کرتے تھے اور وہ فیاض طبعی سے اس کو ہمیشہ ادھر ادھر دیدیا کرتی تھیں، ابن زبیرؓ نے تنگ آکر کہا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا ضروری ہے حضرت عائشہؓ کو یہ معلوم ہوا تو قسم کھالی کہ اب بھانجے کی کوئی چیز نہ چھوؤں گی، لوگوں نے بڑی بڑی سفارشیں کیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ کو درمیان میں ڈالا تب جاکر صاف ہوئیں[2]

عام خوددار انسانوں سے انصاف پسندی کا ظہور کم ہوتا ہے لیکن پروردگانِ تربیت نبوی کے کمالِ اخلاق ہی کی توقع رکھی جاسکتی ہے، جس کی بڑی مثال باہم متضاد اخلاقی انواع میں تطبیق ہے، حضرت صدیقہؓ کمالِ خودداری کے ساتھ انصاف پسند بھی تھیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ مصر کے ایک صاحب ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے دریافت فرمایا کہ تمھارے ملک کے موجودہ حاکم ووالی کا رویہ میدانِ جنگ میں کیا رہتا ہے جواب میں عرض کیا کہ ہم کو اعتراض کے قابل کوئی بات نظر نہیں آئی، کسی کا اونٹ مرجاتا ہے تو دوسرا اونٹ دیتے ہیں اور خادم نہ رہے تو خادم دیتے ہیں، خرچ کی ضرورت پڑتی ہے تو خرچ بھی دیتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ انھوں نے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھ جو بھی بدسلوکی کی ہو، تاہم ان کی بدسلوکی مجھے تم کو یہ بتانے سے باز نہیں رکھ سکتی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اسی گھر کے اندر یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! جو میری امت کا والی ہو، اگر وہ امت پر سختی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ سختی کرنا، اور جو نرمی کرے، اس کے ساتھ نرمی فرمانا[3]۔

---

[1] ایضاً صحیح بخاری واقعۂ افک، [2] صحیح بخاری مناقب قریش، [3] صحیح مسلم باب فضیلۃ الامام العادل۔

دلیری — نہایت شجاع اور دلیر تھیں، راتوں کو تنہا اٹھ کر قبرستان چلی جاتی تھیں[1] میدان جنگ میں آکر کھڑی ہو جاتی تھیں، غزوہ احد میں جب مسلمانوں میں اضطراب برپا تھا، اپنی پیٹھ پر مشک لادلاد کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں[2]، غزوۂ خندق میں جب چاروں طرف سے مشرکین محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے اور شہر کے اندر یہودیوں کے حملہ کا خوف تھا، وہ بحفظ قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کا نقشۂ جنگ معائنہ کرتی تھیں[3]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائیوں میں بھی شرکت کی اجازت چاہی تھی، لیکن نہ ملی[4]۔ جنگِ جمل میں وہ جس شان سے فوجوں کو لائیں، وہ بھی ان کی طبعی شجاعت کا ثبوت ہے۔

فیاضی — حضرت عائشہ رضؓ کے اخلاق کا سب سے ممتاز جوہر ان کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھی دونوں بہنیں حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت اسماء رضؓ نہایت کریم النفس اور فیاض تھیں، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضؓ کہتے ہیں کہ ان دونوں سے زیادہ سخی اور صاحب کرم میں نے کسی کو نہیں دیکھا، فرق یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضؓ ذرا ذرا جوڑ کر جمع کرتی تھیں، جب کچھ رقم اکٹھی ہو جاتی تھی، بانٹ دیتی تھیں، اور حضرت اسماء رضؓ کا یہ حال تھا کہ جو کچھ پاتی تھیں، اس کو اٹھا نہیں رکھتی تھیں[5]، اکثر مقروض رہتی تھیں اور ادھر ادھر سے قرض لیا کرتی تھیں، لوگ عرض کرنے لگے کہ آپ کو قرض کی کیا ضرورت ہے، فرماتیں کہ جس کی قرض ادا کرنے کی نیت ہوتی ہے، خدا اس کی اعانت فرماتا ہے، میں اس کی اسی اعانت کو ڈھونڈھتی ہوں[6]۔

خیرات میں تھوڑے بہت کا لحاظ نہ کرتیں، جو موجود ہوتا سائل کی نذر کر دیتیں۔

ایک دفعہ ایک سائلہ آئی جس کی گود میں دو ننھے ننھے بچّے تھے، اتفاق سے اس وقت گھر میں کچھ نہ تھا، صرف ایک چھوہارا تھا، اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر سے تشریف لائے تو ماجرا عرض کیا[7]۔ ایک دفعہ سائل آیا سامنے کچھ انگور

---

[1] صحیح بخاری و دیگر کتب صحاح باب زیارۃ القبور، [2] صحیح بخاری ذکر احد، [3] مسند جلد ۶ ص ۹۹، [4] صحیح بخاری باب حج النساء، [5] ادب المفرد امام بخاری باب سخاوۃ النفس، [6] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۹، [7] ادب المفرد بخاری من یعول یتیما۔

کے دانے پڑے تھے، ایک دانہ اٹھا کر اُس کے حوالہ کیا، اس نے دانہ کو حیرت سے دیکھا کہ ایک دانہ بھی کوئی دیتا ہے، یہ دیکھو کہ اس میں کتنے ذرّے ہیں[1] یہ اسکی طرف اشارہ تھا،

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۔ جس نے ایک ذرہ بھر بھی نیکی کی، وہ اس کو دیکھے گا۔ (زلزال)

حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے ان کے سامنے پوری ستر ہزار کی رقم خدا کی راہ میں دیدی اور دوپٹہ[2] کا گوشہ جھاڑ دیا[3]۔

امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ درہم بھیجے، شام ہوتے ہوتے ایک حبہ بھی پاس نہ رکھا، سب محتاجوں کو دے دلا دیا، اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا، لونڈی نے عرض کی افطار کے سامان کے لیے تو کچھ رکھنا تھا، فرمایا کہ تم نے یاد دلا ہوتا[3]۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے، حضرت ابن زبیرؓ نے ایک دفعہ دو بڑی تھیلیوں میں ایک لاکھ کی رقم بھیجی، انھوں نے ایک طبق میں یہ رقم رکھ لی اور اس کو بانٹنا شروع کیا، اور اس دن بھی روزہ سے تھیں، شام ہوئی تو لونڈی سے افطار لانے کو کہا، اس نے عرض کی یا امّ المومنین اس رقم سے ذرا سا گوشت افطار کے لیے نہیں منگوا سکتی تھیں، فرمایا، اب ملامت نہ کرو تم نے اس وقت کیوں یاد نہیں دلایا[4]۔

ایک دفعہ اور اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، روزے سے تھیں، گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا، اتنے میں ایک سائلہ نے آواز دی، لونڈی کو حکم دیا کہ وہ ایک روٹی بھی اس کی نذر کر دو، عرض کی کہ شام کو افطار کس چیز سے کیجئے گا، فرمایا یہ تو دیدو، شام ہوئی تو کسی نے بکری کا سالن ہدیۃً بھیجا، لونڈی سے کہا دیکھو یہ تمھاری روٹی سے بہتر چیز خدا نے بھیج دی[5]، اپنے رہنے کا مکان امیر معاویہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا قیمت جو آئی وہ سب راہِ خدا میں صرف دی[6]۔

---

[1] موطائے امام مالک باب الترغیب فی الصدقہ، [2] طبقات ابن سعد جزء نساء ص ۴۵، [3] مستدرک حاکم، [4] ابن سعد جزء نساء ص ۴۶، [5] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ، [6] ابن سعد ذکر حجرات امہات المومنین۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہ بھانجے تھے، اور خالہ کی نظر میں سب سے زیادہ چہیتے تھے، وہ زیادہ تر خدمت کیا کرتے تھے، لیکن اس فیّاضی کو دیکھتے دیکھتے وہ بھی گھبرا گئے، کہیں ان کے مُنہ سے نکل گیا کہ اب انکا ہاتھ روکنا چاہیئے، خالہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے قسم کھائی کہ اب کبھی ابن زبیرؓ سے بات نہیں کروں گی، وہ میرا ہاتھ روکے گا، حضرت ابن زبیرؓ مدّت تک معتوب رہے اور آخر بڑی مشکل سے ان کو معاف فرمایا[1]۔

خشیت الٰہی و رقیق القلبی

دل میں خوف اور خشیتِ الٰہی تھی، رقیق القلب بھی بہت تھیں، بہت جلد رونے لگتی تھیں، حجۃ الوداع کے موقع پر جب نسوانی مجبوری سے حج کے بعض فرائض کے ادا کرنے سے معذوری پیش آگئی، تو اپنی محرومی پر بے اختیار رونے لگیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشفی دی تو قرار آیا[2]۔ ایک دفعہ دجّال کا خیال کر کے اس قدر رقت طاری ہوئی کہ رونے لگیں[3]۔ جنگ جمل کی شرکت کا واقعہ یاد آجاتا تو پھوٹ پھوٹ کر روتیں[4]۔ مرض الموت میں بعض اجتہادی غلطیوں پر اس درجہ ندامت ہوتی کہ فرماتی تھیں کہ کاش میں نیستؔ نابود ہوگئی ہوتی[5]۔

ایک دفعہ کسی بات پر قسم کھالی تھی، پھر لوگوں کے اصرار پر ان کو اپنی قسم توڑنی پڑی، اور گو اس کے کفّارے میں چالیس غلام آزاد کیئے، تاہم اُن کے دل پر اتنا گہرا اثر تھا کہ جب یاد کرتیں تو روتے روتے آنچل تر ہوجاتا (بخاری باب الہجرت) واقعۂ افک میں تم پڑھ چکے ہو کہ جب منافقین کی اس تہمت کا حال ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں، والدین لاکھ تشفی دیتے تھے، لیکن اُن کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک سائلہ ان کے دروازہ پر آئی، دو ننھّے ننھّے بچّے اسکے ساتھ تھے، اس وقت گھر میں کچھ اور نہ تھا، تین کھجوریں اس کو دلوادیں، سائلہ نے ایک ایک کھجور ان بچّوں کو دی اور ایک اپنے منہ میں ڈال لی، بچّوں نے اپنا اپنا حصّہ کھا کر حسرت سے اپنی ماں کی طرف دیکھا

---

[1] صحیح بخاری باب مناقب قریش۔ [2] صحیح بخاری کتاب الحج ص ۲۴۰۔ [3] مسند احمد جلد ۶ ص ۷۵، [4] ابن سعد جزء ۸ ص ۵۶ لائیڈن۔ [5] ایضاً ص ۵۱،

ماں نے اپنے منہ سے کھجور نکال کر آدھی آدھی دونوں میں بانٹ دی، اور خود نہیں کھائی، ماں کی محبت کا یہ حسرتناک منظر اور اس کی یہ بیکسی دیکھ کر بیتاب ہوگئیں، اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسوؤں جاری ہو گئے[1]۔

عبادت الٰہی عبادتِ الٰہی میں اکثر مصروف رہتیں، چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اُٹھ کر آئے اور مجھ کو منع کرے تو میں باز نہ آؤں[2]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتی تھیں[3]، آپ کی وفات کے بعد بھی اس کی اس قدر پابند تھیں کہ اگر اتفاق سے آنکھ لگ جاتی، اور وقت پر نہ اُٹھ سکتیں، تو سویرے اٹھکر نماز فجر سے پہلے تہجد ادا کر لیتیں، ایک دفعہ اسی موقع پر ان کے بھتیجے قاسم پہنچ گئے تو انھوں نے دریافت کیا کہ پھوپھی جان یہ کیسی نماز ہے؟ فرمایا میں رات کو نہیں پڑھ سکی اور اب اسکو چھوڑ نہیں سکتی ہوں[4]، رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں، ذکوان نام کا ایک خواندہ غلام تھا، وہ امام ہوتا تھا، سامنے قرآن رکھکر پڑھتا تھا، یہ مقتدی ہوتیں[5]۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں، اور بعض روایتوں میں ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں[6]، ایک دفعہ گرمی کے دنوں میں عرفہ کے روز روزے سے تھیں، گرمی اور تپش اس قدر شدید تھی کہ سر پر پانی کے چھینٹے دیئے جاتے تھے، عبد الرحمٰن آپکے بھائی نے کہا کہ اس گرمی میں روزہ کچھ ضرور نہیں، افطار کر لیجیے، فرمایا کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنا سال بھر کے گناہ معاف کرا دیتا ہے، تو میں روزہ توڑ دوں گی[7]۔ حج کی شدت سے پابند تھیں، کوئی ایسا سال بہت کم گزرتا تھا جس میں وہ حج نہ کرتی ہوں[8]، حضرت عمرؓ نے اپنے اخیر زمانے میں حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو

---

[1] مستدرک حاکم، طیالسی ص ۲۰۶، [2] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۳۸، [3] ایضاً جلد ۶ ص ۹۲۔

[4] دور قطنی کتاب الصلوٰۃ، [5] موطا و بخاری باب قیام رمضان، [6] ابن سعد جزء نساص ۴۷،

[7] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۸، [8] صحیح بخاری باب حج نساء۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حج کے سفر میں روانہ کیا تھا[1]، حج میں ان کے ٹھیرنے کے مقامات مقرر تھے، پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت کے خیال سے میدانِ عرفہ کی آخری سرحد نمرہ میں اُترا کرتی تھیں، جب یہاں لوگوں کا ہجوم ہونے لگا تو وہاں سے ذرا ہٹ کر اراک میں اپنا خیمہ کھڑا کراتی تھیں، کبھی کوہِ ثبیر کے دامن میں آکر ٹھیرتی تھیں، جب تک یہاں قیام رہتا، وہ خود اور جو لوگ ان کے ساتھ رہتے تکبیر پڑھا کرتے، جب یہاں سے چل کھڑی ہوتیں تو تکبیر موقوف کرتیں، پہلے یہ دستور تھا کہ حج کے بعد ذی حجہ ہی کے مہینہ میں عمرہ ادا کرتی تھیں، بعد کو اس میں ترمیم کی، ماہِ محرم سے پہلے وہ جحفہ میں جاکر ٹھیر جاتی تھیں، محرم کا چاند دیکھ کر عمرہ کی نیت کرتیں[2]۔ عرفہ کے دن روزے سے ہوتیں، شام کو جب سب لوگ یہاں سے روانہ ہوجاتے افطار کرتیں[3]۔

منہیات کی چھوٹی چھوٹی باتوں تک سے بھی پرہیز کرتی تھیں، راستہ میں اگر کبھی ہوتیں اور گھنٹے کی آواز آتی تو ٹھیر جاتیں کہ کان میں اُس کی آواز نہ آئے[4]، ان کے ایک گھر میں کرایہ دار تھے، یہ شطرنج کھیلا کرتے تھے ان کو کہلا بھیجا کہ اگر اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو گھر سے نکلوا دوں گی[5]۔

ایک دفعہ گھر میں ایک سانپ نکلا، اس کو مار ڈالا، کسی نے کہا آپ نے غلطی کی، ممکن ہے کہ یہ کوئی مسلمان جن ہو، فرمایا اگر یہ مسلمان ہوتا تو امہات المومنین کے حجروں میں نہ در آتا، اس نے کہا آپ ستر پوشی کی حالت میں تھیں، جب وہ آیا، یہ سُنکر متاثر ہوئیں، اور اسکے فدیہ میں ایک غلام آزاد کیا[6]۔

---

[1] صحیح بخاری باب حج النسا، [2] یہ پوری تفصیل موطا باب قطع التلبیہ میں ہے کہ کوہِ ثبیر میں قیام کا واقعہ صحیح بخاری باب طواف النساء میں ہے، [3] موطا امام مالک صیام یوم عرفہ، [4] مسند جلد ۶ ص ۱۵۲، [5] ادب المفرد امام بخاری باب الادب ص ۲۳۲، [6] مسند جلد ۶ ۔

غلاموں پر شفقت

صرف ایک قسم کے کفارہ میں ایک دفعہ انھوں نے چالیس غلام آزاد کیے،[1] آپ کے کل آزاد کیے ہوئے غلاموں کی تعداد ۶۷ تھی،[2] تمیم کے قبیلہ کی ایک لونڈی انکے پاس تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا کہ یہ قبیلہ بھی حضرت سماعیلؑ ہی کی اولاد میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اس کو آزاد کر دیا (بخاری کتاب العتق) بریرہ نام مدینہ میں ایک لونڈی تھیں ان کے مالکوں نے ان کو مکاتب کیا تھا یعنی کہدیا تھا کہ اگر تم اتنی رقم جمع کر دو تو آزاد ہو، اس رقم کے لیے انھوں نے لوگوں سے چندہ مانگا۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو پوری رقم اپنی طرف سے ادا کر کے اُن کو آزاد کر دیا،[3] ایک دفعہ بیمار پڑیں، لوگوں نے کہا کسی نے ٹوٹکا کیا ہے، انھوں نے ایک لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ کیا تو نے ٹوٹکا کیا ہے، اس نے اقرار کیا، پوچھا کیوں؟ بولی تاکہ آپ جلد مرجائیں تو میں جلدی چھوٹوں، حکم دیا کہ اس کو کسی شریر کے ہاتھ بیچ ڈالو، اور اس کی قیمت سے دوسرا غلام خرید کر کے آزاد کر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[4] گویا ایک قسم کی سزا تھی، لیکن کتنی عجیب!

فقرا کی حسب حیثیت اعانت

فقرا اور اہلِ حاجت کی اعانت ان کے حسب حیثیت کرنا چاہیے، اگر کسی نیچے طبقے کا آدمی تمھارے پاس آتا ہے تو اس کی حاجت برآری ہی اس کے درد کی سزا ہی لیکن اگر اس سے بلند درجہ کا آدمی ہے تو وہ اس کے ساتھ کسی قدر عزت و تعظیم کا بھی مستحق ہی حضرت عائشہؓ اس نکتہ کو ہمیشہ مدنظر رکھتی تھیں، ایک دفعہ ایک معمولی سائل آیا، اس کو روٹی کا ٹکڑا دیدیا، وہ چل دیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا جو کپڑے ویڑے پہنے تھا اور کسی قدر عزت دار معلوم ہوتا تھا، اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور پھر رخصت کیا، لوگوں نے عرض کی کہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ دو قسم کے برتاؤ کیوں کیے گئے۔ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی کہ لوگوں

---

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ، [2] شرح بلوغ المرام امیر اسماعیل کتاب العتق، [3] صحیح بخاری و مسلم و مسند احمد وغیرہ [4] یہ حدیث دارقطنی موطا امام مالک (من روایۃ القعنبی) موطا امام محمد باب العتق، مستدرک حاکم (کتاب الطب) میں ہے کہ لونڈی کو سزا خلافِ شریعت امر کے ارتکاب پر دی۔

کے ساتھ ان کے حسب حیثیت برتاؤ کرنا چاہیئے۔[1]

پردہ کا اہتمام

پردہ کا بہت خیال رکھتی تھیں، آیت حجاب کے بعد تو یہ تاکیدی فرض ہو گیا تھا۔[2] جن ہونہار طالب علموں کا اپنے یہاں بے روک ٹوک آجانا اور رکھنا چاہتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص حدیث کے مطابق اپنی کسی بہن یا بھانجی سے انکو دودھ پلوادیتی تھیں[3]، اور اس طرح ان کی رضاعی خالہ یا نانی بنجاتی تھیں[4]، اور ان سے پردہ نہیں ہوتا ورنہ ہمیشہ طالب علموں کے اور ان کے درمیان پردہ پڑا رہتا تھا۔[5] ایک دفعہ حج کے موقع پر چند بی بیوں نے عرض کی کہ ام المومنین چلیئے، حجر اسود کو بوسہ دے لیں، فرمایا تم جاسکتی ہو، میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جاسکتی۔[6] کبھی دن کو طواف کا موقع پیش آتا، تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرالیا جاتا تھا[7]، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی حالت میں بھی چہرہ پر نقاب پڑی رہتی تھی[8] ایک غلام کو مکاتب کیا تھا اس سے کہا کہ جب تمھارا زرِ فدیہ اتنا ادا ہو جائے، تو میں تمھارے سامنے نہیں آسکتی[9]۔ اسحاق تابعی نابینا تھے، وہ خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہ رض نے ان سے پردہ کیا، وہ بولے کہ مجھ سے کیا پردہ، میں تو آپ کو دیکھتا نہیں، فرمایا تم مجھے نہیں دیکھتے تو میں تم کو دیکھتی ہوں[9]، مردوں سے شریعت میں پردہ نہیں، لیکن ان کا کمال احتیاط دیکھئے کہ وہ اپنے حجرہ میں حضرت عمر رض کے دفن ہونے کے بعد بے پردہ نہیں جاتی تھیں۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، [2] صحیح بخاری ذکر افک [3] صحیح مسلم کتاب الرضاعہ و مسند جلد ۶ ص ۲۷۱

[4] اس اجتہادی مسئلہ میں حضرت عائشہ رض تنہا ہیں، دوسری امہات المومنین کا یہ عمل نہ تھا حضرت عائشہ رض کا یہ اجتہادی مسئلہ ایک حدیث پر مبنی ہے جس کی تفصیل آیندہ فقہ کے اختلافی مسائل کے ایک حاشیہ میں آئے گی، [5] صحیح کتاب الحج طواف النساء وغیرہ۔ [6] ایضاً۔ [7] مسند جلد ۶ ص ۱۱۷

[8] اخبار مکہ للازرقی جلد دوم ص ۱۰، مکہ معظمہ۔

[9] مسند جلد ۶ ص ۸۵؛ [9] ابن سعد جز نساء ص ۴۷۔

مناقب

صحیح مسلم کتاب الفضائل میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

انا تارك فيكم الثقلين اولهما	میں تمھارے درمیان دو عظیم الشان
كتابُ اللهِ...... واهل بيتي	چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، ایک اللہ کی
	کتاب اور دوسری اہلِ بیت۔

مقصد یہ ہے کہ کتاب الٰہی گو اپنی سہولتِ بیان کے لحاظ سے ہر عملی مثال سے بے نیاز ہے، تاہم دنیا میں ہمیشہ ایسے اشخاص کی ضرورت رہے گی، جو اس کے اسرار و رموز کو حل کر سکیں اور انکی علمی و عملی تعبیر بتا سکیں، آپ کے بعد ان اشخاص کو آپ کے اہلِ بیت میں تلاش کرنا چاہیئے اہلِ بیت سے جو مقصود ہے، خدائے پاک سورۂ احزاب کی آیتوں میں جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں، بتا چکا ہے۔

اس قدر شناسی کے لحاظ سے جو آپ حضرت عائشہ رضؓ کے بابت فرماتے تھے اس صحبت و تعلیم کی بنا پر جو ان کو میسر آئی تھی اور اس فطری جوہر اور صلاحیت کے لحاظ سے جو قدرتِ کاملہ نے ان کو عطا کی تھی اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ اہلِ بیت نبویؐ میں حضرت عائشہ کو خاص مرتبہ حاصل تھا، اس بنا پر کتاب اللہ کا ترجمان، سنّتِ رسول کا معبّر اور احکام اسلامی کا معلم ان سے بہتر کون ہو سکتا تھا اور لوگ پیغمبر کو صرف جلوت میں دیکھتے تھے، اور یہ خلوت و جلوت دونوں میں دیکھتی تھیں اسی بنا پر وحی کی زبان مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى نے فیصلہ کیا۔

فضل عائشة على النساء كفضل	عائشہ رضؓ کو عام عورتوں پر اسی طرح
الثريد على سائر الطعام[1]	فضیلت ہے جس طرح ثرید کے کھانے
	کو عام کھانوں پر۔

[1] صحیح بخاری و ترمذی وغیرہ، مناقب عائشہ رضؓ

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رویائے صادقہ نے ان کو حرم نبوی میں ہونیکی خوشخبری سنائی[1]، حضرت عائشہ رضؓ کے بستر کے سوا کسی دوسری ام المومنین کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوئی[2]، جبریل امین نے اُن کے آستانہ پر اپنا سلام بھیجا[3]، دوبارہ ناموس اکبر کو ان مادّی آنکھوں سے دیکھا[4]، عالمِ ملکوت کی صدائے بے جہت نے ان کی عفت و عصمت پر شہادت دی، نبوت کے الہام صادق نے ان کو آخرت میں پیغمبر کی چہیتی بیویوں میں ہونے کی بشارت[5] سنائی۔

حضرت عائشہ رضؓ فرمایا کرتی تھیں کہ میں فخر نہیں کرتی، بلکہ بطور واقعہ کے کہتی ہوں کہ خدا نے مجھ کو نو باتیں ایسی عطا کی ہیں جو دنیا میں میرے سوا کسی اور کو نہیں ملیں، خواب میں فرشتے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میری صورت پیش کی، جب میں سات برس کی تھی، تو آپ نے مجھ سے نکاح کیا، جب میرا سن نو برس کا ہوا تو رخصتی ہوئی، میرے سوا کوئی اور کنواری بیوی آپ کی خدمت میں نہ تھی، آپ جب میرے بستر پر ہوتے، تب بھی وحی آتی تھی، میں آپ کی محبوب ترین بیوی تھی، میری شان میں قرآن کی آیتیں اُتریں، میں نے جبریل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، آپ نے میرے ہی گود میں سر رکھے ہوئے وفات پائی[6]

فضل وکمال

علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضؓ کو نہ صرف عام عورتوں پر، نہ صرف امہات المومنین رضؓ پر نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر، بلکہ چند بزرگوں کو چھوڑ کر تمام صحابہ پر فوقیتِ عام حاصل تھی، صحیح ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ سے روایت ہے:

---

[1] حوالۂ مذکور، [2] صحیح بخاری مناقب عائشہ رضؓ، [3] ایضاً۔ [4] صحیح بخاری مناقب عائشہ رضؓ، [5] صحیح بخاری، مناقب عائشہ رضؓ۔ [6] مستدرک للحاکم والطبقات لابن سعد

مَا اَشْکَلَ عَلَیْنَا اَصْحَابَ	ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی
مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے عائشہ رضؓ
حَدِیث قط فسألنا عَائِشَۃَ	سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے
اِلَّا وَجَدنَا عِندھا منہ عِلماً[1]	متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں

عطا بن ابی الرباح تابعی جن کو متعدد صحابہ کے تلمذ کا شرف حاصل تھا کہتے ہیں۔

کانت عائشۃ افقہ	حضرت عائشہ رضؓ سب سے زیادہ فقیہ، سب سے
الناس واعلم الناس واحسن	زیادہ صاحب علم، اور عوام میں سب سے
الناس رایا فی العامۃ[2]	زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔

امام زہری جو تابعین کے پیشوا تھے، جنھوں نے بڑے بڑے صحابہ کے آغوش میں تربیت پائی تھی، کہتے ہیں۔

کانت عائشۃ اعلم النّاس	حضرت عائشہ رضؓ تمام لوگوں میں سب سے
یسئلھا الاکابر اصحاب	زیادہ عالم تھیں، بڑے بڑے صحابہ رضؓ
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم[3]	ان سے پوچھا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے صاحبزادے ابوسلمہ کہ وہ بھی جلیل القدر تابعی تھے کہتے ہیں۔

ما رایت احدًا اعلم	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں
بسنن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم	کا جاننے والا اور رائے میں اگر اس کی
ولا افقہ فی رای ان احتیج	ضرورت پڑے، ان سے زیادہ فقیہ
الی رایہ ولا اعلم بآیۃ	اور آیتوں کے شان نزول، اور فرائض
فیما نزلت ولا فریضۃ	کے مسئلہ کا واقف کار حضرت عائشہ رضؓ
عائشۃ[4]۔	سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

---

[1] جامع ترمذی مناقب عائشہ رضؓ۔ [2] مستدرک حاکم، [3] طبقات ابن سعد جز ثانی قسم ثانی ص ۲۶، [4] مسند مذکور

ایک دن امیر معاویہؓ نے ایک درباری سے پوچھا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟
اس نے کہا "امیر المومنین آپ ہیں"۔ انھوں نے کہا، نہیں، میں قسم دیتا ہوں سچ سچ بتاؤ
اس نے کہا "اگر یہ ہے تو عائشہؓ"۔[۱]

حواریٔ رسولؐ کے لختِ جگر عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے۔

ما رایت احداً اعلم بالحلال	میں نے حلال و حرام و علم و شاعری
والحرام، والعلم والشعر والطب	اور طب میں ام المومنین عائشہؓ سے
من عائشۃ ام المومنین[۲]	بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ اس طرح ہیں۔

ما رایت احداً اعلم بالقرآن	قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ،
ولا بفریضۃ ولا بحلال ولا بفقہ	شاعری، طب، عرب کی تاریخ،
ولا بشعر ولا بطب ولا بحدیث	اور نسب کا حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر
العرب ولا نسب من عائشۃ[۳]	عالم کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک شخص نے مسروق تابعی سے جو تمام تر حضرت عائشہؓ کے تربیت یافتہ تھے،
دریافت کیا کہ کیا ام المومنین فرائض کا فن جانتی ہیں؟ جواب دیا۔

ای والذی نفسی بیدہ لقد رایت	خدا کی قسم میں نے بڑے بڑے صحابہ کو
مشیخۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ	ان سے فرائض کے مسئلے دریافت
علیہ وسلم یسئلونھا عن الفرائض[۴]	کرتے دیکھا ہے۔

حفظِ حدیث اور سننِ نبویؐ کی اشاعت کا فرض کو دیگر ازواجِ مطہراتؓ بھی ادا کرتی تھیں
تاہم حضرت عائشہؓ کے رتبہ کو ان میں سے کوئی بھی نہیں پہنچیں، محمود بن لبید کا بیان ہے۔

---

[۱] مستدرک حاکم، [۲] ایضاً، [۳] زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۷ بحوالہ حاکم وطبرانی بہ سند صحیح
[۴] مستدرک حاکم و ابن سعد جزء ثانی ص ۱۲۶۔

کان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحفظن من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ولا مثلاً لعائشۃ وام سلمۃ[1] -

ازواج مطہرات بہت سی حدیثیں زبانی یاد رکھتی تھیں، لیکن حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ام سلمہ رضؓ کے برابر نہیں -

امام زہری کی شہادت ہے -

لو جمع علم الناس کلھم وعلم ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانت عائشۃ اوسعھم علما[2] -

اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو حضرت عائشہ رضؓ کا علم ان میں سب سے وسیع ہوتا -

بعض محدثین نے حضرت عائشہ رضؓ کے فضائل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا -

خذوا شطر دینکم عن حمیراء

اپنے مذہب کا ایک حصہ اس گوری عورت سے سیکھو -

اس حدیث کو ابن اثیر نہایہ میں اور فردوس اپنی مسند میں (بتغیر الفاظ) لائے ہیں لیکن لفظاً اس کی سند ثابت نہیں اور اس کا شمار موضوعات میں ہے[3]، تاہم معنیً اس کے صحیح ہونے میں کس کو شک ہے -

علم واجتہاد

یہ حضرت عائشہ رضؓ کی سیرت کا وہ باب ہے جہاں وہ نہ صرف عورتوں میں بلکہ مردوں میں بھی علانیہ ممتاز نظر آتی ہیں، کتاب وسنت اور فقہ واحکام میں اُن کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ بے تکلف ان کا نام لیا جاسکتا ہے، اہمیت کے لحاظ سے ہم کتاب اللہ سے اس باب کا

---

[1] ابن سعد قسم دوم جزء ثانی ص ۱۲۶ - [2] مستدرک حاکم - [3] موضوعات شوکانی - ص ۱۳۵ خاتمہ مجمع البحار ص ۵۱۴، مقاصد حسنہ ص ۹۴ وغیرہ -

آغاز کرتے ہیں۔

قرآن مجید

سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید تئیس سال کے اندر نازل ہوا ہے، حضرت عائشہؓ نبوت یا نزول قرآن کے چودھویں سال ۹ برس کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئیں اس لیے ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا زمانہ تقریباً دس سال ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ نزول قرآن کا نصف سے زیادہ حصہ ان کے ابتدائے ہوش سے پہلے کا واقعہ ہے لیکن اس غیر معمولی دل ودماغ کی ہستی نے اس زمانہ کو بھی جو عموماً طفلانہ بیخبری اور لہو ولعب کا عہد ہے، رائگاں نہیں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ بلاناغہ حضرت صدیقؓ کے گھر تشریف لاتے تھے[1]، حضرت صدیقؓ نے اپنے گھر میں ایک مسجد بنالی تھی، اس میں بیٹھ کر نہایت رقت اور خشوع کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے[2]۔ ناممکن ہے کہ ان موقعوں سے حضرت عائشہؓ کے فوق الفطرۃ حافظہ نے فائدہ نہ اٹھایا ہو، فرماتی تھیں کہ جب یہ آیت اُتری تھی،

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ، (قمر-۳)

بلکہ قیامت کا روز ان کے وعدہ کا دن ہے، وہ گھڑی نہایت سخت اور نہایت تلخ ہوگی۔

تو میں کھیل رہی تھی[3]۔

حضرت عائشہؓ کو تیرہ چودہ برس کے سن تک (۵ھ تک) قرآن زیادہ یاد نہ تھا خود اس کا اقرار کرتی ہیں۔

وَأَنَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ لَا أَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ كَثِيرًا[4]،

میں اُس وقت کمسن تھی زیادہ قرآن پڑھی ہوئی نہیں تھی۔

---

[1] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] صحیح بخاری باب ہجرۃ، [3] صحیح بخاری تفسیر سورہ قمر۔
[4] بخاری واقعہ افک۔

لیکن اس عالم میں بھی وہ قرآن ہی کا حوالہ دیتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآن تحریراً کتاب میں مدون نہ تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد میں ان کو کاغذ پر مرتب کرایا، اسی اثنا میں اور دیگر صحابہ نے بھی اپنے اپنے طور پر روزانہ تلاوت کے لیے قرآن ترتیب دے لیا تھا، ان میں صرف سورتوں کے تقدم و تاخر کا اختلاف تھا۔

ابو یونس حضرت عائشہؓ کے ایک غلام[1] تھے، کتابت کے فن سے واقف تھے حضرت عائشہؓ نے ان کے ہات سے اپنے لیے قرآن لکھوایا تھا[2]، اختلاف قرأت کا اثر عجم کے میل جول سے عراق میں سب سے زیادہ تھا، عراق کے ایک صاحب ان سے ملنے آئے تو درخواست کی کہ ام المومنین! مجھے اپنا قرآن دکھائیے[3]، وجہ دریافت کی تو کہا ہمارے ہاں قرآن اب تک لوگ بے ترتیب پڑھتے ہیں، چاہتا ہوں کہ اپنے قرآن کی ترتیب آپ ہی کے قرآن کے مطابق کردوں، فرمایا کہ سورتوں کے آگے پیچھے ہونے میں کوئی نقصان نہیں، پھر اپنا قرآن نکال کر ہر سورہ کی سر آیات پڑھ کر لکھوا دیں[4]۔

عادت یہ تھی کہ جس آیت کریمہ کا مطلب سمجھ میں نہ آتا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیتیں، چنانچہ صحیح حدیثوں میں متعدد آیتوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سوال[5] مذکور ہے، امہات المومنین کو خدا کی طرف سے حکم تھا۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ	تمھارے گھروں میں خدا کی جو آیتیں
مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ	اور حکمت کی جو باتیں پڑھ کر سنائی
(احزاب، ۴)	جارہی ہیں، ان کو یاد کیا کرو۔

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۷۳۔ [2] صحیح بخاری تفسیر صلوٰۃ الوسطیٰ و مسند جلد ۶ ص ۷۳۔

[3] صحیح بخاری باب جمع القرآن [4] بخاری باب تالیف قرآن

[5] دیکھو باب تربیت و تعلیم

اس حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں نہایت غور و فکر اور خشوع وخضوع سے تلاوت فرماتے، حضرت عائشہ رضؓ ان نمازوں میں آپ کے پیچھے ہوتیں[1]، قرآن کا نزول حضرت عائشہ رضؓ کے سوا کسی اور بیوی کے بستر پر نہیں ہوا[2]۔ قرآن اترتا تو پہلی آواز انہی کے کانوں میں پڑتی۔ فرماتی ہیں کہ سورہ بقرہ اور سورہ نسا، جب اتریں تو میں آپ کے پاس تھی[3]۔ غرض یہ اسباب و مواقع ایسے تھے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی طرز قرأت، محل معنوی، موقع استدلال اور طریقہ استنباط پر عبور کامل حاصل ہو گیا تھا۔ وہ مسئلہ کے جواب کے لیے پہلے عموماً قرآن پاک کی طرف رجوع کرتی تھیں، عقائد و فقہ و احکام کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و سوانح کو بھی جو ان کے سامنے کی چیزیں تھیں اور جن کا تعلق تاریخ و خبر سے ہے، وہ قرآن پاک ہی کے حوالہ کرتی تھیں، ایک دفعہ چند صاحب زیارت کو آئے، عرض کیا کہ ام المومنین! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اخلاق بیان فرمائیے، بولیں، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے، آپ کا اخلاق سر تا پا قرآن تھا، پھر دریافت کیا کہ آپ کی عبادت شبانہ کا کیا طریقہ تھا، فرمایا کیا سورۂ مزمل نہیں پڑھا[4]۔

عقائد اور فقہ و احکام کے استنباط و استدلال میں وہ جس طرح قرآن مجید کی آیتوں سے استناد کرتی ہیں، وہ مختلف عنوانوں کے تحت میں آگے آتا ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ مغز سخن تک ان کی نگاہ کیونکر پہنچ جاتی تھی،

صحابۂ کرام سے قرآن مجید کی تفسیریں بطریق صحیح بہت کم مروی ہیں، امام بخاری نے جامع صحیح میں تفسیر کا بہت بڑا حصہ داخل کیا، لیکن زیادہ تر ان میں تابعین کی روایتوں سے لغات کا حل ہے، یا اپنی عادت کے مطابق مختلف واقعات کو کسی آیت کی ذراسی مناسبت کی وجہ سے تفسیر میں نقل کرتے ہیں، ورنہ اصل تفسیر کا حصہ بہت کم ہے، ترمذی میں بھی حقیقی

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۹۲۔ [2] صحیح بخاری باب تالیف قرآن، [3] ایضاً، [4] ابوداؤد قیام اللیل و مسند احمد جلد ۶ ص ۵۴۔

تفسیر کا حصّہ کم ہے، امام مسلم نے البتہ نہایت احتیاط سے خالص تفسیر کا حصّہ صحیح کے آخر میں یک جا کر دیا ہے لیکن وہ بہت مختصر ہے، تاہم جو کچھ ہے وہ زیادہ تر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی مرویات ہیں، بہر حال حضرت عائشہؓ کی تفسیری روایتیں کم نہیں ہیں لیکن ہم انہی آیتوں کی تفسیروں پر اکتفا کرتے ہیں جن میں کوئی خاص نکتہ ہے۔

۱۔ اعمالِ حج میں سے ایک کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ (بقرہ - ۱۹)	صفا اور مروہ کی پہاڑیاں، شعائر الٰہی میں سے ہیں، پس جو خانۂ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں، اگر ان کا بھی وہ طواف کرے۔

عروہ نے کہا خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ ہرج نہیں، فرمایا، بھانجے! تم نے ٹھیک نہیں کہا، اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھے ہو تو خدا یوں فرماتا، لَا جُنَاحَ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا، اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ ہرج نہیں اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے، اوس و خزرج اسلام سے پہلے مناۃ کی جے پکارا کرتے تھے، مناۃ مشلل میں نصب تھا، اس لیے صفا اور مروہ کا طواف بُرا جانتے تھے، اسلام لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے، اب کیا حکم ہے؟ اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا اور مروہ کا طواف کرو، اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔" اس کے بعد انھوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کا طواف فرمایا ہے، اب کسی کو اس کے ترک کرنے کا حق نہیں۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن ایک محدّث تھے، ان کو حضرت عائشہؓ کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا "علم اس کو کہتے ہیں۔" اور یہ واقعہ ہے کہ چند فقروں میں حضرت عائشہؓ

۱؎ صحیح بخاری باب وجوب الصفا والمروہ

نے اصولِ تفسیر کی ایک بہت بڑی گرہ کھول دی، ہر تفسیر میں ہمیشہ اس اصول کو مدنظر رکھنا چاہیئے کہ عرب کے محاورات کے مطابق الفاظ سے جو معنی متبادر ہوتے ہیں، اُنہی کو قرآن کا مقصود سمجھنا چاہیئے ورنہ جیسا کہ اُمّ المومنین فرماتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو دوسری عبارت میں اس طرح ادا فرما سکتا تھا کہ دوسرے غیر متبادر اور مخفی معنی متبادر اور واضح ہو جاتے۔

۲۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے جو سورۂ یوسف میں ہے۔

حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ	یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور
وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَھُمْ	ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے
نَصْرُنَا (یوسف۔ ۱۲)	تو ہماری مدد آگئی۔

عروہ نے پوچھا کُذِبُوْا (جھوٹ بولے گئے) یعنی ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا) یا کُذِّبُوْا (وہ جھٹلائے گئے) فرمایا کُذِّبُوْا (جھٹلائے گئے) عروہ نے کہا اس کا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوت کی تکذیب کی، یہ ظن اور خیال تو نہ تھا، اس لیے کذبوا (ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) صحیح ہے[1]، بولیں معاذ اللہ! پیغمبرانِ الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد و نصرت کا جھوٹ وعدہ کیا، عروہ نے پوچھا پھر آیت کا مطلب کیا ہے، فرمایا یہ پیغمبروں کے پیرووں سے متعلق ہے کہ جب انھوں نے ایمان قبول کیا اور نبوت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا، اور مدد الٰہی میں ان کو تاخیر معلوم ہوئی یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین کے ایمان سے ناامید ہو گئے، خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کر دیں کہ دفعۃً نصرت الٰہی جلوہ گر ہو جاتی ہے[2]۔

۳۔ جس آیتِ پاک میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی	اگر تمھیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارہ میں انصاف

---

[1] عام قرأت یہی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی بھی یہی روایت ہے دیکھو صحیح بخاری باب ثم افیضوا من حیث افاض الناس [2] صحیح بخاری تفسیر سورۂ یوسف۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ، (نساء)

نہ کرسکو گے تو عورتوں میں سے دو دو تین تین، چار چار سے نکاح کرلو (اگر عدل نہ ہو تو ایک)

بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں باہم ربط نہیں معلوم ہوتا، یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور نکاح کی اجازت میں باہم کیا مناسبت ہے؟ ایک شاگرد نے انکے سامنے اس اشکال کو پیش کیا، فرمایا "آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی بنجاتے ہیں، ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی ہے، وہ اپنی ولایت کے زور سے چاہتے ہیں کہ اس سے نکاح کرکے اس کی جائداد پر قبضہ کرلیں اور چونکہ اس کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہے، اس لیے مجبور پاکر اس کو ہر طرح دباتے ہیں، خدائے پاک اُن مردوں کو خطاب کرتا ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف سے نہ پیش آسکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو تین چار نکاح کرلو، مگران کو یتیم لڑکیوں کو اپنے نکاح میں لیکر اپنے بس میں نہ لے آؤ۔

۴۔ اسی سورہ میں ایک اور آیت ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ۔ (نساء ۱۹)

ان لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں، کہدے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے، اس کتاب (قرآن) میں جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جنکو تم انکے مقررہ حقوق دیتے ہو اور نہ خود ان سے نکاح چاہتے ہو۔

اُسی پہلے سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت کیا فرمایا کہ اس آیت میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ قرآن میں پہلے جو کچھ اُن کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے، اس سے مقصد

۱؎ صحیح مسلم کتاب التفسیر وصحیح بخاری کتاب النکاح۔

ہی پہلی آیت ہے، یہ حکم ان اولیا سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لیتے ہیں کہ وہ حسن وجمال سے محروم ہیں اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کر دینا پسند کرتے ہیں کہ جائداد کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے[1]۔

۵۔ اس آیت کے مطلب میں لوگوں کو اختلاف ہے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ	اور جو تونگر ہو اس کو اس سے بچنا چاہیے
وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ	اور جو تنگدست ہو، وہ قاعدہ کے مطابق
(نساء-۱)	اس سے لے۔

فرمایا یہ آیت یتیموں کے اولیاء کی شان میں ہے کہ یتیموں کے مال میں سے اگر محتاج ہوں تو لے کر کھا سکتے ہیں، حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ اجازت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے[2]۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى	جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے
ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ	ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے
نَارًا۔ (نساء-۱)	ہیں۔

لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لیے بیان کی گئی ہے جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے، وہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو یتیموں کی جائداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں، اگر یہ ولی کھاتا پیتا ہے تو اس کو اس کی خدمت کا کوئی معاوضہ نہ لینا چاہیئے اگر وہ مفلس وتنگدست ہے تو قاعدہ کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے[3]، اس تفسیر کی بناء دونوں آیتوں میں کوئی تخالف نہیں ہے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب التفسیر وصحیح بخاری کتاب النکاح۔ [2] نووی شرح مسلم کتاب التفسیر،
[3] صحیح مسلم کتاب التفسیر وصحیح بخاری تفسیر سورۂ نساء۔

۶۔ عورت کو اگر اپنے شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۔ (نساء۔۱۹)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ناراضمندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کرلیں اور صلح تو ہر حال میں بہتر ہے۔

ناراضی دور کرنے کے لیے صلح کرلینا تو بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے، اس کے لیے خدائے پاک کو ایک خاص حکم کے نزول کی کیا حاجت تھی، حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں یا بیوی سن سے اُتر گئی ہے اور شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے، اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے، اور بیوی رہ کر شوہر کو اپنے حق سے سبکدوش کردے تو یہ باہمی مصالحت بُری نہیں، بلکہ قطعی علیحدگی سے یہ صلح بہتر ہے۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں کسی ہیبتناک منظر یا خوف کا ذکر ہے مفسرین کا عام طرز یہ ہے کہ اس کو قیامت سے متعلق سمجھتے ہیں لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ ہر آیت کے محل کو جانتے تھے، اس لیے صحیح طریقہ سے اس کی تعیین کرسکتے تھے، ایک آیت میں ہے کہ جس دن آسمان دھواں لائیگا یوم تاتی السماءُ بدُخانٍ مُّبین، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے جو قحط پڑا تھا، اس کے متعلق یہ آیتؒ ہے، اسی طرح قرآن میں ایک موقع پر ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ

جب وہ تمہارے سامنے سے آئے اور تمہارے پیچھے سے آئے اور جب نگاہیں

۱ؒ صحیح مسلم کتاب التفسیر وصحیح بخاری کتاب التفسیر۔

الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ۔ (احزاب ۲) ماندہ ہوگئیں اور کلیجے منہ کو آگئے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ غزوۂ خندق کا واقعہ ہے[1]، یعنی یہ غزوۂ خندق کے موقع پر مسلمانوں کے اضطراب اور ابتلاء وامتحان کی تصویر ہے۔

۸۔ قرآن مجید میں نماز کے متعلق حکم ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ	نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً
الْوُسْطٰى (بقرہ۔ ۳۱)	بیچ کی نماز کی۔

بیچ کی نماز سے کیا مراد ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس باب میں اختلاف ہے۔ مسند احمد میں حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت اُسامہؓ سے روایت ہے کہ اس سے ظہر کی نماز مراد ہے[2]، بعض صحابہ کہتے ہیں کہ اس سے صبح کی نماز مقصود ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بیچ کی نماز سے عصر کی نماز مقصود ہے۔ اپنی اس تفسیر کی صحت پر ان کو اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مصحف کے حاشیہ پر انھوں نے اس کو لکھوا دیا تھا[3]۔ اس تفسیر کی صحت حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی روایتوں سے بھی ثابت ہوتی ہے[4]۔ بیچ کی نماز سے دن کی نمازوں کا بیچ مقصود ہے اور وہ عصر ہے، کیونکہ ظہر اور مغرب کے بیچ میں ہے۔

۹۔ سورۂ بقرہ کے آخر میں ہے۔

وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ	جو تمہارے دل میں ہے اس کو ظاہر کرو
أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ	یا چھپاؤ۔ خدا اُس کا حساب لے گا پھر
فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ	جس کو چاہے گا بخشدے گا اور جس کو
مَنْ يَّشَآءُ۔ (بقرہ۔ ۴۰)	چاہے گا سزا دے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دل تک میں جو خیالات اور اندیشے آتے ہیں خدا

۱؎ صحیح مسلم کتاب التفسیر۔ ۲؎ مسند احمد جلد ۵، ص ۲۰۶۔ ۳؎ صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

۴؎ جامع ترمذی آیت تفسیر مذکور۔

ان کا بھی حساب لے گا، پھر اگر چاہے گا تو بخشدے گا اور اگر چاہے گا توان پر سزا دے گا لیکن دل میں بے ارادہ جو وسوسے اور خیالات آتے ہیں، اگر خدا ان پر بھی دار و گیر کرے تو انسان کے لیے جینا مشکل ہو جائے حضرت علیؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اپنے بعد کی اس آیت سے منسوخ ہے[1]۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا	خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ
وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا	کی تکلیف نہیں دیتا، وہ جو کچھ کرے گا
مَا اكْتَسَبَتْ ؕ (بقرہ، ۴۰)	اس کا نفع یا نقصان اس کو ملے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بھی یہی رائے ہے[2]۔

حضرت عائشہ سے کسی نے اس اوپر کی آیت کا مطلب پوچھا تو اسی کے ساتھ اس کی ہم معنی ایک آیت اور پیش کی۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ۔	جو کوئی برائی کرے گا اسکو اس کا
(نساء۔ ۱۸)	بدلہ دیا جائے گا۔

سائل کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ سچ ہے تو مغفرت اور رحمت الٰہی کی شان کہاں ہے، اور نجات کی کیونکر امید ہے؟ فرمایا، میں نے جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی ہے، تم ہی پہلے شخص ہو جس نے اسکو مجھ سے دریافت کیا، خدا کا فرمانا سچ ہے لیکن پروردگار اپنے بندے کے چھوٹے چھوٹے گناہ ذرا سی مصیبت اور ابتلاء کے معاوضہ میں بخشدیتا ہے۔ مومن جب بیمار ہوتا ہے یا اس پر کوئی مصیبت آتی ہے، یہاں تک کہ جیب میں کوئی چیز رکھ کر بھول جاتا ہے اور اسکی تلاش میں اسکو پریشانی لاحق ہوتی ہے (یعنی ان ابتلاآت میں اسکی مغفرت اور رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے) پھر یہ حال ہوتا ہے کہ جس طرح سونا آگ سے خالص ہو کر نکلتا ہے اسی طرح مومن دنیا سے پاک و صاف ہو کر نکلتا ہے[3]

---

[1] جامع ترمذی تفسیر آیت مذکور، [2] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور، [3] جامع ترمذی تفسیر آیت مذکور۔

ان آیات کی تفسیروں کے علاوہ اور آیات کی تفسیریں بھی اُن سے مروی ہیں، لیکن ہم صرف اس لیے ان کو قلم انداز کرتے ہیں کہ وہ عام طور سے معلوم اور مفسرین میں معروف ہیں اور ان کو اپنے دوسرے معاصروں سے ان کی تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں، قرآن مجید کے متعلق حضرت عائشہ رضؓ کے معلومات کی وسعت کا اندازہ حدیث و فقہ اور کلام کے عنوانوں سے بھی ہوگا۔

قرآن مجید کی موجودہ متواتر، حروف وکلمات وآیات کے علاوہ کوئی دوسرا زائد حرف یا کلمہ یا آیت بطریق غیر متواتر کسی صحابی سے مروی ہو تو اس کو "قرأت شاذہ" کہتے ہیں اس قسم کی دو ایک قرأتیں حضرت عائشہ رضؓ سے بھی مروی ہیں، ایک تو اس آیت میں

وَحَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (والصّلٰوۃ العصر)	نمازوں کی پابندی کرو خصوصًا بیچ کی نماز کی (اور عصر کی نماز کی)

ابویونس حضرت عائشہ رضؓ کے غلام کہتے ہیں کہ مجھ کو انھوں نے ایک قرآن لکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب اس آیت پر پہنچو تو مجھے اطلاع دینا، جب میں اس پر پہنچا تو انھوں نے آیتِ بالا کو اس طرح لکھوایا اور کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے[1]، اصل قرآن میں وصلوٰۃ العصر کا لفظ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سے "وصلوٰۃ العصر" کی زیادتی قرآن میں مقصود نہ تھی بلکہ الصلوٰۃ الوسطیٰ کی تفسیر مقصود تھی، اس میں راوی کی غلط فہمی کو دخل ہے۔

رضاعت کے متعلق اُن سے مروی ہے کہ پہلے یہ آیت اتری تھی کہ دس گھونٹ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے، پھر پانچ گھونٹ کا حکم ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہ آیت قرآن میں موجود تھی[2] لیکن قرآن مجید میں بالاتفاق اس قسم کی کوئی آیت نہ تھی، حضرت عائشہ رضؓ کی طرف اس حدیث کی نسبت اگر صحیح ہے تو شاید ان کو وہم ہوا ہوگا

---

[1] جامع ترمذی تفسیر آیت مذکور [2] صحیح مسلم کتاب الرضاعۃ

اور یا انھوں نے یہ کہا ہو کہ پہلے ایسا حکم تھا، یہ اضافہ کہ قرآن میں یہ حکم تھا، راوی کی غلط فہمی ہو گی۔[1]

حدیث

علم الحدیث کا موضوع درحقیقت ذات نبویؐ ہے، اس لیے فن کی واقفیت کے ذریعے سب سے زیادہ اس کو حاصل تھے جس کو سب سے زیادہ آپ کا قرب حاصل تھا، حضرت عائشہ رضؓ کو قدرۃً اس قسم کے مواقع زیادہ مل سکتے تھے، ہجرت سے تین برس پہلے ان کا نکاح ہوا تھا، اس اثنا میں روزانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لاتے تھے[2]۔ ہجرت کے بعد چھ مہینے تک البتہ وہ دیدارِ نبوت سے محروم رہیں، شوال میں رخصت ہو کر وہ کاشانۂ نبوت میں آئیں، اس وقت سے تا دمِ مرگ اُس ذاتِ اقدس سے الگ نہ ہوئیں۔ اسلام کی ابتدائی زندگی گو ان کے بچپن کا عہد تھا لیکن ان کی فطری ذہانت اور قوتِ حفظ اس کی

---

[1] بعض راویوں نے (جیسا کہ دارقطنی اور ابن ماجہ کتاب الرضاعۃ میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ رضاعت کی یہ حدیث کاغذ پر لکھی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں سرہانے پڑی تھی، ہم لوگ آپ کی تیمارداری میں مصروف تھے، اتفاق سے بکری آئی اور کاغذ چبا گئی، یہ تمامتر جعل اور جھوٹ ہے، مرض الموت میں باتفاق علماء کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور اگر مرض الموت سے پہلے یہ آیۃ نازل ہوئی ہوتی تو وہ کاتبین وحی کے پاس ہوتی اور تمام مسلمانوں کو یاد ہوتی، نہ کہ حضرت عائشہ رضؓ کے بستر کے سرہانے پڑی ہوتی، اسکے راوی محمد بن اسحاق، جو احادیث اور احکام میں معتبر نہیں، صحیح مسلم و موطا وغیرہ زیادہ معتبر کتابوں میں حضرت عائشہ رضؓ کی یہ خمس رضعات والی حدیث موجود ہے لیکن بکری کے کاغذ چبانے والا ٹکڑا اس میں نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شریر راوی کا اضافہ ہے۔

[2] صحیح بخاری باب الہجرۃ۔

پوری تلافی کرتی ہے، ازواجِ مطہراتؓ میں حضرت سودہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے میں اُن سے چند مہینے زیادہ ہیں، لیکن ایک تو فہم اور ادراک اور سمجھ اور استعداد کا اختلاف، دوسرے یہ کہ حضرت سودہ ضعیف العمر تھیں، ان کے قویٰ میں انحطاط آچکا تھا، اور آپ کی وفات سے چند سال پہلے وہ خدمت گزاری سے بھی معذور ہو چکی تھیں، اس کے برخلاف حضرت عائشہؓ نوجوان تھیں اور نوجوانی کے سبب سے بھی ان کی عقلی اور دماغی قوتوں میں روزافزوں ترقی تھی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخیر عمر تک ہمیشہ خدمت گزار اور شرفِ صحبت سے ممتاز رہیں، اس لیے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور احکام سے زیادہ واقفیت تھی۔

حضرت سودہؓ کے علاوہ دوسری ازواجِ مطہرات حضرت عائشہؓ کے بہت بعد حبالۂ نکاح میں آئیں، اس پر بھی ان کو آٹھ روز میں ایک دن خدمت گزاری کا موقع ملتا تھا اور چونکہ حضرت سودہؓ نے بھی اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دیدی تھی، اس لیے حضرت عائشہؓ کو آٹھ روز میں دو دن یہ شرف حاصل ہوتا تھا،[۱] ان کا حجرہ مسجد نبوی سے جو معلم نبوت کا درسگاہ عام تھا بالکل متصل تھا، اس بنا پر ازواجِ مطہرات میں سے بھی کوئی بھی احادیث کی واقفیت اور اطلاع میں ان کا کوئی حریف نہیں،

ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ نہ صرف ازواجِ مطہراتؓ، نہ صرف عام عورتوں بلکہ مردوں میں بھی چار پانچ کے سوا کوئی ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا پایہ شرف صحبت، اختصاص کلام اور قوتِ فہم و ذکا میں اگرچہ حضرت عائشہؓ سے بہت بلند تھا، لیکن ایک تو قدرۃً بیوی کو مہینوں میں جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے، احباب خاص کو بھی برسوں میں اس کی واقفیت ہو سکتی ہے، دوسرے ان بزرگوں کو سرور کائنات

---

[۱] صحیح مسلم باب جواز ہبتہا نوبتہا نصرتہا، [۲] بحوالہ سابق، [۳] صحیح جواز ہبتہا، نوبتہا، نصرتہا۔

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ہی خلافت کے عظیم الشان فرائض اور مہمات میں مصروف رہنا پڑا، اس لیے ان کو احادیث کی روایت کی فرصت بہت کم ہاتھ آسکتی تھی، اس پر بھی جو کچھ حدیثیں ان سے آج تک محفوظ ہیں، وہ خلافت کے تعلق سے ان کے فیصلے اور احکام ہیں جن پر ہماری فقہ کی اصل بنیاد ہے، اس بنا پر اصل روایتِ حدیث کا فرض دوسرے فارغ البال لوگوں نے انجام دیا۔

ان بزرگوں کی روایات کی کثرت اور قلت کا ایک اور راز بھی ہے، اکابر صحابہ کا زمانہ خود صحابہ کا عہد تھا، جن کو دوسروں سے سوال و پرسش کی حاجت ہی نہ تھی، تابعین جو اس گوہر نایاب کے جویاں ہو سکتے تھے وہ عموماً پچیس تیس برس کے بعد ہوئے، لوگ اپنے پیغمبر کے حالات جاننے کے لیے بے قرار تھے، بڑے بڑے صحابہ اپنی زندگی کی منزلیں طے کر چکے تھے اور دنیا ان کے وجود سے محروم ہو چکی تھی، کم عمر صحابہ اب عالمِ شباب میں تھے اور جب تک ہجرت کی پہلی صدی منقرض نہ ہوئی، ان کا آخری سلسلہ منقطع نہ ہوا، اس بنا پر کثیر الروایت صحابہ جن کی روایات سے کتب حدیث کے اوراق مالا مال ہیں، وہ یہی کمسن بزرگوار ہیں[1]۔

کثیر الروایۃ صحابہ جنکی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے، سات اشخاص ہیں[2]۔

مکثرین روایت

نام	سنہ وفات	تعداد مرویات
حضرت ابوہریرہ رض		۵۳۶۴
حضرت ابنِ عباس رض		۲۶۶۰
حضرت ابنِ عمر رض		۲۶۳۰
حضرت جابر رض		۲۵۴۰
حضرت انس رض		۲۲۸۶

[1] ابن سعد جز ثانی قسم ثانی، [2] یہ فہرست سخاوی کی فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث سے ماخوذ ہے، ص ۳۷۱ لکھنؤ

حضرت عائشہ رض		۲۲۱۰
حضرت ابو سعید خدری رض		۲۲۷۰

مکثرین روایت میں حضرت عائشہ رض کا درجہ

کثرت روایت میں حضرت عائشہ رض کا چھٹا نمبر ہے، جن لوگوں کا نام ان سے اوپر ہے ان میں سے اکثر ام المومنین رض کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور ان کی روایت کا سلسلہ چند سال اور جاری رہا ہی، اس کے بعد حضرت عائشہ رض کی نسبت یہ بھی لحاظ رہے کہ وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور اپنے مرد معاصرین کی طرح نہ وہ ہر مجلس میں حاضر رہ سکتی تھیں اور نہ مسلمان طالبینِ علم ان تک ہر وقت پہنچ سکتے تھے، اور نہ ان بزرگوں کی طرح ممالکِ اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کا گزر ہوا، تو ان کی حیثیت ان سبع سیاروں میں سب سے زیادہ روشن نظر آئے گی۔

فہرستِ بالا سے معلوم ہو چکا کہ حضرت عائشہ کی کل روایتوں کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے، جن میں سے صحیحین میں دو سو چھیاسی حدیثیں ان کی روایت سے داخل ہیں ان میں سے ایک سو چوہتّر حدیثیں دونوں میں مشترک ہیں، چوّن حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری میں ہیں اور اٹھاون صرف مسلم میں، اس حساب سے بخاری میں ان کی دو سو اٹھائیس اور مسلم میں دو سو بتیس حدیثیں اور بقیہ حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں امام احمد کی مسند کی چھٹی جلد میں حضرت عائشہ رض کی حدیثیں جو مصر کے مطبوعہ باریک ٹائپ کے ۲۵۳ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہیں، اگر ان کو الگ جمع کیا جائے تو حدیث کی ایک مستقل اور ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

مکثرین میں روایت کا تفاوت

لیکن محض روایت کی کثرت ان کی فضیلت اور مزیت کا باعث نہیں ہی اصل چیز دقت رسی اور نکتہ فہمی ہے، قلیل الروایۃ بزرگوں میں بڑے بڑے فقہائے صحابہ داخل ہیں لیکن عموماً وہ اشخاص جو ہر شخص سے ہر قسم کی باتیں روایت کر دیا کرتے ہیں، فہم و دیانت

عاری ہوتے ہیں، مکثرین روایت میں جن سات بزرگوں کے نام داخل ہیں ان میں سے پانچ اصحاب اصولیین کے نزدیک صرف روایت کش سمجھے جاتے ہیں، ان کا شمار فقہائے صحابہ میں نہیں ہے، چنانچہ روایت کا جو ذخیرہ اس وقت ہمارے پاس موجود ہے اس میں حضرت ابوہریرہ رض حضرت عبداللہ بن عمر رض، حضرت انس بن مالک رض، حضرت جابر رض، حضرت ابوسعید خدری رض سے کوئی فقہی اجتہاد اور قرآن وسنّت سے کسی غیر منصوص مسئلہ کا استنباط ثابت نہیں، اس مخصوص فضیلت میں حضرت عائشہ رض کے ساتھ صرف عبداللہ بن عباس رض شریک ہیں جو روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ، اجتہاد، فکر اور قوتِ استنباط میں بھی ممتاز تھے۔

روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ اور قوتِ استنباط کے علاوہ حضرت عائشہ رض کی روایتوں کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جن احکام اور واقعات کو نقل کرتی ہیں اکثر ان کے علل واسباب بھی بیان کرتی ہیں، وہ خاص حکم جن مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے ان کی تشریح کرتی ہیں، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رض، حضرت ابوسعید خدری رض اور حضرت عائشہ رض تینوں سے پہلو بہ پہلو روایتیں ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا چاہیئے، اب تینوں بزرگوں کی روایتوں کے الفاظ کو پڑھو، حضرت ابن عمر رض روایت کرتے ہیں۔

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم	میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ
يقول من جاء منكم الجمعة فليغتسل	جو جمعہ میں آئے وہ غسل کرلے۔

حضرت ابوسعید خدری رض فرماتے ہیں۔

اِنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم	جمعہ کا غسل ہر بالغ پر فرض ہے۔

اسی مسئلہ کو حضرت عائشہ رض ان الفاظ میں بیان فرماتی ہیں۔

قالت كان الناس ينتابون من	لوگ اپنے گھروں سے اور مدینہ
منازلهم والعوالى فياتون فى	کے باہر کی آبادیوں سے آتے تھے، اور

الغبار تصیبھم الغبار والعرق	گرد و غبار اور پسینہ میں شرابور ہوتے تھے
فیخرج منھم العرق فاتی رسول اللہ	ایک دفعہ ایک صاحب ان میں سے آپ کے
صلے اللہ علیہ وسلم انسان منھم وھو	پاس آئے اور میرے پاس بیٹھے تھے آپ نے
عندی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	فرمایا، بہتر ہوتا اگر تم اس دن غسل
لوانکم تطہرتم لیومکم ھذا (کتاب الجمعہ)	کر لیا کرتے۔

ان کی دوسری روایت ہے۔

قالت عائشۃ کان الناس	لوگ اپنے کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے
مھنۃ انفسھم کانوا اذا راحوا	(یعنی کھیتی وغیرہ) جب وہ جمعہ میں جاتے
الی الجمعۃ راحوا فی ھیئتھم فقیل	تھے تو اسی ہیئت کذائی میں چلے جاتے اس
لھم لو اغتسلتم	لیے ان سے کہا گیا کہ تم غسل کر لیتے۔

ایک سال آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین کے اندر اندر کھا لیا جاتے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ وغیرہ نے اس حکم کو دائمی[1] سمجھا، چنانچہ بعضوں نے اسی قسم کی ہدایتیں کیں، لیکن حضرت عائشہؓ نے اس کو حکم استحبابی سمجھا، چنانچہ اس حکم کی روایت انھوں نے ان الفاظ میں کی۔

الضحیۃ کنا نملح منھا فنقدم بہ	قربانی کے گوشت کو نمک ڈال کر ہم رکھ چھوڑتے
الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ	تھے، مدینہ میں اس کو آپ کے سامنے پیش کرتے
فقال لا تاکلوا الا ثلثۃ ایام و	تھے، آپ نے فرمایا "تین دن کے بعد نہ کھایا کریں"
لیست بعزیمۃ ولکن اراد ان	یہ حکم قطعی نہ تھا بلکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ گو
یطعم منہ واللہ اعلم۔[2]	دوسروں کو کچھ اس میں سے کھلا دیا کریں،

پھر دوسری روایت میں اس کی اصل وجہ بتا دی، ایک شخص نے پوچھا ام المومنین!

---

[1] صحیح بخاری و ترمذی کتاب الاضاحی۔ [2] صحیح بخاری کتاب الاضاحی۔

کیا قربانی کا گوشت کھانا منع ہے

لا ولکن قل من کان یضحی من	نہیں، لیکن ان دنوں قربانی کرنیوالے
الناس فاحب ان یطعم من	کم تھے، اس لیے آپنے چاہا کہ جو قربانی
لم یکن یضحی (ترمذی)	نہیں کرسکتے ان کو کھلائیں۔

ابو داؤد کے سوا صحاح کی تمام کتابوں میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ کو دست کا گوشت بہت پسند تھا، لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دست کا گوشت آپکو بہت پسند نہ تھا، بلکہ چونکہ گوشت کم میسّر آتا تھا اور دست کا گوشت جلد پک جاتا تھا اس لیے آپ اسی کو کھاتے تھے (ترمذی)

احادیث میں مذکور ہے کہ آپ ہر سال ایک آدمی خیبر بھیجتے تھے، وہ پیداوار کو جا کر دیکھتا اور تخمینہ لگاتا تھا، دوسرے راوی اس واقعہ کو صرف اسی قدر بیان کرکے رہ جاتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ جب اس روایت کو بیان کرتی ہیں، تو فرماتی ہیں:

وانما کان امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم	آپنے تخمینہ لگانے کا اس لیے حکم دیا کہ
بالخرص لکی یحصی الزکوٰۃ قبل	پھل کھانے اور اس کی تقسیم سے پہلے
ان توکل الثمرۃ وتفرق[1]	زکوٰۃ کا اندازہ کرلیا جائے۔

بار بار پوچھنا

حضرت عائشہؓ کی روایتوں میں غلطی کم ہونے کا ایک خاص سبب یہ بھی ہی، عام لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ کوئی بات سن لیتے یا کوئی واقعہ دیکھ لیتے تھے اس کی پھر اسی طرح روایت کردیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا اصول یہ تھا کہ جب تک وہ واقعہ کو اچھی طرح سمجھ نہیں لیتی تھیں اس کی روایت نہیں کرتی تھیں، اگر آپ کی کوئی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تو آپسے اس کو بار بار پوچھ کر تسکین کرلیتی تھیں[2]۔ یہ موقع دوسروں کو کم مل سکتا تھا، ایسی بہت سی روایتیں ہیں جن میں ان کے اور دوسرے صحابہ کی روایتوں میں مصالح و

---

[1] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۶۳، [2] صحیح بخاری کتاب العلم۔

اسباب کی بنا پر روایت کا فرق نظر آتا ہے، چنانچہ ان کی تفصیل آیندہ علم اسرار الدین میں آئے گی۔

وہ جس روایت کو آپ سے بلا واسطہ نہیں سُنتی تھیں بلکہ دوسروں سے حاصل کرتی تھیں، ان میں سخت احتیاط کرتی تھیں اور اچھی طرح جانچ لیتی تھیں، تب اس پر اعتماد کرتی تھیں، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و بن العاص نے ایک حدیث بیان کی ایک سال کے بعد پھر جب پھر وہ آئے تو ایک آدمی کو بھیجا کہ ان سے جا کر پھر وہی حدیث پوچھے انھوں نے بے کم و کاست وہی حدیث بیان کی، اس نے لوٹ کر حضرت عائشہؓ کے درمیان دہرائی، سُن کر بہت تعجب سے فرمایا، کہ خدا کی قسم ابن عمرؓ کو بات یاد رہی[1]۔

روایت میں احتیاط

اسی اصول کی بنا پر وہ کوئی روایت اگر کسی سے لیتی تھیں، اور کوئی شخص اس روایت کو ان سے دریافت کرنے آتا تو بجائے اپنے وہ خود اصل راوی کے پاس سائل کو بھیجتی تھیں، اس سے مقصود یہ بھی تھا کہ بیچ کے واسطے جس قدر کم ہوسکیں، اور سند عالی ہوسکے بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد گھر آکر سنّت ادا فرماتے تھے حالانکہ حکم قطعی تھا کہ نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں، کچھ لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی جاتی ہے، اس کی اصلیت کیا ہے، جواب دیا کہ اُمّ سلمہ سے جا کر پوچھو اصل راوی وہی ہیں[2]، اسی طریقے سے ایک شخص نے موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ پوچھا، فرمایا کہ علی کے پاس جاؤ، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفروں میں ساتھ رہتے تھے[3]۔

امام حازمی نے کتاب الاعتبار میں جو حیدر آباد میں چھپ گئی ہے، حضرت عائشہؓ کے اصول کی طرف مختصراً اشارہ کیا ہے۔ (ص ۱۱)

نہ صرف اسی قدر کہ اپنی روایتوں کو انھوں نے مسامحات سے پاک رکھا بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا وہ دوسروں کی روایتوں کی بھی تصحیح کر دیتی تھیں، فن حدیث بلکہ مذہب اسلام

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ باب ما یذکر من ذم الرای [2] صحیح بخاری وفد بنی تمیم۔ [3] صحیح بخاری مسح خفین۔

پران کا بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے اپنے معاصرین کے مسامحات کی نہایت سختی سے دار و گیر اور ان کی غلط فہمیوں کی اصلاح کی، محدثین کی اصطلاح میں، اس کو ادراک کہتے ہیں، متعدد ائمۂ حدیث نے ان استدراکات کو یک جا کیا ہے، سب سے آخری رسالہ جلال الدین سیوطی کی "عین الاصابہ فی ما استدرکتہ عائشہؓ علی الصحابہ" ہے، مصنف نے فقہ کے ابواب پر اس رسالہ کو مرتب کیا ہے۔[1]

صحابہؓ کے زمانہ تک گو فنِ حدیث کے اصول مدون نہیں ہوئے تھے، تاہم ابتدائی مراتب پیدا ہو چکے تھے، حضرت عائشہؓ نے اپنے معاصرین پر جو استدراکات کیے ہیں، غور کرنے سے وہ حسب ذیل وجوہ پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔

روایتِ مخالفِ قرآن حجت نہیں

فنِ حدیث میں حضرت عائشہؓ کا سب سے پہلا اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ روایت کلامِ الٰہی کی مخالف نہ ہو۔

اس اصول کی بنا پر انھوں نے متعدد روایتوں کی صحت سے انکار کیا ہے اور ان روایتوں کی اصل حقیقت اور مفہوم کو اپنے علم کے مطابق ظاہر کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض صحابہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ	مردہ پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت بیان کی گئی تو اس کی تسلیم سے انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی نہیں فرمایا، واقعہ یہ ہے کہ ایک دن آپ ایک یہودیہ کے جنازہ پر گزرے، اس کے رشتہ دار اس پر واویلا کر رہے تھے، آپ نے فرمایا "یہ روتے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے"۔ حضرت عائشہؓ کا مقصود یہ ہے جیسا کہ بخاری غزوۂ بدر میں تصریح ہے کہ رونا عذاب کا سبب نہیں ہے، بلکہ دونوں واقعے الگ

---

[1] یہ رسالہ حیدر آباد دکن کے ایک مطبع میں چھپا تھا، وہی میرے پیشِ نظر ہے۔

الگ ہیں، یعنی یہ نوحہ کرنے والے اس کی موت پر روتے ہیں اور مرنے والا اپنے گزشتہ اعمال کی سزا میں مبتلا ہی، کیونکہ رونا دوسرؤں کا فعل ہی جس کا عذاب یہ رونے والے خود اٹھائیں گے[۱]۔ مردہ اس کا ذمہ دار کیوں ہو، ہر شخص اپنے فعل کا جواب دہ ہے، اس بنا پر حضرت عائشہ رضؓ نے اس کے بعد کہا قرآن تم کو کافی ہے۔

خدا فرماتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل) اور کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھاتا

راوی کا بیان ہی کہ حضرت ابن عمر رضؓ نے جب حضرت عائشہ رضؓ کے اس بیان اور استدلال کو سنا تو کچھ جواب[۲] نہ دے سکے۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ابن عمر رضؓ کے درمیان محاکمہ کیا ہی کہ اگر یہ نوحہ وزاری خود مرنے والے کا دستور تھا اور اس نے اپنے اعزہ کو کبھی اس فعل سے منع نہیں کیا، تو اُن کے رونے کا عذاب اس پر ہوگا، کیونکہ ان کی تعلیم وتربیت کا فرض اُس نے ادا نہیں کیا، خدائے پاک فرماتا ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (تحریم۔۱) مومنو اپنے کو اور اپنے خاندان والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اور اگر اس کی اس تعلیم اور ہدایت کے باوجود اُس کے اہلِ خاندان اس پر نوحہ کرتے

---

[۱] یہاں پر ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہیئے، کسی عزیز یا دوست کی موت کے صدمہ پر بے اختیاری سے رونا گناہ نہیں ہی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادہ حضرت قاسم کی وفات پر روئے ہیں، بلکہ درحقیقت اسکی موت پر رونا، بین اور چیخنا چلانا، کپڑے پھاڑنا، خلافِ شرع کلمات کا منہ سے نکالنا، منہ پر تھپڑ مارنا وغیرہ افعال منع ہیں، اسی لیے بعض حدیثوں میں تصریح ہے کہ رونے کے بعض اقسام جن میں یہ خلاف شرع امور شامل ہوں منع ہیں، نفسِ گریہ اور رونا اور آنسو بہانا منع نہیں ہے۔

[۲] صحیح بخاری ومسلم کتاب الجنائز۔

ہیں تو حضرت عائشہ رضؓ کی رائے صحیح ہے جیسا کہ خدائے عزوجل فرماتا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل) — اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا

نیز دوسری جگہ فرماتا ہے، وَاِن تَدعُ مُثقَلَةٌ اِلیٰ حِملِهَا لَا یُحمَلُ مِنهُ شَیءٌ[۱] عبداللہ بن مبارک کا بھی یہی فیصلہ ہے[۲]۔

لیکن ہمارے نزدیک ثالثی کا یہ فیصلہ صحیح نہیں، صورت اولیٰ میں درحقیقت وہ خود اپنے فعل عدم ادائے فرض کا مجرم ہے اور اسی جرم پر اس کو عذاب ہوگا، نوحہ کے جرم کا وہ مجرم نہیں ہے، اس لیے حضرت عائشہ رضؓ کا استدلال اس صورت میں بھی صحیح ہے، مجتہدین میں امام شافعیؒ امام محمد اور امام ابو حنیفہؒ اس مسئلہ میں حضرت عائشہ کے پیرو ہیں[۳]۔

۲۔ غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

فَهَل وَجَدتُم مَا وَعَدَ رَبُّكُم حَقًّا — خدا نے تم سے جو وعدہ کیا تھا تم نے اس کو سچا پایا۔ (اعراف۔ ۵)

صحابہ رضؓ نے (ایک اور روایت میں ہے کہ صرف حضرت عمر رضؓ نے) عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ مردوں کو پکارتے ہیں، حضرت ابن عمر رضؓ غالباً حضرت عمر رضؓ سے اور انس رضؓ بن مالک ابو طلحہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

مَا اَنتُم بِاَسمَعَ مِنهُم وَلٰكِن لَا یُجِیبُون۔ — تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

حضرت عائشہ رضؓ سے جب یہ روایت بیان کی گئی تو انھوں نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا۔

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب حدیث مذکور، [۲] جامع ترمذی کتاب الجنائز [۳] بحوالہ مذکور۔

[۴] موطا امام محمد کتاب الجنائز۔

انھم لیعلمون الان ان کنت	وہ اس وقت بہ تیقن جانتے ہیں کہ میں
اقول لھم حق	ان سے جو کچھ کہتا وہ سچ تھا۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (نمل۔ ۶)	اے پیغمبر! تو مُردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا۔
وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ	آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں،
(فاطر۔ ۳)	نہیں سُنا سکتے۔

محدثین نے حضرت عائشہ رضؓ کے استدلال کو مان کر ان دونوں روایتوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے قتادہ تابعی کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر تک ان میں جان ڈال دی گئی تھی[1] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گویا بطور معجزہ کے ان کافر مُردوں میں سننے کی طاقت تھوڑی دیر کے لیے آگئی تھی۔

۳۔ لوگوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے آکر بیان کیا کہ ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہی، عورت میں، گھوڑے میں، گھر میں، حضرت عائشہ رضؓ نے کہا یہ صحیح نہیں، ابوہریرہ رضؓ نے آدھی بات سنی اور آدھی نہیں سُنی، آپ پہلا فقرہ کہہ چکے تھے کہ ابوہریرہ رضؓ پہنچے، آپ نے فرمایا کہ یہود کہتے ہیں کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہی، عورت میں، گھوڑے میں، گھر میں[2]

امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں آکر خواہش ظاہر کی کوئی حدیث سنائیے، بولیں کہ آپ فرماتے تھے کہ بدشگونی تقدیر سے ہوتی ہے[3]، آپ کو تفاؤل اور اچھا نام البتہ پسند تھا، ایک اور روایت میں ہی کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت سنکر کہا، قسم ہے اس ذات کی جس نے ابوالقاسم پر قرآن اُتارا، آپ نے اس طرح نہیں فرمایا۔" اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔

---

[1] یہ تمام روایتیں صحیح بخاری غزوۂ بدر میں ہیں [2] ابوداؤد طیالسی مسند عائشہ رضؓ حیدرآباد [3] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۳۰۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا (حدید۔۳)

زمین پر اور تمھاری جانوں پر کوئی مصیبت نہیں آتی لیکن وہ کتاب (تقدیر) میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں موجود ہے۔

بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان تینوں میں بدشگونی ہوتی ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر بدشگونی کوئی چیز ہوتی، تو ان چیزوں میں ہوتی، یہ بطور واقعہ کے نہیں بلکہ بطور تعلیق کے ہے۔

۴۔ حضرت ابنِ عباس رضؓ کی روایت ہے (جس کو غالباً انھوں نے کعب تابعی سے سنا) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ خدائے عزّ وجلّ کو دیکھا، مسروق تابعی نے حضرت عائشہ رضؓ سے جا کر پوچھا کہ "مادرمن! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا"، حضرت عائشہ رضؓ نے کہا تم ایسی بات بولے جس کو سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، جو تم سے یہ کہے کہ محمدؐ نے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ کہتا ہے، پھر یہ آیت پڑھی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (انعام ۱۳)

نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں، اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے کہ وہ ذات لطیف ہے اور دانا ہے۔

اس کے بعد یہ دوسری آیت پڑھی:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ

اور کسی بشر میں طاقت نہیں کہ وہ اس سے باتیں کر سکے مگر بذریعہ وحی کے یا پردہ کے پیچھے۔

بعض اور حدیثوں سے بھی حضرت عائشہ رضؓ کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ نور ہے، میں اس کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں، الفاظ یہ ہیں، نورانی اراہ۔

---

[1] اصابہ سیوطی بحوالہ مسند احمد [2] صحیح بخاری و ترمذی تفسیر سورۂ والنجم۔

۵۔ متعہ یعنی ایک مدت معین تک کے لیے نکاح، جاہلیت اور آغاز اسلام میں ۸ھ تک جائز تھا، خیبر میں اس کی حرمت کا اعلان کیا گیا، اس کے بعد روایتوں میں کسی قدر اختلاف ہے حضرت ابن عباسؓ اور بعض لوگ اس کے جواز کے قائل تھے، لیکن جمہور صحابہ اسکی حرمت کے قائل ہیں اور اپنے دعوی کی توثیق میں حدیثیں پیش کرتے ہیں، حضرت عائشہؓ سے جب ان کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت پوچھا تو انھوں نے اس کا جواب حدیثوں سے نہیں دیا بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے پھر آیت پڑھی:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ	جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے
اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ	ہیں، مگر اپنی بیویوں کے ساتھ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔	یا اپنی باندیوں کے ساتھ، ان پر کوئی
(مومنون) (قد افلح)	ملامت نہیں۔

اس لیے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں[1] اور ظاہر ہے کہ ممتوعہ عورت نہ بیوی ہے نہ باندی، اس لیے وہ جائز نہیں۔

۶۔ حضرت ابو ہریرہ نے روایت کی کہ ناجائز لڑکا تینوں میں (ماں، باپ اور بچہ) بدتر ہے، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص منافق تھا آپکو برا بھلا کہا کرتا تھا، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ، اس کے علاوہ ولد الزنا بھی ہے، آپنے فرمایا، کہ وہ تینوں میں بدتر ہے، یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا ہے، یہ ایک خاص واقعہ تھا عام نہ تھا۔ خدا فرماتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (بنی اسرائیل)	اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا،

یعنی قصور تو ماں باپ کا ہے بچہ کا کیا گناہ ہے؟[2]

---

[1] اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم۔ [2] اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم۔

مغز سخن تک پہنچنا | بعض مسائل کی نسبت صحابہؓ میں جو اختلافِ روایت ہو وہ کسی قدر اختلافِ فہم پر مبنی ہے، حضرت عائشہؓ کو اس فہم و ذکا کے عطیہ الٰہی سے بھی حظ وافر ملا تھا اور انھوں نے اس دولت عظمیٰ سے فنِ حدیث میں بہت فائدہ اُٹھایا۔

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ایک قصہ مذکور ہے[۱] کہ ایک عورت نے ایک بلی باندھ دی تھی اور اس کو کچھ کھانے پینے کو نہیں دیتی تھی، بلی اسی حالت میں بھوک سے مر گئی، اور اس کو اس بنا پر عذاب ہوا، حضرت ابوہریرہؓ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے ملنے گئے، انھوں نے کہا تم ہی ہو جو ایک بلی کے بدلے ایک عورت کے عذاب کی روایت بیان کرتے ہو، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سُنا ہے فرمایا، خدا کی نظر میں ایک مومن کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بلی کے لیے اس پر عذاب کرے، وہ عورت اس گناہ کے علاوہ کافرہ بھی تھی، اے ابوہریرہؓ! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات روایت کرو تو دیکھ لو کہ کیا کہتے ہو[۲]۔

۲۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کا انتقال ہونے لگا، تو انھوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور سبب یہ بیان کیا کہ مسلمان جس لباس میں مرتا ہے اسی میں اٹھایا جاتا ہے" حضرت عائشہؓ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو کہا، خدائے پاک ابوسعید پر رحمت نازل کرے، لباس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود انسان کے اعمال ہیں[۳]، ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ صاف ارشاد ہے کہ لوگ قیامت میں برہنہ تن، برہنہ پا اور برہنہ سر اٹھیں گے[۴]۔

۳۔ اسلام میں حکم یہ ہے کہ مطلقہ عورت عدت کے دن شوہر کے گھر میں گزارے۔ اس

---

[۱] ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، [۲] ابوداؤد طیالسی مسند عائشہؓ [۳] عربی زبان میں ثیاب سے مجازاً مراد دل اور عمل ہوتا ہے، [۴] حضرت ابوسعید خدریؓ کا واقعہ ابوداؤد کتاب الجنائز اور ابن حبان و حاکم میں ہے، ننگے اٹھنے کی حدیث اکثر حدیث کی کتابوں میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، یہ خاص انکار کی روایت سیوطیؒ نے عین الاصابہ میں زرکشی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

حکم کے خلاف فاطمہ نام ایک صحابیہؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت کے زمانہ میں شوہر کے گھر سے منتقل ہونیکی اجازت دیدی تھی، انھوں نے مختلف اوقات میں متعدد صحابہ کے سامنے اپنے واقعہ کو بطور استدلال کے پیش کیا، بعض نے قبول کیا، اور اکثر نے اس کے ماننے سے انکار کیا، اتفاق سے مروان کی امارت مدینہ کے زمانہ میں اسی قسم کا ایک مقدمہ پیش ہوا، فریق نے فاطمہ کے قول سے استدلال کیا حضرت عائشہ رضؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے فاطمہ پر سخت نکتہ چینی کی، اور فرمایا کہ فاطمہ کے لیے بھلائی نہیں ہے کہ وہ اپنے اس واقعہ کو بیان کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت کی حالت میں ان کو شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت بیشک دی، لیکن سبب یہ تھا، کہ ان کے شوہر کا گھر ایک غیر محفوظ اور خوفناک مقام میں تھا[۱]۔

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مجھے خدا کی راہ میں ایک کوڑا بھی ملے تو مجھ کو کسی ناجائز بچہ کے آزاد کرنے کے مقابلہ میں پسند ہے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناجائز لڑکے اگر غلامی کی حالت میں ہوں تو ان کو آزاد کرنا کوئی ثواب کا کام نہیں، حضرت عائشہؓ کو یہ روایت معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا خدا ابوہریرہؓ پر رحم کرے، اچھی طرح سنا نہیں، تو اچھی طرح کہا بھی نہیں، واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت اتری۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ	وہ گھاٹی میں گھسا نہیں معلوم ہے کہ گھاٹی
مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ، (بلد)	کیا چیز ہے، کسی کو آزاد کرنا۔

کسی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم غریبوں کے پاس لونڈی غلام کہاں؟ کسی کسی کے پاس کوئی ایک حبشن ہے جو گھر کا کام کاج کرتی ہے، اس کو ناجائز طریقہ کی اجازت دی جائے، اس سے جو بچہ ہو اسے آزاد کیا جائے، ارشاد ہوا کہ مجھ کو خدا کی راہ میں کوئی کوڑا بھی ملے تو مجھ کو اس سے پسند ہے کہ میں اس بری بات کی اجازت دوں، اور

---

[۱] صحیح بخاری و جامع ترمذی کتاب الطلاق۔

پھر اس سے بچہ پیدا ہو، اس کو کہوں کہ آزاد کردو"[1]۔

۵۔ ابوداؤد کے سوا بقیہ تمام صحاح میں یہ حدیث مذکور ہے کہ آپ کو بکری کے دست کا گوشت بہت پسند تھا، حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا، دست کا گوشت فی نفسہٖ پسند نہ تھا بلکہ بات یہ تھی کہ گوشت روز نہیں ملتا تھا، دست کا گوشت پکنے میں جلد گل جاتا تھا، اس لیے آپ اس کو پسند کرتے تھے[2]۔

۶۔ حضرت عمر رضؓ اور متعدد صحابہ سے مروی ہے کہ صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد کسی قسم کی کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں "خدا عمر پر رحم کرے انکو وہم ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ آفتاب غروب اور طلوع کے وقت کو تاک کر نماز نہیں پڑھنی چاہیئے[3]"۔ فقہا نے ان اوقات میں نماز کی ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے کہ آفتاب پرستی کے اوقات میں، اس لیے اشتباہ اور آفتاب پرستوں کی مماثلت سے احتراز کرنا چاہیئے، اگر یہ تعلیل صحیح ہے تو حضرت عائشہ رضؓ کی روایت زیادہ قرینِ صواب، صحیح اور انسب ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ممانعت کے اصل مقصد کو سمجھ لیا تھا۔

ایک روایت ہے کہ صبح کی سنّت اگر قضا ہو جائے، تو نمازِ جماعت کے بعد اسکو پڑھ لینا[4] چاہیئے اور اہلِ مکہ کا اسی پر عمل ہے، احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ آپ نے یہ دو رکعتیں میرے گھر میں کبھی نہیں چھوڑیں"۔ چنانچہ بعض صحابہ اور تابعین پڑھا کرتے تھے، بعض صحابہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوصات میں سمجھتے تھے، حضرت اُمّ سلمہ سے مروی ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو رکعتوں کا حال پوچھا، تو فرمایا کہ ظہر کی دو رکعتیں، ایک دن چھوٹ گئی تھیں، یہ اُن کی قضا ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم، [2] شمائل ترمذی، [3] صحیح بخاری و ترمذی اوقات الصلوٰۃ و مسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۴، [4] ترمذی کتاب الصلوٰۃ۔

بہرحال عقلی حیثیت نیز گزشتہ روایتوں کی بنا پر حضرت عائشہ رضؓ کی روایت زیادہ معقول اور مصلحت شرعی پر زیادہ مبنی نظر آتی ہے، لیکن حضرت عمر رضؓ ایسے رتبے کے آدمی نہ تھے جو حضرت عائشہ رضؓ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مقصد نہ سمجھ سکتے، شریعت کا ایک اصول یہ ہے کہ جب وہ ایک شے کو منع کرتی ہے تو احتیاطاً اس کے مبادی کو بھی ممنوع قرار دیدیتی ہے اصل میں آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت نماز ممنوع ہے لیکن احتیاطاً بعد نماز صبح و عصر کا اطلاق کیا گیا، تاکہ نمازوں کے بعد سے آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت تک کوئی نماز ہی نہ پڑھی جائے،

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے روایت کی مَنْ لم یوتر فلا صلوٰۃ له ؎ جس نے وتر نہیں پڑھی، اس کی کوئی نماز نہیں، حضرت عائشہ رضؓ نے سنا تو فرمایا، ہم سب نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا اور اب تک ہم بھولے نہیں کہ جو پانچوں وقت کی نمازیں وضو کے ساتھ وقت پر پورے رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرتا رہا، اور اس میں کوئی کمی نہیں کی، اس نے خدا سے عہد لے لیا، کہ وہ اس پر عذاب نہ کرے گا اور جس نے کمی کی، اس نے عہد نہیں لیا، خدا چاہے تو بخش دے، اور چاہے تو عذاب کرے، مقصود یہ ہے کہ وتر سنت ہے، اس کے اتفاقی ترک پر یا عذاب کہ اس کی کوئی نماز مقبول نہ ہو، اسکے یہ معنی ہیں کہ اس کی بخشش یقینی نہیں رہی حالانکہ یہ عذاب صرف فرائض کے ترک پر ہوگا، نہ کہ سنن کے ترک پر۔

ذاتی واقفیت یہ امر مسلم ہے کہ محرم اسرار سے محرم اسرار دوست کی بہ نسبت بیوی بہت کچھ زیادہ جان سکتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن مثال اور اسوہ تھے، اس لیے گویا آپ کا ہر فعل قانون تھا، اس بنا پر آپ کی بیویوں کو اس کے متعلق جس قدر ذاتی واقفیت کے ذرائع حاصل تھے، دوسروں کے لیے ناممکن تھے، متعدد مسائل ایسے ہیں جن میں صحابہ نے اپنے اجتہاد یا کسی روایت کی بنا پر کوئی مسئلہ بیان کر دیا اور حضرت عائشہ رضؓ

؎ طبرانی فی الاوسط،

نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اس کو رد کر دیا، اور آج تک ان مسائل میں حضرت عائشہ رضؓ ہی کا قول مستند ہے۔

۱۔ حضرت ابنِ عمر رضؓ فتویٰ دیتے تھے کہ عورت کو نہاتے وقت چوٹی کھول کر بالوں کو بھگونا ضروری ہے، حضرت عائشہ رضؓ نے سُنا تو فرمایا وہ عورتوں کو یہی کیوں نہیں کہدیتے کہ وہ اپنے چونٹے منڈوا ڈالیں، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہاتی تھی اور بال نہیں کھولتی تھی[۱]۔

۲۔ حضرت ابنِ عمر رضؓ کہتے تھے کہ تقبیل سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت عائشہ رضؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقبیل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے[۲]۔ یہ کہکر مسکرائیں۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کہتے ہیں کہ نماز میں مرد کے سامنے سے عورت یا گدھا، یا کتا گزر جائے تو مرد کی نماز ٹوٹ جاتی ہے، حضرت عائشہ رضؓ کو یہ سُنکر غصہ آیا اور فرمایا کہ تم نے ہم عورتوں کو گدھے اور کتے کے برابر کر دیا، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پاؤں پھیلائے سوتی رہتی (حجرہ میں جگہ نہ تھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف ہوتے جب آپ سجدے میں جاتے ہاتھ سے چھو کر دیتے، میں پاؤں سمیٹ لیتی، اور جب آپ کھڑے ہوتے تو پھر پاؤں پھیلا دیتی[۳]، کبھی ضرورت ہوتی تو بدن چرا کر سامنے سے نکل جاتی[۴]۔

۴۔ حضرت ابو درداء رضؓ نے ایک دن وعظ میں یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر صبح ہو جائے اور وتر قضا ہو گئی ہو تو پھر وتر نہ پڑھے، حضرت عائشہ رضؓ نے سنا تو فرمایا، ابو درداء نے صحیح نہیں کہا صبح ہو جاتی تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھ لیتے تھے[۵]۔

۵۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی چادر میں کفنا گیا، حضرت عائشہ رضؓ نے سنا تو کہا اتنا صحیح ہے کہ لوگ اس غرض سے چادر لائے تھے لیکن آپ کو اس میں کفنایا نہیں گیا[۶]۔

---

[۱] صحیح مسلم و سنن نسائی، آخری فقرہ صرف نسائی میں ہے [۲] صحیح بخاری وغیرہ، [۳] صحیح بخاری، جلد ۱ ص ۷۲، باب التطوع خلف المرأۃ، [۴] صحیح بخاری باب من لایقطع الصلوٰۃ شئ و باب السریر، [۵] سنن و بیہقی و مسند ۶ ص ۲۴۳، [۶] صحیح مسلم و بخاری و ترمذی و نسائی، کتاب الجنائز۔

۶۔ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک دن وعظ میں بیان کیا کہ اگر روزے کے دنوں میں کسی کو صبح نہانے کی ضرورت پیش آجائے تو اُس دن وہ روزہ نہ رکھے، لوگوں نے جاکر حضرت عائشہؓ (اور حضرت اُم سلمہؓ) سے اس کی تصدیق چاہی، فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل اس کے خلاف تھا، لوگوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو جاکر ٹوکا، آخر ان کو اپنے پہلے فتوے سے رجوع کرنا پڑا[1]۔

۷۔ حج میں کنکری پھینک لینے (رمی) اور سر منڈانے کے بعد خوشبو اور عورت کے سوا ہر چیز جائز ہوتی ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، خوشبو ملنے میں کوئی حرج نہیں، میں نے خود اپنے ہاتھ سے آپ کے خوشبو ملی ہے[2]۔

۸۔ حضرت ابنِ عباسؓ فتویٰ دیتے تھے کہ اگر کوئی حج نہ کرے، صرف اپنی قربانی حرمِ محترم میں بھیجدے تو جب تک وہ وہاں پہنچکر ذبح نہ ہوجائے اس پر بھی وہی شرائط عائد ہوتے ہیں، جو حاجی پر ہوتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے خود اپنے ہاتھ سے آپ کی قربانی کے جانوروں کے لیے قلاوے بٹے ہیں، آپنے اپنے دست مبارک سے وہ قلاوے قربانی کے جانوروں کی گردن میں ڈالے اور میرا باپ ان کو لیکر مکہ گیا، تاہم چیزیں حلال تھیں، ان میں سے کوئی چیز قربانی تک حرام نہ ہوئی[3]۔

۹۔ حضرت ابنِ عمرؓ کہتے تھے کہ جس صبح کو احرام باندھنا ہو اس صبح کو خوشبو لگانا میں پسند نہیں کرتا، میں بدن میں تارکول ملنا پسند کرونگا لیکن خوشبو نہیں، حضرت عائشہؓ سے استفسار ہوا تو انھوں نے کہا کہ میں نے خود اپنے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عطر ملا ہے اور کبھی کہتیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شبِ احرام کی صبح کو عطر کی چمک آپ کے مانگ میں تھی، مجھ کو اچھی طرح یاد ہے[4]۔

---

[1] صحیح مسلم و موطا کتاب الصوم، [2] صحیح بخاری، کتاب الحج، ص ۲۰۳ - [3] ایضاً۔
[4] صحیح بخاری، کتاب الحج نیز فتح الباری جلد ۳

قوتِ حفظ حفظ کی قوت قدرت کا ایک گراں مایہ عطیہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس عطیۂ الٰہی سے بدرجۂ اتم سرفراز تھیں، گزر چکا ہے کہ لڑکپن میں کھیلتے کھیلتے بھی اگر کوئی آیت ان کے کانوں میں پڑ گئی، تو یاد رہ گئی، احادیث کا دارومدار زیادہ تر اسی قوت پر ہے۔ عہدِ نبوت کے روزمرہ واقعات کو یاد رکھنا اور ان کو ہر وقت کماہی بیان کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جو الفاظ جس طرح سنے ان کو بعینہا ادا کرنا ایک محدث کا سب سے بڑا فرض ہے، ام المومنین نے اپنے معاصرین پر جو نکتہ چینیاں کی ہیں ان میں قوتِ حفظ کے تفاوتِ مراتب کو بھی دخل ہے۔

۱۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ مسجد میں ان کا جنازہ آئے تو وہ بھی نماز پڑھیں، لوگوں نے اعتراض کیا، فرمایا لوگ کس قدر جلد بات بھول جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی تھی۔[۱]

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے لوگوں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کتنی دفعہ کیا، جواب دیا چار دفعہ، جن میں سے ایک رجب میں، عروہ نے پکار کر کہا خالہ جان آپ نہیں سنتیں یہ کیا کہہ رہے ہیں، پوچھا کیا کہتے ہیں، عرض کی کہ کہتے ہیں "آپ نے چار عمرے کیے جن میں سے ایک رجب میں" فرمایا خدا ابو عبدالرحمٰن (حضرت ابن عمر کی کنیت) پر رحم فرمائے آپ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا، جس میں وہ شریک نہ رہے، رجب میں کوئی عمرہ آپ نے نہیں کیا۔"[۲]

۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے شاگردوں سے بیان کیا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے، لوگوں نے عند التذکرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کو بیان کیا، بولیں، خدا ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔[۳]

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الجنائز، [۲] صحیح بخاری کتاب العمرہ، [۳] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۳۔

۴۔ دو تین صاحبوں سے روایت ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزیزوں کے رونے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے، جب حضرت عائشہ رضؓ سے لوگوں نے یہ روایت کی تو فرمایا

انکم لتحدثون من غیر	تم نہ جھوٹوں سے روایت کرتے ہو اور
کاذبین ولا مکذبین ولکن	نہ جھٹلائے ہوئے لوگوں سے، لیکن کان
السمع یخطئ،	کبھی غلطی بھی کرتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ کہا

رحم اللہ ابا عبد الرحمن سمع	خدا ابو عبد الرحمن پر رحم فرمائے انھوں نے
شیئا فلم یحفظ	کچھ سنا لیکن محفوظ نہیں رکھا۔

دوسری حدیث میں اس کے بجائے یہ فقرہ مروی ہے۔

یغفر اللہ لابی عبد الرحمن اما	خدا ابو عبد الرحمن کو معاف کرے، وہ
انہ لم یکذب ولکنہ نسی	جھوٹ نہیں بولے، لیکن یا تو بھول گئے
او خطاء۔	یا غلطی کی۔

اس کے بعد فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اتفاقاً آپ کا گزر ایک یہودیہ کے جنازہ پر ہوا، اس کے اعزہ آہ و واویلا کر رہے تھے، آپنے فرمایا لوگ رو رہے ہیں، اور اس پر عذاب ہو رہا ہے[1]

حضرت عائشہ رضؓ کی حدیثوں کی ترتیب و تدوین

صحابہ رضؓ کی روایات و احادیث کو قیدِ تحریر و کتابت میں لانا پہلی ہی صدی کے وسط سے شروع ہو چکا تھا، ہجرت کی جب صدی پوری ہو رہی تھی، تو حضرت عمر وبن عبد العزیز ۱۰۱ھ میں سر آرائے خلافت تھے، اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے صیغہ قضا، پر ابو بکر بن عمرو بن خرم الانصاری مامور تھے، ان کا علم و فضل انکی خالہ عمرۃ کا ممنون احسان تھا، عمرۃ تمام تر حضرت عائشہ رضؓ کے آغوشِ تعلیم میں پلی تھیں،

---

[1] یہ تمام حدیثیں مسلم کتاب الجنائز میں ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر کے نام شاہی فرمان جاری کیا، کہ عمرۃ کی روایتیں قلمبند کر کے ان کے پاس بھیجی جائیں۔

فقہ وقیاس

علمی حیثیت سے کتاب وسنّت درحقیقت بمنزلۂ دلائل کے ہیں اور فقہ ان دلائل کے نتائج اور مستنبطات کا نام ہے، قرآن اور حدیث کی سرخیوں کے تحت میں جو واقعات لکھے گئے ہیں، اور فتاویٰ وارشاد کے تحت جو واقعات آئیں گے، اُن سے روشن ہوگا کہ علم فقہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کا کیا پایہ تھا اور انکے فقہ اور قیاس کے کیا اصول تھے۔

عہدِ نبوت تک تو خود ذاتِ نبویؐ علم وفتویٰ کا مرکز تھی، اس مقدس عہد کے انقراض کے بعد اکابر صحابہ جو شریعت کے رازداں اور احکامِ اسلامی کے محرم تھے، آپ کے جانشین ہوئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا، تو وہ تمام علمائے صحابہ کو یکجا کرتے اور ان سے مشورہ لیتے، اگر ان میں سے کسی کو کوئی خاص حدیث معلوم ہوتی تو وہ بیان کرتا، ورنہ منصوص احکام پر قیاس کر کے فیصلہ کر دیا جاتا، فقہ کی یہ اکاڈمی اوائل خلافت ثالثہ تک مرکز نبوت سے وابستہ رہی، حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتنوں نے سر اٹھایا، اور لوگ مکہ معظمہ، طائف، دمشق اور بصرہ جا کر آباد ہوئے، حضرت علیؓ نے کوفہ کو دار الخلافت بنایا، ان وجوہ سے اس درسگاہ کے بہت سے تربیت یافتہ دوسرے شہروں میں چلے گئے، ان اتفاقی واقعات نے گو علم کے دائرہ کو وسیع کر دیا، لیکن اسکی اجتماعی عظمت کو قائم نہ رکھ سکے، اگر کہیں وہ اجتماعی رونق باقی بھی تھی تو اسی کاشانۂ نبوت کے درو دیوار میں۔

اکابر صحابہ کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ زیادہ تر یہی چار بزرگ رفقہ وفتاویٰ کی مجلس کے مسند نشین تھے،

۱؎ ابن سعد جز دوم قسم دوم ص ۱۳۶ وتہذیب جز ۱۲، ترجمہ عمرۃ۔

غیر منصوص احکام کے فیصلہ میں ان چاروں بزرگوں کے پیش نظر مختلف اصول تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کا مسلک یہ تھا کہ پیش شدہ مسئلہ کے متعلق اگر کتاب و سنت واثر سے کوئی جواب معلوم ہوتا تو سائل کو بتا دیتے، اگر کوئی آیت یا حدیث یا خلفائے سابقین کا اثر معلوم نہ ہوتا تو خاموش رہ جاتے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایسی حالت میں گزشتہ منصوص احکام یا فیصل شدہ مسائل پر جدید مسئلہ کو قیاس کر کے اس کا جواب اپنی عقل کے مطابق جو سمجھ میں آتا بتا دیتے[1]۔

قرآن مجید | حضرت عائشہؓ کے استنباط کا اصول یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن مجید پر نظر کرتی تھیں، اگر اس میں ناکامی ہوتی تو احادیث کی طرف رجوع کرتیں، پھر قیاس عقلی کا درجہ تھا علم حدیث میں گزر چکا ہے کہ ایک صاحب نے متعہ کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو انھوں نے حسب ذیل آیت اس کی حرمت کی سند میں پیش کی[2]۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ	اور جو لوگ اپنی عصمت کی حفاظت کرتے
اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ	ہیں، لیکن اپنی بیویوں کے ساتھ یا اپنی
اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ۔	باندیوں کے ساتھ ان پر کوئی
(مومنون ۱۰) (قد افلح)	ملامت نہیں۔

ممتوعہ نہ بیوی ہے نہ باندی ہے، اس لیے متعہ جائز نہیں۔

ایک شخص نے پوچھا کہ اہل عجم اپنے تہواروں میں جو جانور ذبح کرتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے، فرمایا خاص اس دن کے لیے جو جانور ذبح کریں وہ جائز نہیں[3]، اس حکم کے استنباط میں انھوں نے غالباً حسب ذیل آیت کو مبنیٰ قرار دیا ہے۔

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ،	اور جو جانور غیر خدا کے نام سے ذبح کیا
(بقرہ - ۲۱)	جائے وہ تم پر حرام ہے۔

---

[1] ابن سعد وغیرہ میں ان بزرگوں کے تراجم دیکھو، [2] عین اور اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم، [3] تفسیر ابن کثیر آیت مذکور بحوالہ قرطبی

حضرت زید بن ارقم رضؓ نے ایک عورت ۸۰۰ میں اُدھار ایک لونڈی خریدی اور شرط کی کہ جب وظیفہ کا روپیہ ملے گا تو ادا کر دیں گے، اسی اثنا میں انھوں نے اسی عورت کے ہاتھ اسی لونڈی کو ۶۰۰ نقد میں بیچ ڈالا، اس عورت نے معاملہ کی اس صورت کو حضرت عائشہ رضؓ کے سامنے پیش کیا، تو فرمایا تم نے بھی بُرا کیا اور زید بن ارقم رضؓ نے بھی، اُن سے کہدینا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کا جو ثواب حاصل کیا تھا وہ باطل ہو گیا، لیکن یہ کہ وہ توبہ کرلیں۔

مطلب یہ کہ حضرت عائشہ رضؓ نے اس خاص صورت میں اس ۲۰۰ کی زیادتی کو سود قرار دیا، بعض روایتوں میں یہیں تک واقعہ مذکور ہے، اس لیے اختلاف ہی، کہ حضرت عائشہ رضؓ نے اس کا کیونکر فیصلہ کیا، لیکن مصنف عبدالرزاق اور سنن دارقطنی کی دوسری روایت میں تصریح ہے کہ ان کا ماخذ حسب ذیل آیت تھی[1]۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط۔ (بقرہ - ۳۸)	جس کو اپنے پروردگار کی طرف سے (سود کے بارہ میں) نصیحت آچکی تھی، پھر باز آیا تو اس کو اسی قدر لینا چاہیئے، جس قدر پہلے دیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کے بعد عورت کو تین "قرو" تک انتظار کرنا چاہیئے، یعنی عدت کا زمانہ تین قرو ہے، قرو کے معنی میں اختلاف ہی، حضرت عائشہ رضؓ کی بھتیجی کو انکے شوہر نے طلاق دی، تین طُہر گزر کر جب نیا مہینہ آیا تو انھوں نے شوہر کے گھر سے ان کو بلوالیا، اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا، کہ یہ قرآن کے خلاف ہی اور ثلاثۃ قروء کی آیت سے استدلال کیا، ام المومنین رضؓ نے کہا، ثلاثۃ قروء صحیح ہے، لیکن جانتے ہو قرو، کیا ہے،

---

[1] مسند احمد، مصنف عبدالرزاق، سنن بیہقی، سنن دارقطنی کتاب البیوع، بعض لوگوں نے راوی ذیل کو مجہول لکھا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں۔

قروء سے مراد طہر ہے، امام مالک اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں[1] کہ مدینہ منورہ کے تمام فقہا نے حضرت عائشہؓ کی پیروی کی ہے، اہلِ عراق قروء سے ایام مخصوصہ مراد لیتے ہیں۔

حدیث | قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے، مسئلہ یہ پیش ہوا کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق لے لینے کا اختیار عطا کر دے اور بیوی اس اختیار کو واپس کر کے اپنے شوہر ہی کو قبول کرلے تو کیا بیوی پر کوئی طلاق پڑے گی، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوجائے گی، حضرت عائشہؓ کے نزدیک اس صورت میں ایک طلاق بھی واقع نہ ہوگی اس ثبوت میں انھوں نے تخییر کا واقعہ پیش کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو اختیار دیا کہ خواہ دنیا قبول کریں یا کاشانۂ نبوت میں رہ کر فقر و فاقہ پسند کریں۔ سب نے دوسری صورت پسند کی، کیا اس سے ازواجِ مطہراتؓ پر ایک طلاق واقع ہوگئی[2]۔

کسی غلام کو جب کوئی آزاد کرتا ہے، تو باہم آقا اور غلام میں ولایت کا ایک رشتہ قائم ہوجاتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ ترکہ میں شرکت ہو سکتی ہے، غلام قانوناً اس کا ہم نسب قرار دیا جائے گا، اسی بنا پر ولایت کو اہمیت حاصل ہے، ایک غلام نے حاضر ہو کر عرض کی، میں عتبہ ابن ابی لہب کی غلامی میں تھا، دونوں میاں بیوی نے مجھے بیچ ڈالا اور شرط یہ کی کہ ولایت انہی کے ہاتھ میں رہے گی، اب میں کس کا مولیٰ ہوں؟ فرمایا بریرہ کا یہی واقعہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو فرمایا کہ بریرہ کو خرید کر آزاد کردو، ولایت تمھیں کو حاصل رہے گی، گو خریدار احکام الٰہی کے خلاف جس قدر شرطیں چاہیں لگائیں[3]۔

حضرت بریرہؓ ایک لونڈی تھیں، اُن کے قدیم آقاؤں نے ان کو اس شرط کے ساتھ بیچنا چاہا کہ ولایت کا حق ان کو ملے، بریرہؓ حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور اپنی حالت عرض کی، حضرت عائشہؓ نے خریداری کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن ولایت والی شرط منظور نہیں

---

[1] موطا امام مالک میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے، کتاب الطلاق، [2] صحیح بخاری باب من خیر نسارہ [3] سنن بیہقی کتاب البیوع،

کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو صورتِ حال دریافت کی، فرمایا کہ تم بے تکلف خرید کر آزاد کردو، خلافِ قانون شرطیں خود کالعدم ہو جائیں گی، وہ آزاد ہوئیں تو اپنے شوہر کو جن سے غلامی میں شادی ہوئی تھی، قبول نہ کیا، لوگ ان کو صدقہ دیتے، وہ لے لیتیں اور اس میں سے کبھی کچھ کھانے کی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہدیۃً پیش کرتیں تو آپ قبول کرلیتے۔

یہ معمولی واقعات ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے اُن سے فقہ و قانون کے متعدد کلیات استنباط کیے، فرماتی تھیں، بریرہؓ کے ذریعہ سے اسلام کے تین احکام معلوم ہوئے[1]۔

۱۔ لولاء لمن اعتق، یعنی ولایت کا حق آزاد کنندہ کو ملے گا۔

۲۔ غلامی کی حالت میں اگر ایک غلام اور ایک لونڈی کا بیاہ ہوا ہو اور بیوی آزاد ہو جائے اور شوہر غلامی کی حالت میں رہے تو بیوی کو حق حاصل ہے کہ اپنے اس سابق شوہر کو شوہری میں قبول کرے یا نہ کرے۔

۳۔ اگر کسی مستحق کو صدقہ کا کوئی مال ملے اور وہ اپنی طرف سے غیر مستحق کو ہدیۃً پیش کرے تو اس غیر مستحق کو اس کا لینا جائز ہوگا، یعنی اس کی حیثیت بدل جائے گی۔

بعض استنباطات ایسے ہیں جن کی تفصیل گو خود انھوں نے نہیں، لیکن اُن کے سلسلہ بیان میں ایسے اشارات ہیں جن پر فقہا اور مجتہدین نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کرلی ہیں، حجۃ الوداع میں کم و بیش ایک لاکھ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تمام اکابر صحابہ ہمرکاب تھے۔ اس سفر میں جو واقعات پیش آئے وہ سب کو یاد تھے اور حضرت عائشہ رضؓ نے بھی اپنے واقعات محفوظ رکھے اور وہ احادیث میں بتمامہا مذکور ہیں لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے جو واقعہ بیان کر دیا ہے وہ فقہاء اور مجتہدین کے اصول میں داخل ہو گیا ہے حضرت عائشہ رضؓ اثنائے حج میں معذور ہو گئی تھیں، اس کا ان کو بہت صدمہ تھا، آنحضرت

---

[1] صحیح بخاری باب الحرۃ تکون تحت العبد۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تشفی کی، اور آپ کے حکم سے تنعیم جاکر احرام کے ساتھ انھوں نے طواف کیا[۱]۔ حافظ ابنِ قیم اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہیں، وَحدیث عائشۃ ھٰذا یوخذ منہ اصول عظیمۃ من اصول المناسک حضرت عائشہ رضؓ کی اس حدیث سے حج کے چند عظیم الشان اصول، قواعد مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ جو شخص ایک ساتھ حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرے (قارن) اس کے لیے دونوں کے واسطے ایک ہی طواف اور سعی کافی ہے۔

۲۔ طواف القدوم "معذوری" کی حالت میں عورت سے ساقط ہو جاتا ہے۔

۳۔ حج کے بعد عمرہ کی نیت کرلینا معذور عورت کے لیے جائز ہے۔

۴۔ عورت معذوری کی حالت میں خانۂ کعبہ کے طواف کے علاوہ، حج کے اور تمام مناسک ادا کرسکتی ہے۔

۵۔ تنعیم، حرم میں داخل نہیں، وہ حل ہے۔

۶۔ عمرہ ایک سال میں دو دفعہ بلکہ ایک مہینہ میں دو دفعہ ادا ہوسکتا ہے۔

۷۔ جو شخص متمتع ہو، یعنی جس نے حج اور عمرہ کی علیحدہ علیحدہ نیت کی ہو اور اس کو خوف ہو کہ عمرہ فوت نہ ہو جائے تو وہ حج کے بعد عمرہ ادا کرسکتا ہے۔

۸۔ عمرۂ مکیّہ کے جواز کا استدلال صرف اس واقعہ سے کیا جاتا ہے[۲]۔

حضرت صفیہؓ کا ایک واقعہ ہے کہ حج میں وہ آخری طواف سے پہلے معذور ہوگئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ اس سے پہلے طواف نہیں کرلیا تھا، حضرت عائشہ رضؓ نے اس واقعہ سے یہ مسئلہ استنباط کیا کہ آخری طواف ضروری نہیں اور معذور عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ حج کے زمانہ میں جو عورتیں ان کی اقتدا کرتی تھیں، وہ اسی مسئلہ پر عمل کرتی تھیں[۳]۔

---

[۱] موطا امام مالک افاضۃ الحائض، [۲] زاد المعاد جلد اوّل ص ۲۰۷ مصر، [۳] موطا امام مالک افاضۃ الحائض

قیاس عقلی | اس کے بعد قیاس عقلی کا درجہ ہے، قیاس عقلی کے یہ معنی نہیں کہ ہر کس و ناکس صرف اپنی عقل سے شریعت کے احکام کا فیصلہ کردے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ علماء جو شریعت کے رازداں اور علوم دینی کے ماہر ہیں، کتاب وسنت کی ممارست سے ان میں یہ ملکہ پیدا ہوجاتا ہے کہ ان کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس ملکہ کی بنا پر سمجھ لیتے ہیں کہ اگر شارع علیہ السلام زندہ ہوتے، تو اس کا یہ جواب دیتے، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی لائق وکیل کے سامنے کسی خاص عدالت کے نظائر اس کثرت سے گزریں کہ گزشتہ نظائر پر قیاس کرکے کسی خاص مقدمہ کی نسبت یہ رائے دیدے، اگر اس عدالت کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوگا تو یہ فیصلہ ہوگا، شریعت کے نظائر اور فیصلوں سے حضرت عائشہ رض جس قدر آگاہ تھیں آپ کو معلوم ہے اس لیے ان کے قیاس عقلی کی غلطی کی بہت کم امید ہوسکتی ہے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عموماً عورتیں مسجدوں میں آتی تھیں اور جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتی تھیں، مردوں کے بعد بچوں کی اور ان کے پیچھے عورتوں کی صفیں ہوتی تھیں، آپ نے عام حکم دیا تھا کہ لوگ عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکیں، ارشاد تھا۔

لاتمنعوا اماء اللہ من مساجد اللہ،	خدا کی لونڈیوں کو خدا کی مسجدوں سے روکا نہ کرو۔

عہد نبوت کے بعد مختلف قوموں کے میل جول، تمدن کی وسعت اور دولت کی فراوانی کے سبب سے عورتوں میں زیب و زینت اور رنگینی آچلی تھی، یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رض نے فرمایا "اگر آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے، خاص الفاظ یہ ہیں۔

عن عمرۃ عن عائشۃ قالت لو ادرک رسول اللہ	عمرہ حضرت عائشہ سے روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے فرمایا، عورتوں نے

صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل۔

اب جو نئی باتیں پیدا کی ہیں، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں ہوتے، اور دیکھتے تو جس طرح یہود کی عورتیں مسجدوں میں آنےسے روک گئی ہیں، یہ بھی روک دیجاتیں[1]

اس رائے پر گو اس وقت عمل نہ ہوا، لیکن اس استنباط کا منشاء، وہی قیاس عقلی ہے،

۲۔ حضرت ابوہریرہ رض کا فتوٰی تھا کہ جو مردہ کو غسل دے اس کو غسل کرنا چاہیئے اور کوئی جنازہ اٹھائے تو دوبارہ وضو کرے، حضرت عائشہ رض نے سُنا تو فرمایا۔

او ینجس موتی المسلمین وما علی رجل لو حمل عودا۔

کیا مسلمان مردہ بھی ناپاک ہوتا ہے اور اگر کوئی لکڑی اٹھائے تو اسکو کیا ہوتا ہے[2]

۳۔ شرعی غسل کے ضروری ہونے کے لیے خروج ماء کی ضرورت ہے یا نہیں؟ حضرت جابر رض کہتے تھے، ضروری ہے کہ الماء من الماء، حضرت عائشہ نے سُنا تو پہلے اس کے خلاف ایک حدیث پیش کی، اس کے بعد فرمایا اگر کوئی ناجائز فعل کا مرتکب ہو اور خروجِ ماء نہ ہو تو رجم کروگے پھر غسل کیوں نہ ضروری ہو[3]۔

سنن کی تقسیم فقہ کا ایک بڑا نازک نکتہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افعال صادر ہوئے، ان میں سے کون مذہبی حیثیت سے اور کون محض عادت کے طور پر یا کسی خاص وقتی مصلحت سے انجام پائے، آپ سے جو فعل صادر ہو، اُس کو سُنّت کہتے ہیں، فقہاء نے اول سنّت کو دو قسموں پر منقسم کیا ہے، عبادی اور عادی، عبادی وہ افعال ہیں جو ثواب کی نیت سے عبادت کے طور پر انجام پائیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں، موکدہ جس کو آپ نے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی ترک نہ فرمایا ہو، سنّتِ مستحبہ یعنی جس کو کبھی کبھی ترک بھی فرمایا ہو، عادی وہ فعل ہے جس کو آپ ثواب

۱؎ صحیح بخاری جلد ۱ باب خروج النساء الی المساجد ۲؎ عین الاصابہ سیوطی، بحوالہ ابومنصور بغدادی

۳؎ عین الاصابہ سیوطی بحوالہ یعقوب بن سفیان۔

کے لیے عبادت کے طور پر نہیں، بلکہ بطور عادت کیا کرتے تھے یا کسی ذاتی یا وقتی ضرورت سے آپ نے کبھی کیا، امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ عادی کا اتباع ضروری نہیں، البتہ اہلِ محبت طلبِ برکت کے لیے ان افعال کا اتباع بھی محبت کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔

ع ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے فقہاء سے پہلے خود بھی یہ اصول ذہن نشین کر لیے تھے، تراویح کے متعلق ان سے اور صرف ان سے مروی ہے کہ رمضان میں تین روز آپ نے باجماعت تراویح پڑھائی، چوتھے دن آپ تشریف نہ لائے، صبح کو صحابہ سے فرمایا کہ میں اس لیے نہیں آیا کہ میں ڈرا کہ تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس کا علم تھا، کہ دوام کے ساتھ جس فعل کو آپ ادا فرمائیں وہ موکد ہو جاتا ہے اور جس کو کبھی کبھی ترک فرما دیں، وہ وجوب اور تاکید کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔

صحابہ میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ عبادی اور عادی سنن کی تقسیم نہیں کرتے تھے اُن کے نزدیک آپ نے جو فعل جس سبب سے بھی کیا، وہ سنت ہے، اسی لیے وہ سفر کے منازل تک میں بھی آپ کی پیروی کرتے تھے، اگر کسی منزل میں اتفاق سے آپ نے طہارت فرمائی تو وہ بھی بلا ضرورت طہارت کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ابنِ عباس رضؓ اس تفریق کے قائل تھے، حج کے موقع پر وادی ابطح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا تھا لیکن وہ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں، صحیح مسلم اور مسند احمد میں ہے۔

نزول الابطح لیس بسنة انما	ابطح میں منزل کرنا سنت نہیں، وہاں
نزلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ	آپ اس لیے اتر پڑے تھے کہ وہاں سے
کان اسمح لخروجہ اذا خرج (بلفظ مسلم)	نکلنا آپ کے لیے آسان تھا۔

معاصرین سے اختلاف حضرت عائشہ رضؓ نے بہت سے احکام فقہی میں اپنے معاصرین سے اختلاف کیا ہے اور حق ان ہی کی جانب رہا، اور فقہائے حجاز کا زیادہ تر انہی پر عمل رہا

ہم نے اس قسم کے اخلاقی احکام کی یہ فہرست جامع ترمذی وغیرہ کتب حدیث سے انتخاب کی ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ	دیگر صحابہ رضؓ
۱۔ بوسہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔	حضرت ابن عمر رضؓ، ٹوٹ جاتا ہے۔
۲۔ جنازہ اٹھانیسے وضو نہیں ٹوٹتا	حضرت ابوہریرہ رضؓ، ٹوٹ جاتا ہے۔
۳۔ عورت کو غسل میں بال کھولنا ضروری نہیں	حضرت ابن عمر رضؓ ضروری ہے۔
۴۔ غسل التقاء سے واجب ہو جاتا ہے	حضرت جابر رضؓ خروج شرط ہے۔
۵۔ قرور سے مُراد طہر ہے	دیگر صحابہ رضؓ حیض ہے۔
۶۔ مردہ کو غسل دینے سے غسل واجب نہیں ہوتا	حضرت ابوہریرہ رضؓ واجب ہو جاتا ہے۔
۷۔ عورت کی میت کے بال نہیں سنوارنے چاہئیں[۱]	حضرت ام عطیہ رضؓ صحابیہ سنوارنے چاہئیں۔
۸۔ نماز میں عورت کے سامنے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی	حضرت ابوہریرہ رضؓ باطل ہو جاتی ہے۔
۹۔ صبح کی نماز اندھیرے وقت پڑھنی چاہیئے	حضرت رافع بن خدیج رضؓ اجالا ہو جائے تب پڑھے۔
۱۰۔ عصر میں جلدی چاہیئے۔	حضرت اُم سلمہ رضؓ تاخیر۔
۱۱۔ نماز مغرب میں جلدی چاہیئے	حضرت ابوموسیٰ رضؓ تاخیر۔
۱۲۔ بحالتِ جنابت صبح ہو جانے سے روزہ نہیں جاتا۔	حضرت ابوہریرہ رضؓ چلا جاتا ہے۔

[۱] احناف کا عمل حضرت عائشہ رضؓ کے فتویٰ پر ہے، دیکھو ہدایہ کتاب الجنائز، بحوالہ عبدالرزاق، حضرت ام عطیہ رضؓ کی حدیث صحاح کی اکثر کتابوں کی کتاب الجنائز میں ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ	دیگر صحابہ رضؓ
۱۳- افطار میں جلدی چاہیئے	حضرت ابو موسیٰ رضؓ، تاخیر
۱۴- قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانا جائز ہے۔	حضرت علی رضؓ و حضرت ابنِ عمر رضؓ نہیں۔
۱۵- حج میں وادی محصب میں اُترنا سنّت نہیں۔	حضرت ابنِ عمر رضؓ سنّت ہے۔
۱۶- حج میں بال منڈانے کے بعد خوشبو ملنا جائز ہے۔	حضرت ابنِ عمر رضؓ نہیں
۱۷- کعبہ میں قربانی بھیجنے سے بھیجنے والے پر حج کی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں	ـرت ابنِ عبّاس رضؓ، عائد ہو جاتی ہیں۔
۱۸- حج میں حائض کو طوافِ وداع کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے	حضرت عمر رضؓ، کرنا چاہیئے (موطا مع زرقانی)
۱۹- حج میں عورت زعفرانی کپڑے پہن سکتی ہے۔	حضرت عمر رضؓ، مکروہ ہے (بخاری، فتح الباری باب مایلبس المحرم من الثیاب)
۲۰- حج میں عورت کو صرف کسی طرف کا ذرا سا بال ترشوا دینا کافی ہے۔	حضرت ابنِ زبیر رضؓ، کم از کم چار اُنگل ضروری ہے۔
۲۱- زیور میں زکوٰۃ نہیں (جیسا کہ بعض روایات میں ان کی طرف منسوب ہے،	زکوٰۃ ہے۔
۲۲- یتیم و نابالغ کے مال میں بھی زکوٰۃ ہے۔	حضرت ابن مسعود رضؓ، نہیں۔
۲۳- کوئی حاملہ اگر بیوہ ہو جائے تو اس کی عدت کی مدت وضع حمل ہے	حضرت ابنِ عبّاس رضؓ، بیوگی کی عام عدت اور حمل کی مدت میں جو زمانہ زیادہ ہوگا .....

حضرت عائشہ رضؓ	دیگر صحابہ رضؓ
	وہی عدّت کا زمانہ ہوگا۔
۲۴۔ اگر شوہر بیوی کو طلاق اور مفارقت کا اختیار دیدے اور بیوی اس اختیار کو واپس کر کے شوہر ہی کو پسند کرے تو طلاق نہ ہوگی	حضرت زید بن ثابت رضؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، ایک طلاق ہوگی۔
۲۵۔ اگر بالغ آدمی بھی کسی عورت کا دودھ پئے تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے	دیگر امہات المومنین نہیں ثابت ہوتی۔[1]

[1] واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو حذیفہ رضؓ صحابی کے ایک نابالغ غُلام سالم تھے، جو مولی ابی حذیفہ کی نسبت سے مشہور ہیں، وہ اپنے آقا کے گھر میں رہتے تھے اور زنانہ میں آمد و رفت رکھتے تھے، اور حضرت ابو حذیفہ رحؒ کی بیوی سہلہ بنت سہیل کا اُن کے سامنے پردہ نہ تھا، جب سالم بالغ ہوئے تو حضرت ابو حذیفہ رضؓ کو اپنی بیوی کا ان سے پردہ نہ کرنا پسند نہ آیا، وہ بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب سالم بالغ ہوئے ہیں سمجھتی ہوں کہ میرا ان کے سامنے آنا ابو حذیفہ کو ناگوار ہے۔ فرمایا کہ سالم کو اپنا دودھ پلا دو تو ابو حذیفہ رحؒ کی یہ ناگواری دُور ہو جائیگی، چنانچہ انکی بیوی نے اسی پر عمل کیا اور واقعتًا اس کے بعد حضرت ابو حذیفہ کی وہ ناگواری دُور ہو گئی، اس واقعہ کی بنا پر حضرت عائشہ رضؓ کا مسلک یہ تھا کہ بالغ لڑکے کو بھی اگر کسی عورت نے دودھ پلایا تو رضاعت کی حرمت ثابت ہو جائے گی، لیکن دیگر ازواج مطہرات نے اس اجازت کو مخصوص حضرت سالم اور حضرت ابو حذیفہ رضؓ کی بیوی کے متعلق سمجھا اور اسکو حکم عام نہیں مانا، ائمہ مجتہدین میں امام داؤد ظاہری کے علاوہ جمہور ائمہ اور فقہاء ازواجِ مطہرات کے ساتھ ہیں، صرف داؤد ظاہری نے اسی حدیث کی بنا پر حضرت عائشہ رضؓ کا مسلک اختیار کیا، اور دوسری صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے کہ حرمت صرف بچپن کی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے اور کلامِ پاک میں بھی رضاعت کی مدت دو سال بتائی گئی ہے، اس لیے جمہور فقہاء نے اس باب میں حضرت عائشہ رضؓ کے مسلک کو قبول نہیں کیا۔ (شرح صحیح مسلم نووی باب رضاعۃ الکبیر۔

حضرت عائشہؓ	دیگر صحابہؓ
۲۶- رضاعت کم از کم پانچ گھونٹ دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔	بعض[1] صحابہؓ ایک گھونٹ بھی پی لے تب بھی ثابت ہوجاتی ہے۔
۲۷- جب تک غلام پر ایک حبہ بھی واجب الادا ہے وہ مکاتب ہے،	حضرت زید بن ثابتؓ، ایک درہم سے کم ہو تو مکاتب نہیں[2]۔
۲۸- چوری کے مال کی قیمت اگر کم سے کم تین درہم بھی ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا[3]	حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن مسعودؓ، دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہونا چاہیے[4]۔
۲۹- اگر شوہر کو ڈرا دھمکا کر اس کی مرضی کے خلاف اس سے بیوی کو طلاق دلوائی جائے یا کسی آقا سے غلام آزاد کرایا جائے تو نہ طلاق واقع ہوگی نہ غلام آزاد ہوگا۔ لاطلاق ولا اعتاق فی الاغلاق	ائمۂ احناف کے نزدیک طلاق واقع ہوجائیگی اور غلام بھی آزاد ہوجائے گا۔
۳۰- جنکو تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ بھی زمانۂ عدت تک اپنے شوہر کے گھر رہے	حضرت فاطمہؓ بنت قیس، وہ شوہر کے گھر نہ رہے۔
۳۱- اگر کوئی دو بیٹیاں ایک پوتی، اور ایک پوتا چھوڑ دے، تو ثلث بیٹیوں کا حصہ ہوگا اور باقی میں پوتی اور پوتے دونوں کا حصہ ہوگا۔	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، باقی حصہ صرف پوتے کا ہے، پوتی کو کچھ نہیں ملے گا۔

ان کے علاوہ حضرت عائشہؓ کے فقہی مسائل کا اور بہت بڑا ذخیرہ ہے، جس کا اکثر حصہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب العتاق۔ [2] نسائی میں ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا یہی مذہب تھا۔

[3] بخاری سرقہ و حدود [4] دارقطنی کتاب الحدود و مسند دارمی۔ کتاب الفرائض

امام مالک کی موطا میں محفوظ ہے، اور مدینہ کی فقہ کی اس پر بنیاد ہے۔

علم کلام وعقائد

اسلام ایک سادہ دین ہے، اس کے عقائد بھی سیدھے سادھے تھے، لیکن غیر مذہب والوں کے میل جول اور عقلی بحث مباحثوں کے سبب سے صحابہ کے اخیر زمانہ میں نئی نئی بحثیں پیدا ہونی شروع ہو گئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر مسئلہ کا قطعی فیصلہ صرف آپ کا ارشاد تھا، جس کو جو شک پیدا ہوا اس نے جا کر تسلی کر لی، اس عہد مبارک کے بعد ایسے موقعوں پر مسلمانوں نے صحابۂ کرام کی طرف رجوع کیا، ان کو اس باب میں کوئی صریح آیت یا حدیث معلوم ہوتی تو پیش کر دی جاتی، ورنہ کتاب وسنت کے درمیان ان کے جواب دیئے جاتے، اس سلسلہ میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایات ثابت ہیں، ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خدا کے لیے اعضا کا اطلاق

دوسری صدی ہجری میں حضرت عائشہ رضؓ کے زمانہ کے بہت بعد اس مسئلہ نے بہت وسعت حاصل کی تھی، کہ خدا کے لیے قرآن مجید اور احادیث میں ہاتھ پاؤں آنکھ، مختلف اعضاء کا اطلاق ہوا ہے، اُن سے مراد ان کے حقیقی معنی ہیں یا مجازی، مثلاً ہاتھ سے یہی ہاتھ مراد ہے یا قدرت؟ آنکھ سے بصارت مقصود ہے یا علم؟ وغیرہ، گو عام صحابۂ کرام سے اس مسلک کی تفصیل منقول نہیں، لیکن سلف صالحین کا عقیدہ یہی ہے کہ ان صفات الٰہی پر یقین کیا جائے، اور ان کے حقیقی لغوی معنوں پر ایمان رکھا جائے اور ان کی تفصیل میں نہ پڑا جائے حضرت عائشہ رضؓ کا میلان اسی مسلک کی طرف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ بخاری میں ان کا قول مذکور ہے۔

الحمد للہ الذی وسع سمعہ الاصوات "اس خدا کی حمد جس کے کان میں تمام آوازوں کی بنچ ئش ہے

رویتِ باری تعالیٰ معتزلہ اور معتزلہ کے ہم خیال لوگوں کا اعتقاد ہے کہ خدا کا دیدار نہ اس دنیا میں کسی کو ہو سکتا ہے نہ آخرت میں، جمہور اسلام نہ صرف اس کے امکان بلکہ وقوع کے قائل ہیں۔ اہلِ حق کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں نہیں ہو سکتا، لیکن آخرت میں اس کا دیدار اس طرح ہوگا جس طرح چودھویں کا چاند سب کو ایک ساتھ نظر آتا ہے، مگر حضرت عائشہ رضؓ سے نہایت مصرح روایتیں مروی ہیں، انھوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ "جو شخص تم سے یہ کہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ بولا" اس دعوے پر انھوں نے قرآن مجید کی دو آیتوں سے استدلال کیا ہے اور آج تک معتزلہ کو اس سے زیادہ قوی دلیلیں قرآن مجید سے نہیں مل سکی ہیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ	اس کو (خدا کو) نگاہیں نہیں پا سکتیں
الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ	اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، اور وہ
(انعام۔ ۳۰)	لطیف اور خبردار ہے۔

یعنی چونکہ "وہ لطیف ہے، اس لیے نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں، اور چونکہ وہ خبردار اور آگاہ ہے، اس لیے وہ سب کی نگاہوں کو پالیتا ہے، دوسری آیت یہ ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا	اور کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ
وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ	اس سے (خدا سے) باتیں کر سکے مگر
(شوریٰ۔ ۵)	وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی اوٹ سے

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے قائل تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوئے تھے اور سورہ نجم کی ان آیتوں سے استدلال کرتے تھے۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (نجم ۱)	اور اس کو دوبارہ اترتے دیکھا،
لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى	پیغمبر نے خدا کی بڑی نشانیوں کو دیکھا،

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ جبرئیل ہیں، چنانچہ مسلسل

آیتوں کے پڑھنے سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ	پیغمبر کو ایک طاقتور نے سکھایا اور وہ
فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى	افق اعلیٰ پر تھا، پھر قریب آیا، پھر لٹکا،
ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ	پھر دو کمانوں کے برابر نزدیک تھا،
قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ	پھر اس کے بندے (یا اپنے بندے) کی
مَآ اَوْحٰى، مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ	طرف وحی کی جو کچھ وحی کی قلب نے
مَا رَاٰى، اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى	جو کچھ دیکھا، اس میں جھوٹ نہیں بولا،
مَا يَرٰى، وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً	کیا وہ جو کچھ دیکھتا ہے، اس پر تم اس سے
اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى	جھگڑتے ہو، حالانکہ اس نے اس کو دوبارہ
(النجم - ۱)	اترتے دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس،

ان روایات کی بنا پر معتزلہ حضرت عائشہؓ کو رویتِ باری کے منکروں میں شمار کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اس عالم میں رویت کی قائل نہیں ہیں، قیامت کی رویت کی منکر نہیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں[۱]۔

مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى	جو تم سے بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے
رَبَّهٗ فَقَدْ كَذَبَ،	(معراج میں) اپنے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ بولا۔

اس سے مقصود معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونے کا انکار ہے، نہ کہ آخرت میں، اس لیے حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کو مطلق انکارِ رویت کے عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

علم غیب غیب کی باتیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، عالم الغیب ہونا، صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہی غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے۔

---

[۱] ان روایات کیلئے صحیح بخاری اور جامع ترمذی تفسیر سورہ نجم اور مسند جلد ۶ ص ۲۴۱ دیکھو۔

آیت میں ہے۔

لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (نمل۔ ۵)	جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں، غیب کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر کے خصائص میں غیب کی ساری باتوں کا جاننا بھی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے سختی کے ساتھ انکار فرمایا، فرماتی تھیں کہ "جو تم سے یہ بیان کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں جانتے تھے، وہ جھوٹا ہے"۔ استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے کرتی تھیں[1]۔

وَمَا تَدْرِی نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا	اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا

جب کوئی نہیں جانتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی خبر نہیں ہوگی، اس سے غیب کے کلی علم کی نفی ہوتی ہے۔

ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ چند چھوکریاں کچھ گا رہی تھیں گاتے گاتے یہ مصرع پڑھا۔

وَفِینَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِی غَدٍ،	ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے،

آپ نے فرمایا، "یہ نہیں وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں[2]"۔

اس ارشاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے علم غیب کلی کے دعویٰ کی نفی ہوتی ہے، ہاں البتہ اللہ تعالیٰ غیب کے بعض امور سے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اپنی مصلحت و حکمت کے مطابق مطلع فرماتا رہتا ہے۔

پیغمبر اور اخفائے وحی | پیغمبر کی نسبت یہ سوء ظن نہیں ہو سکتا کہ اس کو جو کچھ وحی ہوتی ہے اس میں سے وہ کچھ چھپا لیتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو تم سے یہ بیان کرے کہ محمد

---

[1] صحیح بخاری تفسیر نجم۔ [2] صحیح بخاری کتاب النکاح،

صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے احکام میں سے کچھ چھپالیا، اور مخلوق پر ظاہر نہیں، تو اس کو سچ نہ جانیو، خدا فرماتا ہے[1]۔

یَآاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط (مائدہ۔ ۱۰)	اے پیغمبر خدا کی طرف سے تجھ پر جو کچھ اُترا وہ لوگوں کو پہنچا دے، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تُو نے پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔

حضرت عائشہ اس دعوے پر ایک اور واقعہ سے استدلال کرتی ہیں، دنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری کا بھی رؤس الاشہاد اعلان کرے، حالانکہ قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں پیغمبر کو اسکی اجتہادی خطاؤں پر تنبیہ کی گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منھ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا، جہلائے عرب کے نزدیک سخت اعتراض کے قابل تھا س واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں بتصریح مذکور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی کسی وحی کو چھپا سکتے، تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے[2] (تاکہ جاہلوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ط (احزاب۔ ۵)	اور جب تم اس شخص سے (زید سے) کہہ رہے تھے، جس پر خدا نے احسان کیا، اور تم نے احسان کیا کہ اپنی بیوی اپنے پاس رکھو اور خدا سے ڈرو، اور دل میں تم وہ چھپائے ہو، جس کو خدا ظاہر کرنیوالا ہے۔ تم لوگوں سے ڈرتے ہو، حالانکہ خدا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

---

[1] صحیح بخاری باب قول اللہ یاایہا الرسول بلغ۔ [2] مسند احمد جلد ۶، ص ۲۳۳۔

حالانکہ ایسا نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ وحی آئی وہ سب بے کم وکاست آپنے تمام مسلمانوں پر ظاہر فرمادی۔

انبیار معصوم ہیں | سورہ یوسف میں ایک آیت ہی جس کی قرأت میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ میں اختلاف ہی، حضرت ابن عباسؓ اس طرح پڑھتے ہیں۔

وَظَنُّوۡٓا اَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُوۡا۔ — پیغمبروں نے گمان گیا کہ اُن سے جھوٹ وعدہ کیا گیا۔

یعنی خدا نے اُن سے جھوٹا وعدہ کیا، حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد نے پوچھا، کیا یہ صحیح ہے؟ فرمایا۔

مَعَاذَ اللّٰهِ لَمۡ تَكُنِ الرُّسُلُ تَظُنُّ ذٰلِكَ بِرَبِّهَا۔ — معاذاللہ! پیغمبر خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے۔

حضرت عائشہؓ كُذِّبُوۡا پڑھتی تھیں، یعنی وہ اپنی قوم کی طرف سے جھٹلائے گئے یعنی جب عذاب الٰہی آنے میں دیر ہوئی تو ان کو ڈر ہوا کہ کہیں کفار ان کو عذاب الٰہی کے آنیکی پیشینگوئی کرنے میں جھوٹا نہ سمجھیں، لیکن اس مایوسی کے قریب ہونے کے بعد عذاب الٰہی آجاتا ہے، کفار ہلاک ہوتے ہیں اور انبیار علیہم السلام کی نصرت ہوتی ہے۔

معراج رُوحانی | بعض روایتوں کے مطابق اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی تھی یا روحانی؟ بیداری میں ہوئی تھی، یا خواب میں۔ قرآن مجید نے اس کو رویا کہا ہے۔

وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِيۡۤ اَرَيۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ۔ (بنی اسرائیل - ۶) — اور ہم نے تجھ کو جو خواب دکھایا، وہ نہیں دکھایا، لیکن اس لیے کہ وہ لوگوں کے لیے آزمائش ہو۔

ے صحیح بخاری آخر تفسیر سورۂ یوسفؑ

قرآن مجید نے دوسری جگہ اس کو رویتِ قلب کہا ہے،

مَاكَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (نجم - ۱)	قلب نے جو کچھ دیکھا اُس میں وہ جھوٹ نہیں بولا۔

صحاح کی ایک روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ اس وقت بین النائم والیقظان یعنی کچھ سوتے کچھ جاگتے تھے، ایک روایت میں معراج کے تمام مشاہدات وواقعات کے ذکر کے بعد آخری لفظ ہے، فَاسْتَيْقَظْتُ پھر میں جاگ پڑا، ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ معراج روحانی کی قائل تھیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

قال ابن اسحاق وحدثنی	ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضؓ
بعض اٰل ابی بکران عائشه	کے خاندان کے ایک آدمی نے مجھ سے
زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت	کہا کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی تھیں کہ آپؐ
تقول ما فقد جسد رسول اللہ	کا جسم گم نہیں پایا گیا، بلکہ انکی روح
صلے اللہ علیہ وسلم ولکن اسری بروحہٖ[1]	کو فرشتے لے گئے۔

قاضی عیاض نے شفاء میں اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے اور قسطلانی نے حرفاً حرفاً اسی کو نقل کردیا ہے کہ معراج، حضرت عائشہ رضؓ کے لڑکپن کا واقعہ ہے اس وقت تک وہ آپؐ کے حبالۂ نکاح میں بھی نہیں آئی تھیں، بلکہ ایک روایت کے مطابق وہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں اس لیے یہ روایت صحیح نہیں[2] قاضی عیاض کا یہ اصولِ تنقید اگر صحیح ہو تو ہم کو بہت سی ایسی حدیثوں سے دست بردار ہونا پڑیگا جن کا نقطہ خود ان کے نزدیک اور جمہور محدثین کے نزدیک صحیح ہے، لیکن وہ حضرت عائشہ رضؓ کے اس زمانے سے متعلق ہیں، جب وہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، آغازِ وحی کے حالات صحاح میں حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ کسی نے مفصل بیان نہیں کئے، بلکہ اُنہی کی روایت پر ان واقعات کے تفصیلی علم کا دارومدار ہے، اس لیے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ذکر الاسراء [2] خفاجی علی الشفاء جلد ۲، ص ۳۰۴ -

روایتِ معراج سے زیادہ خود یہی روایت آغازِ وحی اس دائرہ تنقید کے اندر ہے کہ وہ بالیقین اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں اور معراج کا واقعہ تو اس کے کئی برس بعد پیش آیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جیسا کہ زرقانی ابنِ دحیہ اور ابنِ سریح نے تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ سے یہ روایت ثابت ہی نہیں[۱]، ابنِ اسحاق جو اس کے راوی ہیں، خود بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، پھر اپنے راوی کا وہ نام نہیں بتاتے، خاندانِ ابوبکر کا ایک شخص کہتے ہیں۔ وہ راوی حضرت عائشہ رضؓ کا نام لیتا ہے، حالانکہ اس کے اور حضرت عائشہ رضؓ کے درمیان کم از کم ایک راوی اور چاہیئے، اس لیے یہ روایت حجت کے قابل ہی نہیں۔

الصحابۃ عدول اہلِ سنت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تمامتر عدول، ثقہ اور مامون تھے، تاآنکہ کسی خاص شخص کی نسبت کوئی بات عدالت وثقاہت کے خلاف ثابت نہ ہو، حضرت عثمان کے واقعہ کے بعد حضرت علی رضؓ اور امیر معاویہ رضؓ کی خانہ جنگیوں میں اہلِ مصر وعراق اور اہل شام ایک دوسرے کے حامی اور طرفدار صحابہ رضؓ کو لعن وطعن کرتے تھے حضرت عائشہ رضؓ نے اس کو حکمِ الٰہی کے خلاف سمجھا، اور اس پر قرآن مجید سے استدلال کیا۔ فرمایا

یاابن اختی اُمِرُوا ان یستغفروا لاصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسبّوا۔[۱]	اے بھانجے! حکم دیا گیا تھا کہ رسول کے صحابہ کے لیے رحمت کی دعا کریں تو یہ لوگ گالی دیتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضؓ نے یہ حکم قرآن مجید کی اس آیت سے مستنبط کیا جو مہاجرین وانصار کی تعریف کے سلسلہ میں ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا	اور ان (صحابہ) کے بعد جو نسل آئے وہ کہے کہ خداوندا ہم کو معاف کر، اور ہمارے

---

[۱] صحیح مسلم آخر کتاب التفسیر

اَلَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

حشر۔ ۱

ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے ساتھ کینہ نہ پیدا کر، اے ہمارے پروردگار تو مہربان اور رحیم ہے۔

ترتیب خلافت مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں ان سے فرمایا کہ "ابوبکر اپنے باپ اور اپنے بھائی کو بُلوا بھیجو تاکہ میں لکھ دوں، مجھے ڈر ہے کہ کوئی آرزومند (خلافت) یہ کہے کہ میں مستحق ہوں، حالانکہ خدا اور مسلمان ابوبکر کے سوا کسی اور کو نہیں چاہتے، اسی کتاب میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ایک عزیز شاگرد ابن ابی ملیکہ نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے، فرمایا، ابوبکر کو، پوچھا ان کے بعد، جواب دیا "عمر کو" سوال کیا پھر" کہا "ابوعبیدہؓ بن جراح کو" اس کے بعد چپ ہو گئیں[1]۔

قرآن مجید میں قبر کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں، البتہ برزخ (یعنی موت کے بعد اور قیامت سے پہلے) عذاب کا ذکر ضرور ہے، لیکن اس سے قبر میں عذاب ہونے کی طرف بتصریح ذہن منتقل نہیں ہوتا، چنانچہ معتزلہ اس کے اب تک منکر ہیں۔

عذاب قبر اسلام میں اس مسئلہ کی تحقیق حضرت عائشہؓ ہی کی ذات سے ہوئی، دو یہودی عورتیں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں، باتوں باتوں میں انھوں نے کہا "خدا آپ کو عذابِ قبر سے بچائے، حضرت عائشہؓ کے لیے یہ بالکل نئی آواز تھی، سُنکر چونک پڑیں، انکار کیا کہ قبر میں عذاب نہ ہوگا، پھر تسکین نہ ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دریافت کیا، فرمایا سچ ہے[2]۔ پھر حضرت عائشہؓ نے آپ کی دعاؤں کو غور سے سُنا، تو دیکھا کہ عذابِ قبر سے بھی پناہ مانگتے تھے، پہلے اُن کی گویا ادھر توجہ نہیں ہوئی تھی۔

سماع موتی مُردے سُنتے ہیں یا نہیں، صحابہ کے اقوال اس میں مختلف ہیں، حضرت عمرؓ

---

[1] صحیح مسلم فضائل ابی بکر۔ [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر۔

عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سماع کے قائل ہیں، حضرت عائشہؓ اسکی منکر ہیں، ان کا انکار صرف قیاس و عقل پر مبنی نہیں بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر آیاتِ ذیل سے ثبوت پیش کرتی ہیں[1]۔

۱۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ (نمل ۔ ۶)	۱۔ اے پیغمبر تو مُردوں کو اپنی بات نہیں سُنا سکتا۔
۲۔ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ (فاطر ۔ ۳)	۲۔ اور نہ اُن کو سُنا سکتا ہے جو قبروں میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مُردے موت کے بعد سماعت سے محروم ہیں، اِلّا یہ کہ بعض خاص حالات میں ان کو کوئی خاص آواز سنا دی جائے۔

علمِ اسرار الدین

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شریعت کے سارے احکام مصلحتوں پر مبنی ہیں، لیکن ان مصلحتوں پر بندوں کا مطلع ہونا ضروری نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے ان مصلحتوں کا بیان بھی فرما دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے احکام کے بہت سے مصالح خود بتائے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیئے اسکی مصلحتیں کبھی خود ظاہر فرما دی ہیں، اور کبھی کسی نے پوچھا تو بتا دیا ہے۔ صحابہ میں جو لوگ شریعت کے راز داں تھے، وہ بھی ان نکتوں سے بخوبی آگاہ تھے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے علم اسرار شریعت میں حجۃ اللہ البالغہ کے نام سے جو کتاب تصنیف کی ہے اس میں اس سوال کا جواب کہ جب سلف نے اسرار شریعت کے ساتھ اعتبار نہ کیا، تو تم کیونکر کر سکتے ہو، یہ

---

[1] صحیح بخاری غزوہ بدر۔

جواب دیا ہے۔

قلنا لا یضرُّ عدم تدوین السلف	ہم کہتے ہیں کہ سلف کا اس علم کا مدوّن
ایاہ بعد ما مھد النبی صلی اللہ	نہ کرنا ہمارے دعویٰ کو مضر نہیں جب کہ خود
علیہ وسلم اصولہ وفرع فروعہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے اصول و
واقتفیٰ اثرہ فقہاء الصحابہ	فروع ممہد فرمائے اور فقہائے صحابہ مثلاً حضرت
کامیر المومنین عمرو علی	عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت
وکزید وابن عباس و عائشۃ	ابنِ عباسؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ نے
وغیرھم بحثوا عنہ وابرزوا	آپکی اس میں تقلید کی ان امور کی تحقیق
وجوھا منہ،	اور ان کے وجوہ ظاہر کیے۔ (مقدمہ)

اگر مجھ پر پیرو پرستی کا الزام نہ قائم نہ کیا جائے تو شاہ صاحب کی فہرست میں آخر کے بجائے سب سے اوّل حضرت عائشہؓ کا نام لکھدوں، اس سے مقصود یہ نہیں کہ ان کو دو پہلے بزرگوں سے اسرارِ شریعت کی زیادہ واقفیت تھی، بلکہ یہ ہے کہ انھوں نے ان سربمہر خزانوں کو سب سے زیادہ وقفِ عام کیا۔ چنانچہ اس دعویٰ کی دلیل احادیث کے اوراق اور صفحات ہیں۔

اوپر گزرچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں عورتیں بے تکلف مسجد نبوی میں آتی تھیں اور جماعت کی نماز میں مردوں اور بچوں سے پیچھے ان کی صف ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تاکیدی حکم تھا کہ ان کو آنے سے روکا نہ جائے، لیکن عہدِ نبوت کے انقضاء کے بعد مال و دولت کی فراوانی، اور غیر قوموں کے اختلاط نے ان کی سادگی، بے تکلفی اور پاکیزہ نفسی کو باقی نہ رکھا، حضرت عائشہؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمایا[1] اگر آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے اور عورتوں نے اب جو جدّتیں پیدا کرلی ہیں، ان کو وہ دیکھتے تو ان کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے، یہ ایک جزئی واقعہ ہے، لیکن اس سے

---

[1] صحیح بخاری باب خروج النساء الی المساجد۔

یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شریعت کے احکام مصالح اور اسباب پر مبنی ہیں اور ان کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک صاحب حضرت عائشہ رضؓ سے ملنے ... آئے، اور اندر آنیکی اجازت چاہی حضرت عائشہ رضؓ نے ان کی بھاوج کا دودھ پیا تھا، انھوں نے اجازت نہ دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو واقعہ عرض کیا، فرمایا تم کو اجازت دیدینی تھی، عرض کی اسکے بھائی نے مجھ کو دُودھ نہیں پلایا، اسکے بھائی کی بیوی نے پلایا (یعنی بھاوج اور دیور میں کوئی نسبتی تعلق نہیں ہے، جو حرمت ثابت ہو) آپ نے فرمایا، نہیں، وہ تمھارا چچا ہوا[1]، اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ احکام کے اندر مصالح عقلی کو بھی تلاش کرتی تھیں۔

اب ہم ذیل میں اُن مسائل کو لکھتے ہیں جن کے اسرار وحقائق احادیث میں حضرت عائشہ رضؓ نے ظاہر کیے ہیں۔ گو ہم نے اس کے لیے حدیث کی تمام کتابوں کا استقصار کرلیا ہی، تاہم ممکن ہو کہ بہت سی باتیں رہ گئیں ہوں والکمال للہ وحدہٗ۔

قرآن مجید کی ترتیب ونزول مقام نزول کے لحاظ سے قرآن مجید کے دو حصے ہیں، مکی اور مدنی، یعنی ایک قرآن مجید کا وہ حصہ جو مکہ میں نازل ہوا، اور دوسرا جو ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوا، یہ دونوں ٹکڑے معنوی خصوصیات کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، گو عام لوگوں کو اس کا مطلق احساس نہیں ہوتا، لیکن جو لوگ عربی زبان پر عبور کامل رکھتے ہیں، اور اس کے رموز سے واقف ہیں اور وہ صرف سورہ کے الفاظ کو سُنکر فیصلہ کرسکتے ہیں کہ مکی سورہ ہی یا مدنی، ان دونوں میں جلی امتیازات حسب ذیل ہیں۔

مکی سورتیں	مدنی سورتیں
زیادہ تر پُرجوش اور جذبات سے بھری ہوئی ہیں۔	ٹھوس اور عمیق ہیں

[1] صحیح مسلم باب الرضاعۃ۔

مکی سورتیں	مدنی سورتیں
الفاظ پرعظمت اور شاندار ہوتے ہیں	قانونی الفاظ ہوتے ہیں
زیادہ تر نصائح، مواعظ، توحید ذکر، قیامت اور آیاتِ حشر و نشر پر مشتمل ہیں	احکام اور قوانین پر مشتمل ہیں۔
ان میں اکثر قافیوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور عموماً قافیے بھی چھوٹے	قافیوں کا لحاظ کم ہے اور اگر کہیں ہے تو بڑے بڑے قافیے۔
ان میں یہود و نصاریٰ سے مناظرہ نہیں۔ سیدھی سیدھی باتیں ہیں	یہود و نصاریٰ سے بکثرت مناظرے ہیں۔
ان میں اعمال و عبادات کا مطالبہ کمتر ہے، زیادہ تر عقائد کی بحث ہے۔	ان میں اعمال و عبادت کا مطالبہ ہے
جہاد کا ذکر نہیں بلکہ صرف دعوت و تبلیغ اور نرمی کلام کا۔	دعوت و تبلیغ کے ساتھ جہاد کا حکم ہوتا ہے۔

اس فرق و امتیاز کے اکتشاف پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے، لیکن انھیں خبر نہیں کہ راز دار و محرم نبوت آج سے ۱۳۰۵ برس پہلے اس سرِّ مکتوم کو علی الاعلان فاش کر چکی تھی، صحیح بخاری میں ہے۔

اِنّما نزل اوّل ما نزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا ثاب الناس الى الاسلام ثم نزل الحرام والحلال ولو نزل اوّل شئ لا تشربوا	قرآن کی جو سب سے پہلے سورہ نازل ہوئی وہ مفصل کی سورہ ہے جس میں جنّت اور دوزخ کا ذکر ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اترا، اگر پہلے ہی یہ اترتا کہ "شراب

الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابداً
ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع
الزنا ابداً لقد نزل بمكة
وانا جارية العب بل الساعة
موعدهم والساعة ادهى
وامر وما نزلت سورة البقرة
والنساء الا وانا عنده،
(باب تاليف القرآن)

مت پیو" لوگ کہتے کہ ہم شراب ہرگز نہیں
چھوڑیں گے، اور اگر یہ اترتا کہ زنانہ کرو
تو کہتے کہ ہم ہرگز زنانہ چھوڑیں گے، مکہ میں
جب میں کھیلتی تھی، تو یہ اُترا، انکے وعدہ
کا وقت قیامت ہے اور قیامت نہایت
سخت اور تلخ چیز ہے، سورۂ بقر اور
سورۂ نسار جب اترا تو میں آپ کی
خدمت میں تھی۔

مقصود یہ ہے کہ اسلام نے اپنا اصول یہ رکھا کہ آہستہ اور رفتہ رفتہ وہ اپنی تعلیم کا دائرہ وسیع کرتا ہے، اسلام ایک جاہل قوم میں آیا، پہلے خطیبانہ اور مؤثر طریقۂ ادا سے ان کو جنت اور دوزخ کا ذکر سنایا گیا، جب لوگ اس سے متاثر ہوئے تو اسلام کے احکام، قوانین اور امر و نواہی نازل ہوئے، زنا اور شراب خواری وغیرہ عاداتِ بد کے ترک کا اگر پہلے دن مطالبہ کیا جاتا تو کون سُنتا؟ زبان اور طرزِ ادا کا فرق، معانی اور مطالب کے فرق کی بنا پر ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک موعظت و نصیحت کی کتاب کی اور قانونِ تعزیرات کی زبان ایک ہو سکتی ہے، سورۂ بقر اور نسار جس کی نسبت حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ وہ مدینہ میں نازل ہوا چونکہ مدینہ میں یہود و نصارٰی تھے، اس لیے ان میں ان سے مناظرات ہیں اور چونکہ اسلام کی دعوت یہاں کام کر چکی تھی، اس لیے ان میں احکام نازل ہوئے اور احکام و قانون کی زبان کی بنا پر انہیں قافیے کم ہیں، اور سورۂ قمر کے نزول کو مکہ میں بتاتی ہیں، اس میں قیامت کا ذکر ہے کہ آغازِ اسلام تھا، مشرکین کی تردید ہے کہ وہاں انہی سے سابقہ تھا، چھوٹے چھوٹے قافیے ہیں کہ ان سے عبارت میں رقت اور تاثیر پیدا کرنا مقصود تھا، الغرض مکی اور مدنی سورتوں میں فرق، حالات کے اختلاف کی بنا پر ہے اور حالات کے اختلاف سے زبان تعبیر اور طرزِ ادا میں فرق ہے۔

مدینہ میں اسلام کی کامیابی کا سبب یہ ایک ایسا تاریخی سوال ہے کہ جس کی نسبت یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی سے پہلے تاریخ نے اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ وہ اس قسم کے سوالات پیدا بھی کرسکے۔ آج کل بڑے بڑے مصنفین اور ارباب قلم جب ان عقدوں کو حل کرتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ آسمان کے تارے توڑ رہے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس کے سامنے یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس کی نگاہ سے یہ نکتہ پوشیدہ نہ تھا۔ مخالفوں کے ہجوم میں اسلام کی ترقی قدرتِ الٰہی کا ایک معجزہ ہے، لیکن ضرور نہیں کہ معجزہ اسباب عادی کے بغیر ہی ظہور پذیر ہوا، اللہ تعالیٰ کا اپنے فضل سے کسی شے کے ہونیکے مختلف اسباب کو ایک وقتِ مناسب میں مہیا اور مجتمع کردینا بھی تو معجزہ ہے، جو دنیا میں ہر کام کو میسّر نہیں آتا۔ ورنہ اس عالم امکان میں کوئی تحریک کبھی ناکامیاب نہ ہوتی، حالانکہ ہزاروں تحریکیں ہیں جو عدم اسباب کی بنا پر سرسبز نہیں ہوتیں۔

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ کے قبایل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ ان لڑائیوں میں ان قبایل کے اکثر ارباب ادعا قتل ہوگئے اور یہی لوگ ہمیشہ ہر تحریک کے مانع ہوتے ہیں کہ اس سے ان کی پوزیشن کو صدمہ پہنچتا ہے، انصار لڑائیوں سے اس قدر چور ہوگئے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو رحمت سمجھا اور چونکہ ارباب ادعا کا طبقہ مفقود ہوچکا تھا اس لیے ان کی راہ میں کسی نے موانع پیدا نہیں کیے، اس طریقے سے خدائے پاک نے اسلام کی ترقی کے راستے مدینہ میں صاف کردیئے تھے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

كَانَ يَوم بعاث يومًا قدّمَهُ اللّٰه	جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جسکو اللہ تعالیٰ
لرسُولِه صَلّى اللّٰه عَلَيه وَسَلّم فقدم	نے اپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے پہلے سے
رسُولُ اللّٰه صلے اللّٰه عليه وسلّم وقد افترق	پیدا کر دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ
مَلؤهم وقتلت سَرَواتهُم وخرجوا	آئے تو انکی جمعیت منتشر ہوگئی تھی اور انکے
فقدمه اللّٰه الرّسُوله فی دخلوهم	سردار مارے جاچکے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے

الاسلام۔ ~~اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انکے اسلام میں داخل ہونیکے لیے یہ واقعہ پہلے ہی سے ہے~~

(صحیح بخاری باب القسامہ فی الجاہلیۃ)

جمعہ کے دن نہانا | جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے، اس وجوب کا حضرت عائشہؓ کی زبانی سننا چاہیئے۔

کَانَ النَّاس یَنتابُون الجمعۃ مِنْ	لوگ اپنے گھروں سے اور مدینہ کی باہر
مَنَازلھم وَالعوالی فیاتون فِی	کی آبادی سے جمعہ کی نماز میں آکر شریک
الغبار یصیبُھُم الغبار والعرق	ہوتے تھے، گرد و غبار میں اَٹے ہوئے
فیخرج منھُم العرق فاتی رسُول اللہ	تھے، پسینہ چلتا تھا، ان میں سی ایک
صلی اللہ علیہ وسلم انسان منھُم وَھُوَ	آدمی آپکے پاس آیا، آپ میرے یہاں
عِندِی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وَلَو	تشریف فرما تھے، آپنے فرمایا، اس
تطھرتم لیومکم ھذا (بخاری کتاب الغسل)	دن کے لیے تم نہا لیتے۔

سفر میں دو رکعت | وہ نمازیں جو چار رکعت ہیں قصر کی حالت میں صرف دو رکعتیں ادا کیجاتی ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں، لیکن اصل واقعہ سنو فرماتی ہیں۔

فرضت الصَّلوٰۃ رکعتین ثم ھَاجرَ	مکہ میں دو دو رکعتیں فرض تھیں، جب
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففرضت اربعًا و ترکت	آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض
صلوٰۃ السفر علی الاولیٰ۔	کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی حالت
(بخاری باب ہجرت)	پر چھوڑ دی گئی۔

نمازِ صبح اور نمازِ عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت | احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ عصر کی اور صبح کی نماز پڑھ لینے کے بعد پھر کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں، بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، عبادت کا خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے، یہ حیرت اور استعجاب

حضرت عائشہؓ دور فرماتی ہیں۔

وَھِمَ عُمَرُ، اِنَّمَا نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوۃِ اَنْ یَّتَحَرّٰی طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَغُرُوْبَھَا،

عمرؓ کو وہم ہوا، آپ نے نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز پڑھے۔

مسند احمد ۶ ص ۱۲۴

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو، یا آفتاب پرستوں کے ساتھ وقتِ عبادت میں تشابہ کا گمان نہ ہو، اسی قسم کی روایتیں اور صحابہ سے بھی بخاری میں مروی ہیں۔

بیٹھ کر نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ثابت ہے کہ آپ نوافل بیٹھ کر بھی ادا فرماتے تھے، اسی لیے بعض لوگ کسی عذر کے بغیر بھی بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے تھے، حالانکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے سے آدھا ہے، ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، جواب دیا۔

حِیْنَ حَطَمَہُ النَّاسُ۔

جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا (یعنی آپ کم زور ہو گئے۔)

دوسری آیت میں ہے۔

مَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَءُ فِیْ شَیْءٍ مِنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ جَالِسًا قَطُّ حَتّٰی دَخَلَ فِی السِّنِّ

میں نے کبھی آپ کو تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھتے نہیں دیکھا، لیکن ہاں جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی۔

یہ دونوں روایتیں ابوداؤد، باب صلوٰۃ القاعد میں ہیں مسلم میں بھی (باب صلوٰۃ اللیل) اسی قسم کی روایتیں ہیں، ایک روایت ہے۔

قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ کَانَ اَکْثَرُ صَلٰوتِہٖ جَالِسًا۔

جب آپ کا بدن بھاری ہو گیا تو آپ اکثر نفل بیٹھ کر پڑھنے لگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ عذر نصف ثواب پر قناعت فرمائی ہے، اب جن کی نظر ثواب کی قلت و کثرت پر ہے، وہ تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو اچھا سمجھتے ہیں، لیکن جو محبت کے آشنا ہیں، وہ ثواب کی کثرت پر محبوب کی اتباع کو اہمیت دیتے ہیں اس لیے گو ان کو ان نفلوں کے بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کم ملے گا مگر ان کی تلافی اتباعِ محبت کے ثواب سے انشاء اللہ تعالیٰ پوری ہو جائے گی۔

مغرب میں تین رکعتیں کیوں ہیں | ہجرت کے بعد نمازوں میں جب دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں تین رکعتیں کیوں رہیں، حضرت عائشہ رض اس کا جواب دیتی ہیں۔

الا المغرب فانها وتر النهار | مغرب کی رکعتوں میں اضافہ ہوا کیونکہ
(مسند جلد ۶ ص ۲۴۱) | وہ دن کی نماز وتر ہے۔

جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں اسی طرح یہ دن کی نمازوں میں وتر کی تین رکعتیں ہیں۔

صبح کی نماز دو ہی رکعت کیوں رہی؟ | صبح کی نماز میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس میں اور رکعتیں زیادہ ہونی چاہئیں، فرماتی ہیں۔

وصلوٰۃ الفجر لطول قرأتهما، | نماز فجر میں بھی رکعتوں کا اضافہ نہ ہوا کیونکہ صبح کی دونوں رکعتوں میں لمبی
(مسند جلد ۶ ص ۲۴۱) | سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔

صبح کی نماز میں مخصوص طور سے شریعت نے خشوع و خضوع کا لحاظ زیادہ رکھا ہے، بار بار کے اٹھنے بیٹھنے سے اس میں فرق آتا ہے، اس لیے کمیت کے بجائے اس میں کیفیت کا اضافہ کر دیا گیا، یعنی رکعتوں کی تعداد تو دو ہی رہی، لیکن قرأۃ لمبی کر دی گئی۔

صوم عاشورہ کا سبب | روز عاشورا یعنی دسویں محرم کو اہلِ جاہلیت روزہ رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت میں اس دن روزہ رکھتے تھے، اسلام آیا تو بھی یہ روزہ واجب[1]
رہا، رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس روزہ کا وجوب منسوخ ہوگیا، حضرت عبداللہ بن
عمرؓ سے بھی اسی قسم کی روایات احادیث میں مذکور ہیں لیکن یہ وہ بیان نہیں کرتے کہ جاہلیت
میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا، اس کا سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں

کانوا یصومون یوم عاشوراء	رمضان کی فرضیت سے پہلے قریش
قبل ان یفرض رمضان وکان	عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے تھے اس

---

[1] بخاری، مسلم، ابوداؤد، اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت اس سے مختلف ہے، وہ کہتے
ہیں کہ جب آپ مدینہ آئے تو یہودیوں کو دیکھا کہ اس دن روزہ رکھتے ہیں، سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ چونکہ
اس دن خدا نے حضرت موسیٰ کو فرعون پر فتح عطا کی تھی، اس کی یادگار میں یہود اس دن کا روزہ رکھتے ہیں
آپ نے فرمایا، تو پھر میں اس روزہ رکھنے کا زیادہ مستحق ہوں، چنانچہ آپ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابہؓ کو
بھی رکھنے کا حکم دیا، حضرت ابوموسیٰؓ سے بھی بخاری میں ایک اسی قسم کی روایت ہے، حضرت عائشہؓ کی حدیث
موطا، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور مسند احمد میں ہے، حضرت عمر بن عمرؓ کی ایک روایت ابوداؤد اور ابن
ماجہ میں ہے جو حضرت عائشہؓ کی تائید ہے۔ معجم کبیر طبرانی میں حضرت زیدؓ سے جو روایت ہے وہ بھی حضرت عائشہؓ
ہی کی تائید میں ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہود کی مخالفت کرنا چاہیئے، وہ دس کو
روزہ رکھتے ہیں ہم آئندہ نو کو روزہ رکھیں گے، حضرت عائشہؓ کی روایت حضرت ابن عباسؓ کی روایت
پر تین اسباب سے ترجیح رکھتی ہے، روایات کی کثرت، حضرت ابن عمرؓ کی تائید اور قیاس کا اقتضاء یعنی
گر عاشورہ کے دن آپ یہود کی پیروی میں روزہ رکھتے تو پھر مخالفت کے اظہار کی کیا حاجت تھی، بہر حال
دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ مکہ میں اہل جاہلیت اس دن روزہ رکھتے تھے، آپ بھی
رکھتے ہوں گے، اسی دن یہود بھی روزہ رکھتے تھے، اتفاقاً دونوں کی تاریخیں تھیں، جب آپ مدینہ تشریف
لائے تو یہود کو بھی روزہ سے پایا، آپ نے بھی حسب دستور روزہ رکھا، یہود کی تقلید منظور نہ تھی، اسی لیے مسلم
اور ابوداؤد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب آپ نے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تو لوگوں نے

یوم تستر فیہ الکعبة[۱] - روز کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا تھا۔

آپ رات کو جو نمازیں پڑھا کرتے تھے، حضرت | پورے رمضان میں آپنے تراویح کیوں نہ پڑھی

ابنِ عباس کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ سے بڑھ کر کوئی ان سے تحقیقی طور سے واقف نہ تھا۔[۲] وہ کہتی ہیں کہ آپ رمضان یا غیر رمضان میں کبھی تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، رمضان میں آپنے ایک دن مسجد میں تراویح کی نماز پڑھی، آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر کچھ اور لوگ بھی شریک ہوگئے دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن بھی لوگ جمع ہوئے، چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی، لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے، لوگ انتظار کر کے مایوس ہو کر واپس چلے گئے، صبح کو آپنے لوگوں سے فرمایا۔

اَمَّا بعد فانہٗ لم یخف علی شانکم	آج شب کو تمھاری حالت مجھ سے پوشیدہ
اللیة ولکنی خشیت ان تفرض	نہ تھی، لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح
علیکم صلاة اللیل فتعجزوا،	فرض نہو جائے اور تم اس کی ادا سے قاصر رہو،

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کہ فرضیت کا گمان جاتا رہا تو صحابہ نے مواظبت کے ساتھ اس کو ادا فرمایا، اب جن کی نظر اصل حدیث پر ہے، وہ اس کو مستحب ہی سمجھتے ہیں، لیکن جنھوں نے صحابہ کی پیروی کی، انھوں نے اُس کو سنّتِ موکدہ قرار دیا،

حج کی حقیقت | ناواقف اعتراض کرتے ہیں کہ حج کے تمام ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات پر دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا، حج میں کہیں ٹھیرنا، کہیں کنکری پھینکنا، ایک بے سُود عمل ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۷) عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہود و نصاریٰ اس دن کی بڑی عزت و تعظیم کرتے ہیں آپنے فرمایا آیندہ سال نو تاریخ کو روزہ رکھیں گے، لیکن آیندہ سال آپ زندہ نہ رہے۔" آخر ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ سنہ ۱۱ھ کا واقعہ ہے حالانکہ حدیث کی اکثر روایتوں سے ثابت ہوتا ہی کہ سنہ ۱ھ میں آپنے صوم عاشورہ کا حکم دیا تھا تو تاریخ کو روزہ رکھنے کا یہ مطلب ہے، کہ دس کیساتھ نو کو بھی روزہ رکھیں گے، یعنی نو اور دس دونوں تاریخوں میں۔

[۱] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۴۔ [۲] صحیح مسلم باب صلوٰة اللیل۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔

انّما جعل الطواف بالبیت و بالصّفا والمروۃ ورمی الجمار لاقامۃ ذکر اللہ عزّ وجل۔	خانہ کعبہ، صفا اور مروہ کا طواف، کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کی یاد قائم کرنے کے لیے ہے۔

یعنی اصل مقصود یہ اعمال نہیں ہیں، بلکہ یادِ الٰہی کے مقامات ہیں، اور قرآن سے اشارۃً پایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں یہ بھی ایک طرزِ عبادت تھا، حج جو یادگارِ ابراہیمی ہے، اس میں وہی پہلا طرزِ عبادت باقی رکھا گیا جس کو ہر مستطیع مسلمان کو عمر بھر میں ایک دفعہ ادا کرنا ضرور ہے۔

وادی محصب میں قیام مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایامِ حج میں وہاں قیام فرمایا تھا، آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی یہاں قیام فرمایا حضرت ابن عمر رضؓ محصب میں قیام کو بھی اعمالِ حج کے مسنونات میں سمجھتے تھے، حضرت عائشہ رضؓ اس کو سنّت نہیں سمجھتی تھیں، اور یہاں قیام نہیں کرتی تھیں، فرماتی تھیں۔

انّما نزلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانّہ کان منزلاً اسمح لخروجہ	آپ نے یہاں صرف اس لیے پڑاؤ ڈالا تھا کہ یہاں سے نکلنے میں آسانی ہوتی تھی۔

حضرت ابنِ عباسؓ اور ابو رافع بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ ہیں۔[۱]

قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے کی ممانعت ایک دفعہ آپ نے حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔ حضرت علی رضؓ حضرت ابنِ عمر رضؓ، حضرت عبداللہ بن واقد رضؓ سے مروی ہے کہ وہ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے، لیکن حضرت عائشہ رضؓ، حضرت جابر رضؓ، حضرت ابو سعید رضؓ خدری، حضرت سلمہ بن الاکوع، حضرت ثوبان رضؓ مولیٰ رسول اللہ علیہ وسلم اور حضرت بریدہ رضؓ نے آنحضرت

---

[۱] یہ چاروں روایتیں مسلم استحباب النزول بالمحصب میں ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کی روایت مسند احمد جلد ۶ ص ۱۹۰ میں موجود ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ یہ وقتی اور فوری حکم تھا، لیکن اس فوری حکم کی علت حقیقی ہم کو حضرت عائشہ رضؓ ہی نے بتائی، ایک شخص نے پوچھا کہ کیا تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے؟ فرمایا۔

لا ولکن لم یکن یضحی منھم الا قلیل ففعل ذلک لیطعم من ضحی من لم یضح۔	نہیں، اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے، اس لیے آپ نے یہ حکم دیا تاکہ جو قربانی کریں وہ ان کو کھلائیں جنھوں نے قربانی نہیں کی ہے۔
(مسند جلد ۶ صفحہ ۱۰۲)	

حضرت عائشہ رضؓ کی یہی حدیث امام مسلم نے جزئی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس کے دیہاتوں میں قحط پڑا، اُس سال آپ نے یہ حکم دیا، اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا، منسوخ فرما دیا۔ حضرت سلمہ بن اکوع سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔[1]

تعبیر کعبہ اور بعض اعمال حج | کعبہ کی ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی ہے، اس کو حطیم کہتے ہیں، طواف میں حطیم بھی اندر داخل کر لیتے ہیں، ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں، اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں، ممکن ہے کہ اور صحابہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس راز کی عقدہ کشائی چاہی ہو، لیکن کتب حدیث کی موجودہ خاموش مجالسِ درس میں اس وقت حضرت عائشہ رضؓ کے سوا اور کسی کی زبان گویا نظر نہیں آتی، فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یارسول اللہ! یہ دیواریں بھی خانۂ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا "ہاں" عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کر لیا، فرمایا تمھاری قوم کے پاس سرمایہ نہ تھا، اس لیے اتنا کم کر دیا" پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا، فرمایا یہ اس لیے تاکہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔

---

[1] یہ دونوں حدیثیں مع حدیث ماقبل متعلق قربانی کے لیے مسلم کتاب الذبائح دیکھیے۔

حضرت ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر عائشہؓ کی یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لیے ادھر کے دونوں رکنوں کو بوسہ نہیں دیا" لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیمی کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کریں، یہ شبہہ نہ تھا، جو جانشین ابراہیم سے پوشیدہ ہوتا، آپ نے فرمایا" عائشہ! تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمی پر تعمیر کراتا[1]" یعنی چونکہ عام اہلِ عرب ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے بھڑک جائیں، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر اگر کسی شرعی کام کی تعمیل میں تاخیر کی جائے تو قابلِ ملامت نہیں، بشرطیکہ شریعت نے اس کام کی فوری تعمیل کا علی الاعلان مطالبہ نہ کیا ہو۔

حضرت عائشہؓ کی اسی روایت کے مطابق آپ کے بھانجے حضرت ابن زبیرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کعبہ کو بڑھا کر اصل ابراہیمی بنیاد پر قائم کیا، عبدالملک نے جب حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا تو یہ سمجھ کر یہ فعل ابن زبیرؓ نے اپنے اجتہاد سے کیا تھا، ڈھا کر پھر قدیم ہیئت پر اس کو بنوا دیا، لیکن جب اس ثقات کی روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ام المومنین کی روایت کے مطابق اس کی تعمیر ہوئی تھی تو اپنی اس حرکت پر اُس کو سخت ندامت ہوئی[2]۔

سوار ہو کر طواف کرنا حجۃ الوداع میں سواری پر بیٹھ کر آپ نے طواف کیا تھا، اس سے بعض لوگوں کو شبہہ ہوا کہ سواری پر بیٹھ کر طواف کرنا سنّت ہے، چنانچہ بعض مجتہدین کا یہ مسلک ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص سبب سے ایسا کیا تھا

---

[1] یہ روایتیں حدیث کی اکثر کتابوں میں ہیں، لیکن میں نے خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر مسلم باب نقض الکعبہ پیش نظر رکھی ہے۔ [2] مسلم باب نقض الکعبہ و مسند جلد ۶ ص ۲۴۷ و ۲۵۳۔

صحابہ میں سے تین صحابیوں نے اس کی تین وجہیں بتائی ہیں[1]، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ بیمار تھے، اس لیے سوار ہو کر طواف کیا، حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ایسا اس لیے آپ نے کیا تھا کہ لوگ آپ کو دیکھ سکیں اور آپ سے پوچھ سکیں، کیونکہ ہجوم کے سبب سے آپ لوگوں کو نظر نہ آتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کہ آپ نے اس سبب سے ایسا کیا تھا کہ لوگوں کی بے انتہا بھیڑ تھی اور ہر شخص گویا اپنے آپ کو آپ کے پاس پہنچانا چاہتا تھا، کشمکش تھی اور آپ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ لوگوں کو زبردستی ہٹایا جائے، اس لیے آپ سوار ہو گئے

حضرت ابنِ عباسؓ نے جو وجہ بتائی ہے، اس کے تسلیم کرنے میں اس لیے تردد ہے کہ اگر آپ واقعتاً بیمار ہوتے، تو ایسا واقعہ نہ تھا جو صرف حضرت ابن عباسؓ کو معلوم ہوتا بلکہ اس عام مجمع میں اس کا اعلان ہو جاتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کے سبب کو اپنی اپنی فہم کے مطابق سمجھ کر ان صاحبوں نے بیان کیا ہے۔

ہجرت | آج کل ہجرت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کوئی اپنا گھر چھوڑ کر مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ میں جا کر آباد ہو جائے، خواہ وہ جہاں پہلے آباد تھا وہ کیسے ہی آرام اور امن و امان کا ملک ہو، عطا ابن ابی رباح جو ائمہ تابعین میں شمار کیے جاتے ہیں، ایک دفعہ ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سوال کیا کہ ہجرت کی کیا حقیقت ہے، فرمایا۔

لا هجرة اليوم، كان المومنون	اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت جب تھی
يفر احدهم بدينه الى الله	جب مسلمان اپنے مذہب کو لیکر خدا اور اس
والى رسوله مخافة ان يفتن	کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑ آتا تھا
عليه فاما اليوم فقد اظهر	کہ اس کو تبدیل مذہب کے سبب سے ستایا
الله الاسلام واليوم يعبد	نہ جائے، اب خدا نے اسلام کو غالب
ربه حيث يشاء ولكن	کر دیا، اب مسلمان جہاں چاہے اپنے

[1] صحیح مسلم کتاب الحج میں حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایتیں ہیں اور ابوداؤد میں ابنِ عباسؓ کی حدیث ہے۔

جہاد و نیۃ[1]۔ خدا کو پوچ سکتا ہے، ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے۔

اس نکتہ کے واضح ہو جانے کے بعد یہ راز کھل جاتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ یہ کیوں کہا کرتے تھے کہ لا ھجرۃ بعد[2] الفتح، فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، کیونکہ اس کے بعد تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا تھا، تاہم اگر کوئی جوار الٰہی یا جوار نبوی کی نیت سے ترک وطن کر کے وہاں آباد ہو تو نیت کا ثواب ملے گا۔

آپ کا حجرہ میں دفن ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو صحابہ میں اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں، اس لیے آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جہاں آپ نے وفات پائی تھی، دفن کیا گیا، ممکن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ہو، تاہم یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے اور ثبوت کا محتاج ہے، اس کا اصلی سبب حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد، لولا ذلک ابرز قبرہ غیر انہ خشی ان یتخذ مسجدا۔ (صحیح بخاری آخر کتاب الجنائز ومسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۱)

آپ نے مرض الموت میں فرمایا، خدا یہود ونصاریٰ پر لعنت بھیجے، کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا (حضرت عائشہؓ کہتی ہیں) اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بنجائے۔ (اس لیے آپ حجرہ کے اندر دفن ہوئے۔

---

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ، [2] ایضاً، اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ ہو جانے کے بعد مکہ سے ہجرت کی ضرورت نہیں رہی۔

اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ مبارک کو دیواروں اور سقف کے اندر محفوظ رکھا جانا اب بھی کیوں ضروری ہے۔

طب، تاریخ وادب و خطابت و شاعری

حضرت عائشہ رضؓ کے شاگردوں کا بیان ہے کہ تاریخ، ادب، خطابت اور شاعری میں ان کو اچھی دستگاہ حاصل تھی اور طب میں بھی ان کو کسی قدر دخل تھا، ہشام بن عروہ کی روایت ہے[1]،

ما رأیت احدا من الناس اعلم	میں نے قرآن، فرائض، حلال و حرام
بالقران ولا بفریضة ولا بحلال	(یعنی فقہ) شاعری، عرب کی تاریخ و
ولاحرام ولا بشعر ولا بحدیث	نسب کا حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ
العرب ولا النسب من عائشة،	واقف کار کسی کو نہ پایا۔

طب | عروہ کہتے ہیں "میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ کسی کو طب کا ماہر نہیں پایا، یہ ظاہر ہے کہ عرب میں فنِ طب کا باقاعدہ رواج نہ تھا، عرب کا سب سے بڑا طبیب اس زمانہ میں حارث ابن کلدہ تھا، اور ملک میں چھوٹے چھوٹے طبیب و معالج تھے، ان کا فنِ طب وہی تھا جو جاہل قوموں میں رائج ہوتا ہے کچھ جڑی بوٹیوں کے خواص معلوم ہوں گے، کچھ بیماریوں کی مجرب دوائیں معلوم ہوں گی، حضرت عائشہ رضؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ شعر کہتی ہیں تو میں نے مانا کہ آپ ابوبکر کی بیٹی ہیں، کہہ سکتی ہیں، لیکن آپ کو طب سے یہ واقفیت کیسے ہوئی، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں بیمار رہا کرتے تھے، اطبائے عرب آیا کرتے تھے، جو وہ بتاتے تھے میں یاد کر لیتی تھی[2]۔

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ کی طبی واقفیت ویسی ہی ہو گی جیسے پہلے خاندان کی

---

[1] تذکرة الحفاظ ذہبی، ترجمہ عائشہ، [2] مستدرک حاکم و مسند احمد جلد ۶ ص ۶۷۔

بڑی بوڑھیاں بچوں کا علاج کرتی تھیں اور کچھ اور بیماریوں کے مجرب نسخے یاد رکھتی تھیں، مسلمان عورتیں عموماً لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں[1]، خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی جنگِ احد میں مصروفِ خدمت تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس عہدِ مبارک میں خاتونانِ اسلام کو حسبِ ضرورت اس فن سے واقفیت تھی۔

تاریخ عرب کے حالات، جاہلیت کے رسوم اور قبائل کے باہمی انساب کی واقفیت میں حضرت ابوبکرؓ کو مہارت تامہ حاصل تھی[2]، حضرت عائشہ ان کی بیٹی تھیں، اس لیے ان فنون کی واقفیت اُن کا خاندانی ورثہ تھا[3]، عروہ کہتے ہیں ما رأیت احداً من النّاس اعلم بحدیث العرب والنسب من عائشۃ[4]، میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو عرب کی تاریخ و نسب کا ماہر نہ پایا۔

عرب جاہلیت کے رسوم اور معاشرتی حالات کے متعلق بعض نہایت قیمتی معلومات حدیث کی کتابوں میں حضرت عائشہؓ ہی کی زبانی منقول ہیں، مثلاً عرب میں شادی کے کتنے طریقے جاری تھے[5]، طلاق کی کیا صورت ہوتی تھی[6]، شادیوں میں کیا گایا جاتا تھا[7]، ان کے روزہ کا دن کون تھا[8]، قریش حج میں کہاں اُترتے تھے[9]، میت کو دیکھ کر کیا کہا جاتا تھا[10]۔

محدثین کی محفل میں انصار کی جنگ بعاث کا تذکرہ ہم نے حضرت عائشہؓ ہی کی زبانی سنا[11]، انصار کی بعض مذہبی رسوم مثلاً یہ کہ وہ جاہلیت میں منٰل کے بُت پوجتے تھے، انہی سے ہم کو

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد [2] اصابہ اور استیعاب میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ کا تذکرہ پڑھو، نیز مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۶۷، [3] مسند جلد ۶ ص [4] تذکرۃ ذہبی ترجمہ حضرت عائشہؓ، [5] صحیح بخاری کتاب النکاح، [6] ترمذی کتاب الطلاق، [7] معجم صغیر طبرانی، باب الجار، [8] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۴، [9] صحیح بخاری تفسیر ثم افیضوا، [10] بخاری باب ایام الجاہلیۃ، [11] صحیح بخاری جلد اول ذکر ایام جاہلیت۔

معلوم ہوئے[1]، اسلام کے بعض اہم تاریخی واقعات مثلاً آپ کے آغازِ وحی اور ابتدائے نبوت کے مفصل حالات[2]، ہجرت کے تفصیلی واقعات[3]، خود اپنے واقعۂ افک کی من وعن مفصل کیفیت[4] کو انہی کی زبان سے لوگوں نے سنا، صحاح میں احادیث دو تین سطروں سے زیادہ کی نہیں ہوتی، لیکن حضرت عائشہؓ کے یہ واقعات احادیث کے دو دو تین تین صفحوں میں مسلسل بیان ہوئے ہیں، قرآن کیونکر اور کس ترتیب سے نازل ہوا[5]، نماز کی کیا کیا صورت اسلام میں پیدا ہوئی انہی نے بتایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کی شروع سے آخیر تک مفصل کیفیت[6] صرف انہی کی زبان سے سنکر دنیا نے جانا، آپکے کفن میں کے کپڑے تھے اور کس قسم کے تھے، انہی نے بتایا، (صحاح ابواب الجنائز)

خیر یہ تو گھر کے اندر کی باتیں تھیں، میدانِ جنگ کے حالات بھی انھوں نے ہم کو سنائے ہیں، غزوۂ بدر کے بعض واقعات[7]، جنگِ اُحد کی کیفیت[8]، غزوۂ خندق کے کچھ حالات[9]، غزوۂ بنی قریظہ کے بعض جزئیات[10]، غزوۂ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت[11] فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے واقعات کے ضروری اجزا[12] انہی سے ہاتھ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے متعلق صحیح و مفصل معلومات انہی نے بہم پہنچائے، مثلاً قصۂ بدو وحی، واقعۂ ہجرت واقعۂ وصال کے علاوہ آپ کی عبادت شبانہ[13]، آپکے خانگی مشاغل[14]، آپکے ذاتی اخلاق[15] کا صحیح نقشہ انہی نے ہم کو کھینچ کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے سخت دن کونسا گزرا انہی نے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج، [2] صحیح بخاری باب بدؤ الوحی، [3] صحیح بخاری باب الہجرۃ، [4] صحیح بخاری باب الافک، [5] صحیح بخاری باب تالیف القرآن...... [6] صحیح بخاری باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم [7] مسند احمد جلد۶ ص ۲۲۷ و ص ۱۵۰، [8] مسند احمد جلد۶، [9] مسند احمد جلد۶ ص ۱۴۱، [10] بخاری، ذکر قریظہ، [11] مسند احمد جلد۶ ص ۲۷۵، [12] صحیح بخاری وغیرہ کتاب الحج، [13] صحیح بخاری، مسلم و ابوداؤد وغیرہ باب قیام اللیل، [14] مسند احمد جلد۶ ص ۱۸۲ و صحیح بخاری باب کیف یکون الرجل فی اہلہ [15] صحیح بخاری و ابوداؤد کتاب الادب۔

ہم کو بتایا[1]۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت، حضرت فاطمہؓ اور ازواجِ مطہرات کا دعویٰ حضرت علیؓ کا ملالِ خاطر اور بیعت کے تمام مفصّل واقعات بروایت صحیحہ انہی سے ہم کو معلوم ہوئے (صحیح بخاری، وفات النبی وکتاب الفرائض وغزوہ خیبر وصحیح مسلم باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ماترکنا فھو صدقة)

تاریخِ اسلام کے متعلق تو ان کے معلومات ذاتی مشاہدات پر مبنی تھے لیکن عرب جاہلیت کے حالات انھوں نے کس سے سُنے، ایک حدیث کی سند پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیض ان کو اپنے پدر بزرگوار سے پہنچا تھا، اُن کے ایک شاگرد ان سے کہتے ہیں۔

لا اعجب من علمك....	آپ کے تاریخ عرب کے متعلق معلومات
...... ایام العرب اقول ابنة	پر مجھ کو تعجب نہیں، میں کہتا ہوں کہ
ابی بکر،	ابوبکر کی بیٹی ہیں۔

ادب ادب سے مراد عام گفتگو کی خوبی اور نثر کی انشار پردازی ہے، بہت سی روایتیں اس باب میں متفق ہیں کہ حضرت عائشہؓ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں، انکے ایک شاگرد موسیٰ بن طلحہ کی روایت ہے کہ۔

ما رایت افصح من عائشة	حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح اللسان
(مستدرک حاکم ترمذی، مناقب)	میں نے نہیں دیکھا۔

احنف بن قیس ایک .... لکھتے ہیں۔

ما سمعت الکلام من فم	کسی مخلوق کے منہ کی بات حُسنِ بیان
مخلوق افخم ولا احسن	اور متانت میں حضرت عائشہؓ کے منہ کی
من عائشة (مستدرک حاکم)	بات سے عمدہ اور بہتر نہیں سُنی۔

گو حضرت عائشہؓ سے ہزاروں حدیثیں مروی ہیں تاہم یہ محدثین میں مسلّم ہے کہ احادیث

---

[1] صحیح بخاری، باب اشد مالقی النبی صلے اللہ علیہ وسلم، [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۶۷ و مستدرک حاکم،

بالفاظہا بہت کم محفوظ ہیں، بایں ہمہ پوری حدیث میں ایک فقرہ بھی اگران کی زبان کا محفوظ رہ گیا ہے تو اس نے پوری حدیث میں جان ڈال دی ہے، حدیث بدء وحی میں فرماتی ہیں کہ ابتداءً آپ کو رویائے صادقہ ہوتا تھا، اس موقع پر فرماتی ہیں فما رای رویا الا جاءت مثل فلق الصبح آپ جو خواب دیکھتے تھے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا تھا، آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی تھی تو پیشانی عرق آلود ہو جاتی تھی، اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں، مثل الجمان "پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے" جب لوگوں نے معاذ اللہ ان پر تہمت رکھی ہی، تو اس کرب اور بے چینی میں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، اس مفہوم کو اس طرح اداتی ہیں، فی اکتحل بنوم "میں نے سرمۂ خواب نہیں لگایا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی زبانی ام زرع کا جو اخلاقی قصہ مذکور ہے، اس کی عبارت کا ایک ایک فقرہ بلکہ ایک ایک لفظ عرب کی زبان اور ان کی تشبیہات و استعارات کا خالص نمونہ ہے، اہل ادب نے صرف ایک صفحہ کی عبارت کی شرحیں لکھی ہیں اور اس پر حواشی چڑھائے ہیں۔

تعلیم کے عنوان میں ابھی آئے گا کہ وہ اپنے شاگردوں کی زبان اور طرزِ ادا اور صحتِ تلفظ کی نگرانی کرتی تھیں۔

خطابت خطابت یا قوتِ تحریر عربوں کی آزاد طبیعتوں کا فطری جوہر ہے، مردوں سے گزر کر یہ ملکہ عورتوں تک میں موجود تھا، اسلام کے ابتدائی قرنوں میں جب مسلمانوں میں عربیت کی روح زندہ تھی، ان میں بڑی بڑی پرزور مقررہ اور خطیبہ گزری ہیں، احمد بن ابی طاہر المتوفی ۲۸۰ھ نے بلاغات النساء کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جس میں اس زمانے کی مسلمان عورتوں کی تقریریں اور خطبے قلمبند کیے ہیں، اس میں حضرت عائشہؓ کی تقریریں بھی ہیں، طبری میں ان کی وہ تقریریں ہیں جو جنگِ جمل کے میدانوں میں انھوں نے کی تھیں، ابنِ عبدربہ نے عقد الفرید میں ان کی ایک تقریر نقل کی ہے۔

احنف بن قیس تابعی بصری جنھوں نے غالباً بصرہ میں حضرت عائشہ رضؓ کی تقریریں سُنی ہوں گی، کہتے ہیں، میں نے حضرت ابوبکر رضؓ، حضرت عمر رضؓ، حضرت عثمان رضؓ، حضرت علی رضؓ اور اس وقت تک کے تمام خلفاء کی تقریریں سنی ہیں، لیکن حضرت عائشہ کے مُنہ سے جو بات نکلتی تھی اس میں یہ خوبی اور بلندی ہوتی تھی وہ کسی کے کلام میں نہیں ہوتی تھی[1] میری رائے میں احنف کا یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں، اس میں خارجی تاثرات کو بھی دخل ہے، ایک عورت کی تقریر اور وہ بھی میدانِ جنگ میں، یقیناً موثر ہوئی ہوگی، بہرحال اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی فصیح البیان مقررہ تھیں، حضرت معاویہ کا قول ہے کہ میں نے عائشہ رضؓ سے زیادہ بلیغ زیادہ فصیح البیان اور زیادہ تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا، موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ فصیح البیان میں نے کسی کو نہیں دیکھا[2]۔

ایک مقرر کے لیے حُسنِ گفتار اور فصاحت لسانی کے ساتھ آواز میں بلندی اور لہجہ میں رفعت اور جلالت ہونی ضرور ہے، حضرت عائشہ رضؓ کی آواز اسی قسم کی تھی، طبری میں ہے۔

فتکلمت عائشۃ وکانت جھوریۃ	پھر حضرت عائشہ رضؓ نے تقریر کی، وہ بلند
یعلو صوتھا کثیرۃ کانہ صوت	آواز تھیں، ان کی آواز اکثر لوگوں پر
امرأۃ جلیلۃ	غالب آجاتی تھی گویا کہ وہ ایک صاحب
(صفحہ ۳۱۱۹-یورپ)	جلال خاتون کی آواز تھی۔

جنگِ جمل کے تذکرہ میں ہم نے ان کی چند تقریریں نقل کی ہیں، گو ترجمہ سے اصل شان نہیں ظاہر نہیں ہوسکتی تاہم ان سے جوشِ بیان اور زورِ کلام کا اندازہ ہوگا۔

شاعری اسلام سے پہلے عرب کی علمی کائنات جو کچھ تھی، وہ شاعری تھی، ایک عرب شاعر جب اپنی زبان کے جوہر دکھاتا تھا تو کہیں آگ لگا دیتا تھا اور کہیں آبِ حیات برسا دیتا تھا

---

[1] مستدرک ذکر عائشہ رضؓ و امام احمد فی کتاب الزہد۔ [2] زرقانی بر مواہب جلد ۳ ص ۲۶۷ بحوالہ طبرانی، دوسری روایت برجال الصحیح مروی ہے۔

یہ وصف صرف مردوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ عورتیں بھی اس میں داخل تھیں، اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی سو برس تک مسلمانوں میں عربیت کا جوہر باقی رہا، سیکڑوں عورتیں شعر وسخن میں وہ کمال رکھتی تھیں کہ اب تک ان کا کلام عرب کی شاعری کی زینت ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ اسی عہد میں پیدا ہوئی تھیں، ان کے پدر بزرگوار عرب میں شعر وسخن کے جوہری تھے[۱]، اس لیے یہ فن آغوشِ پدر ہی میں انھوں نے سیکھا، ان کے شاگرد کہا کرتے تھے کہ ہم کو آپ کی شاعری پر تعجب نہیں، اس لیے کہ آپ ابو بکر کی بیٹی ہیں[۲]، امام بخاری نے ادب المفرد میں عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو کعب بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا، ایک قصیدہ میں کم وبیش چالیس شعر تھے[۳]، ایک صاحب نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی موقع پر شعر پڑھتے تھے، بولیں "ہاں عبد اللہ بن رواحہ رضؓ کے بعض اشعار پڑھتے تھے"[۴]، مثلاً

وَیاتیک بالاخبار من لم تزوّد[۵] — جکو زادِ راہ دیکر تم نے نہیں بھیجا وہ خبریں لیکر آئیگا

ابو کبیر ہذلی ایک جاہلی شاعر ہے، اُس نے اپنے سوتیلے بیٹے تابط شرًا کی تعریف میں اشعار کہے تھے، ان میں سے دو شعر یہ ہیں۔

وَمُبَرَّءٍ من کل غبّر حیضۃٍ — وفساد مرضعۃٍ وداءٍ مُغیل

وہ اپنی ماں کے تمام عوارضِ شکم سے — اور دودھ پلانیوالی دایہ کی تمام بیماریوں سے پاک ہے

واذا نظرت الی اسرّۃ وجھہ — برقت کبرق العارض المتھلل

اور جب تم اسکے چہرہ کی لکیروں کو دیکھو تو وہ برستے بادل کی چمکتی ہوئی بجلیوں کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئیں

حضرت عائشہ رضؓ نے یہ دونوں شعر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھکر عرض کی یا رسول اللہ

---

[۱] مسند جلد ۶ ص ۶۷، مستدرک حاکم، ذکر عائشہ رضؓ، استیعاب واصابہ ذکر حسانؓ بن ثابت [۲] مسند و مستدرک بحوالہ سابق [۳] ادب المفرد امام بخاری باب الشعر حسن کحسن الکلام [۴] ایضاً [۵] سبعہ معلقہ میں یہ مصرعہ طرفہ کے قصیدہ میں داخل ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں شعروں کے زیادہ مستحق تو آپ ہیں، آپ یہ سُن کر مسرور ہوئے[1]۔

احادیث کی کتابوں میں حضرت عائشہؓ کی زبانی بہت سے اشعار مروی ہیں، ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا وطن سے باہر انتقال ہوا تھا، لاش مکہ معظمہ لاکر دفن کی گئی جب مکہ معظمہ آنے کا اتفاق ہوا، بھائی کی قبر پر آئیں، اس وقت ایک جاہلی شاعر کے یہ شعر ان کی زبان پر[2] تھے۔

وکنا کندمانی جذیمة حقبة — من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

ہم مدت تک بادشاہ وجذیمہ دونوں مصاحبوں کی طرح ایک ساتھ رہے یہانتک کہ لوگ کہنے لگے اب ہرگز یہ علیحدہ نہونگے

فلما تفرقنا کانی ومالکاً — لطول اجتماع لم بنت لیلة معا

جب ہم علیحدہ ہوگئے، تو گویا میں نے اور مالک نے — طول اجتماع کے باوجود ایک شب بھی ساتھ بسر نہیں کی

مہاجرین کو مدینہ کی آب و ہوا ابتداءً راس نہ آئی، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ اور حضرت بلالؓ مدینہ آکر بیمار پڑ گئے، اس غربت اور بیماری میں وطن کی یاد ان کو بے چین کردیتی تھی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ دونوں صاحب حسرت سے وطن کی یاد میں شعر پڑھتے، حضرت ابوبکرؓ کو جب زور سے بخار چڑھتا، کہتے[3]۔

کل امرء مصبح فی اھلہ — والموت ادنی من شراك نعلہ

ہر شخص اپنے اہل وعیال میں مرتا ہے — اور موت اس سے اسکے جوتے کے تسمے سے زیادہ نزدیک ہے

حضرت بلال کو جب ذرا سکون ہوتا، چلاّ کر یہ شعر پڑھتے۔

الا لیت سعری ھل ابیتن لیلة — بوادو حولی اذخر وجلیل

کاش معلوم ہوتا کہ میں کوئی شب بھی مکہ کی وادی میں بسر کروں گا اور میرے ارد گرد اذخر اور جلیل کی گھاسیں ہونگی

---

[1] حافظ ابن قیم نے مدارج السالکین میں یہ واقعہ اور یہ شعر نقل کیے ہیں، ص ۲۷۷ مصر۔

[2] ترمذی فی زیارۃ للقبور للنساء [3] صحیح بخاری باب الہجرۃ۔

وھل اردن یوماً میاہ مجنۃ   وھل یبدون لی شامۃ وطفیل

یا مجنۃ کے چشمہ پر میرا کبھی گزر ہوگا، اور کیا شامہ اور طفیل کی پہاڑیاں اب مجھے کبھی نظر آئیں گی

حضرت عامر بن فہیرہ سے خیریت پوچھی تو انھوں نے یہ شعر پڑھا[۱]۔

انی وجدت الموت قبل ذوقۃ   ان الجبان حتفہ من فوقہ

میں نے موت کو اس کا مزہ چکھنے سے پہلے پالیا، نامرد کی موت اس کے اوپر سے آتی ہے

غزوۂ بدر میں قریش کے بڑے بڑے صنادید مارے گئے تھے، شعرائے قریش نے ان کا پُردرد مرثیہ لکھا تھا، چند شعر حضرت عائشہ رضؓ کی زبانی محفوظ رہ گئے ہیں[۲]۔

وماذا بالقلیب بدر   من القینات والشرب الکرام

بدر کے کنوئیں میں کیا کیا ناچنے والیاں   اور شریف مے خوار پڑے ہیں

تحیی بالسلامۃ ام بکر   وھل لی بعد قومی من سلام

اے بکر کی ماں سلامتی کی مبارک باد، اور کیا میرے لیے میری قوم کی موت کے بعد کوئی سلامتی ہو

یحدثنا الرسول بان سنحیٰ   وکیف حیاۃ اصداء وھام[۳]

رسول ہم سے کہتا ہے کہ ہم زندہ کیے جائیں گے   صدیٰ اور ہام کی زندگی کیونکر ہو سکتی ہے،

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک سیاہ رنگ کی عورت آیا کرتی تھی اور اکثر یہ پڑھا کرتی تھی۔

ویوم الوشاح من تعاجیب ربنا   الا انہ من بلدۃ الکفر انجانی[۴]

ہار والا دن ہمارے خدا کے تعجبات میں سے تھا   لیکن شکر ہے کہ اسنے کفر کی آبادی سے نجات دی

حضرت سعد رضؓ بن معاذ غزوۂ خندق میں جو رجز پڑھتے تھے، وہ حضرت عائشہ رضؓ کو یاد تھا۔

---

[۱] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۶۵۔ [۲] صحیح بخاری باب الہجرۃ۔ [۳] عربوں کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد روح چڑیا بنکر اُڑ جاتی ہے اور آواز دیتی ہے۔ [۴] صحیح بخاری ذکر جاہلیۃ۔

لیت قلیلاً یلحق الھیجا جمل — ما احسن الموت اذا حان الاجل[۱]

کاش کہ تھوڑی دیر میں اونٹ لڑائی کو پا لیتا — موت کتنی پیاری ہے جب موت کا وقت آگیا

انصار کی عورتیں شادیوں میں یہ اشعار گاتی تھیں،

واھدی لھا اکبشا — تبحبح فی المربد

وزوجک فی النادی — ویعلم ما فی غد[۲]

مشرکین قریش نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں قصائد کہے تو مسلمان شعرا نے ان کا کیونکر جواب لکھا، یہ ہم کو صرف حضرت عائشہ رضؓ کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔

ام المومنین بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قریش کی ہجو لکھو کہ یہ حملہ تیر کی زد سے بھی زیادہ ان پر کارگر ہوگا، حضرت ابن رواحہؓ شاعر تھے، ان کو یہ پیغام بھیجا، انھوں نے چند شعر کہے لیکن آپ کو پسند نہ آئے، اس کے بعد حضرت کعب بن مالک کو حکم دیا کہ وہ جواب لکھیں اور آخر میں حضرت حسان کی باری آئی، وہ حاضر ہوئے اور عرض کی آخر اس شیر کی ضرورت پیش آئی، پھر گزارش کی کہ یا رسول اللہ اس ذاتِ پاک کی قسم جس نے آپ کو رسولِ برحق بنایا، میں ان کو اس طرح اُدھیڑ دوں گا جس طرح لوگ چمڑے کو اُدھیڑتے ہیں"۔ فرمایا "ابھی عجلت سے کام نہ لو، ابوبکر تمام قریش میں قریش کے نسب ناموں سے زیادہ واقف ہیں، میری بھی اس سے قرابت ہے، میرے رشتہ کو ان سے اچھی طرح سمجھ لو، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس وہ جاکر رشتوں کے پیچ و خم کو سمجھ آئے اور آکر عرض کی یا رسول اللہ میں سمجھ آیا، اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسولِ برحق بنایا، میں آپ کو ان سے اس طرح کھینچ لوں گا جس طرح آٹے کے خمیر سے لوگ بال کھینچ لیتے ہیں، اس پر حضرت حسانؓ نے وہ قصیدہ کہا جس کا ایک شعر ہے

وان سنام المجد من آل ھاشم — بنو بنت مخزوم ووالدک العبد

آلِ ہاشم کی بزرگی کا کوہان مخزوم کے نواسے ہیں اور تیرا باپ غلام تھا

[۱] مسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۱ [۲] معجم صغیر طبرانی باب النکاح،

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ میں نے آپ کو کہتے سنا ہے کہ "حسان! جب تک تم خدا اور رسول کی مدافعت کرتے رہو، روح القدس کی امداد تمہارے ساتھ رہے" اور یہ بھی روایت کرتی ہیں کہ میں نے آپ کو یہ کہتے سنا ہے کہ "حسان نے ان کا جواب دیکر غم سے آزاد کیا"
اس کے بعد ام المومنین نے قصیدہ کے یہ شعر سنائے۔

هجوت محمداً فاجبت عنه — عند الله فى ذاك الجزاء

تم نے محمدؐ کی ہجو کی تو میں نے اس کا جواب دیا، خدا کے پاس میرے اس کام کی جزا ہے

هجوت محمداً ابرّاً حنيفاً — رسول الله شيمته الوفاء

تم نے محمدؐ کی ہجو کی جو نیک دیندار — خدا کا پیغمبر ہے اور اس کی خصلت وفاداری ہے

فان ابى و والده و عرضى — لعرض محمد منكم وقاء

میرے باپ دادا، اور میری عزت آبرو — محمدؐ کی عزت تم سے بچانیکے لیے سپر ہے

ثكلت بُنيّتى ان لم تروها — تثير النقع من كنفى كداء

میں اپنی اولاد کو روؤں اگر تم اسلام کے لشکر کو نہ دیکھو — کداء کے دونوں کناروں سے گرد اُڑاتے

يبارين الاعنة مصعدات — على اكتافها الاسل الظماء

اونٹنیاں جو مہار و نیں ناز کرتی بلند زمین پر چڑھتی جاتی ہیں، انکے بازوؤں پر پیاسے نیزے رکھے ہیں،

تظل جيادنا متمطرات — تلطمهن بالخمر النساء

ہمارے گھوڑے برستے بادل کی طرح رواں ہیں، اور بیویاں اپنی اوڑھنیوں سے انکے منہ سے گرد و غبار جھاڑتی ہیں

فان اعرضتم عنا اعتمرنا — وكان الفتح وانكشف الغطاء

اگر اے قریش تم نے انکار کیا تو ہم عمرہ ادا کریں گے، اور فتح ہوگی اور پردہ کھل جائے گا

والا فاصبروا لضراب يوم — يعز الله فيه من يشاء

ورنہ اس دن کے حملہ کے لیے صبر کرو — جس میں خدا جس کو چاہے گا عزت دیگا

وقال اللہ قد یسرت جنداً | ھم الانصار عرضتہا اللقاء
خدا نے کہدیا ہے کہ میں نے اس لشکر کو آسان کر دیا ہے، جو انصاری ہیں اور جنکی مینشی میدانِ جنگ کی ملاقات ہے،

لنا فی کل یوم من معدٍّ | سباب او قتال او ھجاء
ہم لوگوں کو ہر روز معد کے قبیلوں سے | گالی گفتہ کرنا ہے یا لڑنا ہے یا ہجو کرنا ہے

فمن یھجو رسول اللہ منکم | ویمدحہ وینصرہ سواء
تم میں سے جو رسول اللہ کی ہجو کرے | یا مدح کرے اور مدد دے برابر ہے

وجبریل رسول اللہ فینا | وروح القدس لیس لہ کفاء[1]
جبریل خدا کا ہمارے درمیان پیغمبر ہے | اور پاکیزگی کی روح جس کی کوئی نظیر نہیں

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مدینہ کی بدامنی کا حال ان کو معلوم ہوا تو انکی زبان پر یہ شعر تھا[2]

ولوان قومی طاوعتنی سراتھم | لانقذتھم من الحبال او الخبل
اگر میری قوم کے سردار میرا کہا مانتے | تو میں ان کو اس فریب اور بربادی سے نکال لاتی

سرسبز اور آباد راستوں کو چھوڑ کر جب بصرہ پہنچیں تو یہ دو شعر پڑھے[3]

دعی بلاد جموع الظلم اذ صلحت | فیھا المیاہ وسیری سیر مذعور
اہلِ ظلم کی آبادیوں کو چھوڑ دے کہ انکے | تالاب اچھے ہیں اور خوف زدہ کی چال چل

تخیری النبت فارعی ثم ظاھرۃ | وبطن وادٍ من الضماد ممطور
اس گھاس کو پسند کر پھر وہاں دھوپ میں چر، ضماد کے سرسبز میدان میں

جنگِ جمل میں بعض بہادروں نے جو رجز پڑھے تھے، وہ ان کو یاد تھے، ایک دفعہ ان کو پڑھ کر بہت روئی تھیں، وہ رجز کے شعر یہ تھے[4]

---

[1] یہ واقعات اور اشعار صحیح مسلم مناقب حسان میں مذکور ہے، [2] طبری ص ۳۰۹۹ طبع بریل، [3] ایضاً ص ۳۱۰۵ بریل۔ [4] طبری ص ۳۲۰۱ بریل۔

یا امنّا یا خیر ام نعلم　　　اما ترین کم شجاع یکلم

اے ہماری ماں، اے ہماری سب سے اچھی ماں جسکو ہم جانتے ہیں آپ نہیں دیکھتیں کہ کتنے بہادر زخمی ہوئے

وتختلی ھامته والمعصم

اور سر اور ہاتھ گھاس کی طرح کاٹے گئے

حضرت عائشہ رضؓ کے اس ذوق شاعری اور سخن فہمی کو دیکھ کر شعرا ان کو اپنا کلام سناتے تھے حضرت حسان بن ثابت جو انصار میں شاعری کے مسلم الثبوت استاد تھے، گو واقعۂ افک میں شرکت کے باعث حضرت عائشہ رضؓ کو ان سے ملول خاطر ہونا چاہیئے تھا، تاہم وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اشعار سناتے تھے[۲]، حضرت عائشہ رضؓ ان کی تعریف کرتی تھیں اور ان کے مناقب بیان فرماتی تھیں[۳]، ان کے علاوہ دربارِ نبوت کے دوسرے شاعر حضرت کعب بن رضؓ مالک اور حضرت عبداللہ بن رضؓ رواحہ کے نام بھی اس سلسلہ میں لیتی تھیں[۴]۔

حدیث میں آیا ہے کہ کسی کا پیٹ اگر پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے بھرے[۵] یہ حدیث ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے، لیکن چونکہ اس سے شاعری کی مذمت ثابت ہوتی ہے، اس لیے بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث جب حضرت عائشہ رضؓ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا "ابوہریرہ رضؓ کو حدیث محفوظ نہیں رہی، آپ نے فرمایا ہے کہ کسی کا پیٹ اگر پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ ان اشعار سے بھرا ہو جو میری ہجو میں کہے گئے ہیں[۶]، اس حدیث کا راوی کلبی ہے جو مشہور کذاب اور دروغگو ہے، چونکہ اس کو یہ معلوم تھا کہ حضرت عائشہ رضؓ نے صحابہ پر استدراک کیا ہے اور نیز ان کو شاعری سے بھی ذوق تھا اس لیے اس حدیث کے لیے اس کو حضرت عائشہ رضؓ سے بہتر نام نہیں مل سکتا تھا، لیکن محدثین نے تصریح کی ہے کہ حدیث موضوع ہے[۷]۔

اصل یہ ہے کہ شاعری فی ذاتہٖ نہ خیر ہے، نہ شر، وہ کلام کی ایک قسم ہے، کلام کا حسن و قبح

---

[۱] ایضاً [۲] صحیح بخاری مناقب حسان رضؓ [۳] ایضاً [۴] ایضاً [۵] ادب المفرد امام بخاری باب الشعر [۶] عین الاصابہ سیوطی بحوالۂ ابو عروبہ و ابو منصور بغدادی ص ۲۰ [۷] موضوعات شوکانی، ص ۱۰۴ -

وزنِ شعری پر نہیں، بلکہ ان مضامین اور مطالب پر موقوف ہے جو اس میں ادا کیے گئے ہوں، اگر مضمون تقویٰ اور ثقاہت کے خلاف نہیں تو شعر میں بھی برائی نہیں، ورنہ وہ اخلاق کے چہرہ کا داغ اور انسان کی زبان کا عیب ہے، یہ کچھ شاعری ہی پر موقوف نہیں، بلکہ نثر کا بھی یہی حال ہے، امام بخاری نے ادب المفرد میں شاعری کے حسن و قبح کے متعلق بعینہٖ یہی فیصلہ حضرت عائشہ رضؓ سے نقل کیا ہے، فرماتی ہیں۔

الشعر منہ حسن ومنہ قبیح خذ بالحسن ودع القبائح،	بعض اشعار اچھے ہوتے ہیں اور بعض برے ہوتے ہیں، اچھے لو اور برے چھوڑ دو،

اسی بنا پر حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "بڑا گنہگار وہ شاعر ہے جو تمام قبیلہ کی ہجو کرے"[1] یعنی صرف ایک دو شخص کی برائی کے سبب سے قبیلہ کے قبیلہ کو برا کہہ دینا ایک اخلاقی لغزش اور شاعری کا بیجا استعمال ہے۔

تعلیم، افتاء اور ارشاد

تعلیم

علم کی خدمت یہ بھی ہے کہ اس کو دوسروں تک پہنچایا جائے، اور اس سے تزکیۂ نفوس اور اصلاحِ امت کا کام لیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ فیبلغ الشاھد الغائب جو حاضر ہو وہ غائب تک پہنچائے، کیا حضرت عائشہ رضؓ نے یہ فرض ادا کیا؟ ہم نے اس کا جواب تعلیم، افتاء اور ارشاد کے تین بابوں میں دیا ہے۔

علم کی اشاعت اور تعلیم جو مردوں کی مخصوص صفت قرار دیتے ہوں وہ آکر دیکھیں کہ

---

[1] یہ تینوں حدیثیں، ادب المفرد، امام بخاری باب الشعر میں ہیں، ابو یعلیٰ کی مسند عائشہ میں بھی دوسری حدیث مروی ہے۔

حرم نبوت کی یہ شمعِ مبارک اس بزم میں بھی کس طرح جلوہ افروز ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں علم کی اشاعت اور اسلام کی دعوت کے لیے پھیل گئے تھے، مکہ معظمہ، طائف، بحرین، یمن، دمشق، مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان مقدس معلمین کی ایک ایک مختصر جماعت قیام پذیر تھی، خلافت اور حکومت کا سیاسی مرکز ۲۷ برس کے بعد مدینہ منورہ سے کوفہ اور پھر دمشق کو منتقل ہو گیا، تاہم مدینہ منورہ کی روحانی عظمت اور علمی مرکزیت ان انقلابات سے بھی مٹ نہ سکی، مدینہ پاک میں اس وقت حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ کی مستقل درسگاہیں قائم تھیں، لیکن درسگاہِ اعظم مسجد نبویؐ کا وہ گوشہ تھا، جو حجرۂ نبوی کے قریب اور زوجۂ رسول کے مسکن کے پاس تھا۔

لڑکے، عورتیں اور جن مردوں کا حضرت عائشہؓ سے پردہ تھا، وہ حجرہ کے اندر آکر مجلس میں بیٹھتے تھے اور لوگ حجرہ کے سامنے مسجد نبویؐ میں بیٹھتے، دروازہ پر پردہ پڑا رہتا، پردہ کی اوٹ میں وہ خود بیٹھ جاتیں[1]، لوگ سوالات کرتے، یہ جوابات دیتیں، کبھی کوئی سلسلۂ بحث چھڑ جاتا، اور استاد شاگرد کسی خاص موضوع پر گفتگو کرتے[2]، کبھی خود کسی مسئلہ کو چھیڑ کر بیان کرتیں اور لوگ خاموشی کے ساتھ سنتے، اپنے شاگردوں کی زبان، طرزِ ادا اور صحت تلفظ کی بھی سخت نگرانی کرتی تھیں، ایک دفعہ اور ابن ابی عتیق کہ دونوں بھتیجے تھے، مگر دو ماؤں سے تھے، خدمتِ بابرکت میں پہنچے، قاسم کی زبان صاف نہ تھی، اعراب میں غلطیاں کرتے تھے، حضرت عائشہؓ نے اُن کو ٹوکا اور فرمایا تم ایسی زبان کیوں نہیں بولتے، جیسی میرا یہ برادرزادہ بولتا ہے، میں سمجھ گئی، اس کو اس کی ماں نے اور تم کو تمہاری ماں نے تعلیم دی ہے، قاسم کی ماں کنیز تھیں، (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الاخبثین)

ان عارضی طالب علموں کے علاوہ جو کبھی کبھی حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے، وہ

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۷۲، و ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی ص ۲۹۔ [2] مسند جلد ۶ ص ۷۵۔

خاندانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو، اور شہر کے یتیم بچّوں کو اپنے آغوشِ تربیت میں لیتی تھیں اور ان کی تعلیم و تربیت کرتی تھیں، کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ غیر لڑکوں کو جو بڑے ہو چکے ہوں، اپنی بہنوں یا بھانجیوں سے دُودھ پلواتی تھیں اور خود ان کی رضاعی خالہ یا نانی بن کر ان کو اندر آنے کی اجازت دیتی تھیں[۱]، جنکو اندر آنے کی اجازت نہ تھی، یعنی محرم نہ تھے، وہ افسوس کرتے تھے کہ ہم کو حصول علم کا اچھی طرح موقع نہیں ملتا، قبیصہ کہتے تھے، کہ عروہ مجھ سے علم میں اس لیے آگے بڑھ گئے کہ وہ اندر جاتے تھے[۲]، امام نخعی جو عراق کے متفق علیہ امام تھے، وہ لڑکپن[۳] میں حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، ان کے دوسرے معاصرین کو اس پر رشک[۴] تھا،

معمول تھا کہ ہر سال حج کو جائیں، اسلام کا وسیع دائرہ سال میں ایک دفعہ سمٹ کر ایک نقطہ پر جمع ہو جاتا تھا، کوہِ حرا اور ثبیر کے درمیان حضرت عائشہ رضؓ کا خیمہ نصب ہوتا[۵]، تشنگانِ علم جوق درجوق دور دراز ممالک سے آکر حلقۂ درس میں شریک ہوتے[۶]، مسائل پیش کرتے تھے، اپنے شبہات کا ازالہ چاہتے، لوگ بعض مسائل کو پوچھتے جھجکتے تو وہ ڈھارس بندھاتیں، ایک صاحب ایک بات پوچھنا چاہتے تھے لیکن شرماتے تھے، آپ نے فرمایا کہ جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے تھے مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو[۷]، یہی واقعہ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ گزرا، ان کو بھی یہی جواب[۸] دیا، میں تو تمھاری ماں ہوں اور حقیقۃً وہ اپنے شاگردوں کی ماں ہی بنکر تعلیم دیتی تھیں، عروہ، قاسم، ابو سلمہ، مسروق، عمرہ اور صفیہ کی تعلیم و تربیت

---

[۱] صحیح مسلم کتاب رضاعۃ الکبیر و مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۲۷۱، اس مسئلہ میں جیسا کہ پہلے اوپر گزر چکا (ص ۴۲۱ حاشیہ) حضرت عائشہ رضؓ منفرد تھیں، [۲] تہذیب ابن حجر، ترجمۂ عائشہ رضؓ [۳] تذکرۂ ذہبی، ترجمۂ ابراہیم نخعی [۴] مسند جلد ۶ ص ۱۷۲ [۵] ابن سعد جزء مدنیین ص ۲۱۸ میں جائے قیام کوہ ثبیر اور حرار کے بیچ میں بتایا گیا ہے اور صحیح بخاری جلد اوّل ص ۲۱۹ میں وادیٔ ثبیر کے جوف میں جگہ بتائی گئی ہے [۶] ابن سعد جزء اہلِ مدینہ ص ۲۱۸ مسند جلد ۶ ص ۷۴ و بخاری جلد ص ۲۱۹، [۷] مسند جلد ۶ ص ۹۰، [۸] موطا امام مالک باب الغسل،

انھوں نے اسی مادرانہ شفقت کے ساتھ کی تھی، بلکہ ایسے بچوں کو متبنیٰ کر لیتی تھیں، اور ان کے مصارف کی بھی خود ذمہ دار ہو جاتی تھیں، وہ اپنے بعض شاگردوں کے ساتھ وہ برتاؤ کرتی تھیں کہ ان کے عزیزوں کو رشک آتا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو ان کے چہیتے بھانجے تھے، وہ اپنی خالہ کے ایک شاگرد اسود سے کہتے ہیں کہ "ام المومنین تم سے جو راز کی باتیں کہتی تھیں، مجھے بھی بتاؤ![1]

اُن کے شاگرد بھی ویسی ہی ان کی عزت کرتے تھے، عمرۃ انصاریہ تھیں، لیکن حضرت عائشہؓ کو وہ خالہ کہتی تھیں[2]، مسروق بن اجدع تابعی کو انھوں نے متبنیٰ کر لیا تھا[3]، وہ ان کا نام اس طرح لیتے تھے۔ الصدیقۃ بنت الصدیق حبیبۃ حبیب اللہ المبرأۃ من السماء۔

مستفیدین اور تلامذہ کی تعداد کم نہ تھی، مسند ابن حنبل میں حضرت عائشہؓ کی سب سے زیادہ حدیثیں ہیں، ان حدیثوں کو جن لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے، میں جہاں تک گن سکا ہوں، ان کی تعداد تقریباً ۲۰۰ تک پہنچتی ہے، ان میں مرد و عورت، صحابی و تابعی، غلام و آزاد، عزیز و بیگانہ، ہر صنف کے اشخاص داخل ہیں، ابو داؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ جو امام بخاری سے مقدم تھے، انھوں نے اپنی سند میں حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد کی روایتیں الگ الگ اس کے نام سے لکھی ہیں، لیکن یہ مسند مختصر ہے، اس لیے حدیثیں بھی کم ہیں، ابن سعد نے طبقۂ اہلِ مدینہ میں ان کے شاگردوں کو گنایا ہے اور ان کے حالات لکھے ہیں، ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عزیزوں، غلاموں، صحابیوں اور تابعیوں کی الگ الگ فہرست دی ہے، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حسب ذیل اشخاص ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت زید بن خالد جہنیؓ، ربیعہؓ بن عمرو الجرشی، سائب بن یزید، حارث بن عبداللہ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ غلاموں میں ابو یونس، ذکوان، ابو عمرو اور ابن فرخ کا نام تو تہذیب

---

[1] مسند ابو داؤد طیالسی ص ۱۹۷، [2] تذکرۂ ذہبی ترجمۂ مسروق، [3] تذکرۂ ذہبی و تہذیب ابن حجر ترجمۂ مسروق

ہی میں ہے، ان کے علاوہ ابومدلہ مولیٰ عائشہ رض کا ذکر ترمذی میں ہے[1] اور ابوالبابہ مروان کا ابن سعد میں[2] ہے، ابویحییٰ[3] اور ابویوسف کا نام مسند میں[4] ہے، ان غلاموں میں ذکوان اور ابویونس زیادہ مشہور ہیں۔ مسند میں عبداللہ بن یزید رضیع[5] عائشہ رض کا ذکر ہے، رجال کی کتابوں میں بھی اسی قدر مذکور ہے، ان بزرگ کا زیادہ حال نہیں معلوم۔

عزیزوں میں ام کلثوم بنت ابی بکر ان کی بہن، عوف بن حارث رضاعی بھائی، قاسم بن محمد اور عبداللہ بن محمد دونوں بھتیجے، حفصہ بنت عبدالرحمن، اور اسما بنت عبدالرحمن دونوں بھتیجیاں، اور عبداللہ بن عتیق بن محمد عبدالرحمان بن ابی بکر رض، ان کے بھائی کے پرپوتے، عبداللہ بن زبیر اور قاسم بن زبیر رض دونوں بھانجے، اور عائشہ بنت طلحہ ان کی بھانجی، اور عباد بن حبیب اور عباد بن حمزہ بھانجے کے پوتے، ان کے علاوہ اور بہت سے اعزہ واقارب کے لڑکے ان کی آغوشِ تربیت کے پروردہ تھے، ابنِ سعد میں ان کی تفصیل ہے۔

تابعین میں سے اس عہد کے تمام علمائے حدیث ان کے خوشہ چیں ہیں، ڈیڑھ دوسو نام ہم نے مسانید سے چھانٹے ہیں، سب کی تفصیل کے لیے کئی صفحوں کی ضرورت ہوگی، اس لیے قلم انداز کرتے ہیں، ان میں صرف عورتوں کے نام لکھتے ہیں کہ ان پردہ نشینوں کو اس پردۂ حرم کے علاوہ کہیں اور بیٹھنے کا موقع نہ ملے گا۔

---

[1] باب ای الکلام احب الی اللہ ص ۵۹۷، [2] جز، اہل مدینہ ذکر موالی، [3] ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۵۸

[4] ایضاً ص ۶۷۔

[5] ایضاً ص ۱۳۲ ان کے نام کے ساتھ ہمیشہ رضیع عائشہ لکھا جاتا ہے۔ رضیع عائشہ کے معنی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پلایا ہوا بچہ، اس سے مقصود یہی ہوگا کہ ان کے حکم سے ان کی بہن بھانجی نے دودھ پلایا ہوگا، مگر اس کی تصریح مجھے نہیں ملی۔

ا

اسماء بنت عبدالرحمٰن،

ب

بریرہ مولاۃ عائشہؓ بنانہ بنت یزید

بنانہ مولاۃ عبدالرحمان، بہیئہ

ت

بتالہ بنت یزید البشمیہ۔

ج

جسرۃ۔

ح

حفصہ بنت عبدالرحمٰن

خ

خیرہ حسن بصری کی ماں

ذ

ذفرہ۔

ر

رمیثہ

ز

زینب بنت ابی سلمہ، زینب بنت محمدؐ،

زینب بنت نصر۔

س

سائبہ، سلمٰی البکریہ، سمیتہ البصریہ،

ش

شمسیہ

ص

صفیہ بنت الحارث، صفیہ بنت

شیبہ، صاحبۃ عائشہ، صفیہ بنت

عبیدہ، صفیہ بنت عطیہ۔

ع

عائشہ بنت طلحہ، عمرۃ بنت عبدالرحمان،

عمرۃ بنت قیس العدویہ،

ف

فاطمہ بنت ابی جبیش۔

ق

قمیر بنت عمیر الکوفہ۔

ک

کریمہ بنت ہمام، کلثم بنت عمرو صناحۃ

عائشہ رضی اللہ عنہا۔

م

معاذہ، میمونہ بنت عبدالرحمان۔

ھ

ھنید، ھنیدہ

کنی	ام بکر
"	ام جمدر
"	ام حمیدہ
"	ام الدردار
"	ام ذرہ مولاۃ عائشہ رضؓ
"	ام سالم
"	ام سعیدہ

کنی	ام عاصم
"	ام علقمہ
"	ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق رضؓ
"	ام کلثوم بنت ثمامہ
"	ام کلثوم اللیثیہ
"	ام محمد
"	ام عبداللہ
"	ام ہلال

ان تمام مستفیدین اور مسترشدین میں وہ ارباب کمال جو حضرت عائشہ رضؓ ہی کے آغوش تربیت میں پل کر جوان ہوئے اور حلقۂ محدثین میں وہ اسی حیثیت سے ممتاز ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضؓ کے خزانۂ علم کے کلید بردار سمجھے جاتے ہیں، حسب ذیل ہیں۔

عروہ حضرت زبیر رضؓ کے بیٹے، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے نواسے، حضرت اسما بنت ابی بکر رضؓ کے فرزند، حضرت عائشہ رضؓ کے بھانجے، خالہ کے بڑے پیارے تھے، انہی کی گود میں پرورش پائی، مدینہ میں فضل وکمال کے تاجدار تھے، امام زہری وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، فن سیرت میں امام سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کے مرویات اور فقہ وفتاویٰ کا عالم ان سے بڑا اور کوئی نہ تھا۔ ۹۴ھ میں وفات پائی۔

قاسم بن محمد، محمد بن ابی بکر رضؓ کے بیٹے، حضرت ابوبکر رضؓ کے پوتے، حضرت عائشہ رضؓ کے بھتیجے یہ بھی اپنی پھوپھی ہی کے آغوشِ تربیت میں پلے تھے، بچپن سے مذہبی تعلیم پائی تھی، بڑے ہوکر مدینہ کے امام الفقہ ہوئے، مدینہ میں فقہائے سبعہ کی جو مجلس تھی، اس کے ایک رکن یہ بھی تھے، روایت حدیث میں سخت محتاط تھے، ایک ایک حرف کی احتیاط کرتے تھی۔ ۱۰۸ھ میں انتقال ہوا۔

ابو سلمہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے فرزند تھے، کم سنی ہی میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا، حضرت عائشہؓ نے ان کی پرورش کی، یہ عروہ کے ہمسر سمجھے جاتے تھے، مدینہ کی بارگاہ علمی کے ایک مسند نشین یہ بھی ہیں، بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایتیں کی ہیں، سنہ ۹۴ہجری میں وفات پائی

مسروق کوفی تھے، لیکن باہمی خانہ جنگیوں میں شریک نہ ہوئے، ذہبی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو متبنیٰ کیا تھا، ابن سعد میں ہے کہ ایک دفعہ وہ ملنے آئے تو ام المومنینؓ نے ان کے لیے شربت بنوایا، کہ میرے بیٹے کے لیے شربت بناؤ، حضرت عائشہؓ کا انتقال ہوا تو انھوں نے کہا کہ اگر بعض باتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں اُمّ المومنین کے لیے ماتم کی مجلس برپا کرتا، ابن حنبل نے مسند میں، اور بخاری نے جامع میں حضرت عائشہؓ سے ان کی اکثر روایتیں لکھی ہیں، فقہائے عراق میں شمار ہوتے تھے، بڑے زاہد اور عبادت گزار تھے، کوفہ میں قضا کی خدمت انجام دیتے تھے، لیکن معاوضہ نہیں لیتے تھے، سنہ ۶۳ھ میں وفات پائی۔

عورتوں میں سب سے پہلے عمرہ بنت عبدالرحمٰن کا نام لینا چاہیے، یہ مشہور صحابہ اسعدؓ بن زرارہ انصاری کی پوتی تھیں، عورتوں میں حضرت عائشہؓ کی تعلیم و تربیت کی سب سے بہتر مثال ہیں محدثین ان کا نام عظمت سے لیتے تھے، ابن المدینی کا قول ہے جس کو صاحب تہذیب نے نقل کیا ہے۔

عمرة احد الثقات العلماء بعائشة الاثبات فیھا۔	عمرہ حضرت عائشہ کی حدیثوں کی ثقہ اور مستند جاننے والوں میں ایک تھیں۔

اسی کتاب میں ابن حبان کا قول ہے۔

کانت من اعلم الناس بحدیث عائشة۔	حضرت عائشہ کی حدیثوں کو سب سے بہتر جانتی تھیں۔

سفیان کہتے ہیں۔

اثبت حدیث عائشۃ حدیث عمرۃ والقاسم وعروۃ — حضرت عائشہ رض کی مستند ترین حدیث وہ ہے جو عمرہ، قاسم اور عروہ کی حدیث ہو۔

ام المومنین ان سے بڑی محبت کرتی تھیں، اسی کا اثر تھا کہ لوگ بھی ان کی خاطر داری کرتے تھے[۱]، امام بخاری کی روایت کے مطابق وہ ام المومنین کی میر منشی تھیں، لوگ انہی کے توسط سے تحفے اور خطوط حضرت عائشہ رض کی خدمت میں بھیجتے تھے[۲]۔ ابوبکر بن محمد قاسم بن عمرو بن حزم قاضی مدینہ جن کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے احادیث کی جمع و تحریر کا حکم دیا تھا اور انہی کے بھتیجے تھے اور اسی بنا پر اس خدمت کے لیے ان کا انتخاب ہوا تھا، چنانچہ اس فرمان کا ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ عمرہ کی تمام حدیثیں لکھ کر بارگاہِ خلافت میں بھیجی جائیں[۳]، پھوپھی اپنے قاضی بھتیجے کی اجتہادی غلطیوں کی اصلاح کرتی تھیں[۴]، امام زہری نے جب تحصیلِ حدیث شروع کی تو ایک محدث نے کہا اگر تم کو علم کی حرص ہو تو میں تم کو اس کا خزانہ بتاؤں، عمرہ کے پاس جاؤ، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش پروردہ ہیں، زہری کہتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس پہنچا تو ان کو اتھاہ سمندر پایا[۵]۔

صفیہ بنت شیبہ مشہور تابعہ تھیں، شیبہ جو خانۂ کعبہ کے کلید بردار تھے، ان کی صاحبزادی تھیں، تمام حدیث کی کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں، ان کا ذکر احادیث میں صفیہ بنت شیبہ صاحبۃ عائشہ یعنی شیبہ کی لڑکی صفیہ حضرت عائشہ رض کی مخصوص شاگرد، یا حضرت عائشہ رض کی صحبت یافتہ[۶]، لوگ ان سے مسائل اور حضرت عائشہ رض کی حدیثیں پوچھنے آتے تھے، ابوداؤد (باب الطلاق علی الغلط) میں ہے۔

خرجت مع عدی بن عدی الکندی حتی قدمنا مکۃ فبعثنی — عدی کندی کے ساتھ میں حج کو نکلا، جب ہم مکہ پہنچے، تو مجھ کو صفیہ بنت شیبہ کی خدمت

---

[۱] کتاب ادب المفرد بخاری باب المراسلۃ الی النساء [۲] ایضاً [۳] تہذیب ابن حجر ترجمۂ عمرۃ [۴] موطا امام مالک مالا قطع فیہ [۵] تذکرۂ ذہبی جلد اول ص ۹۹ [۶] مسند جلد ۶ ص ۲۷۶ و ابن سعد جزء نساء

الی صفیة بنت شیبة وکانت	میں اس نے بھیجا، صفیہ نے حضرت عائشہؓ
حفظت من عائشة ۔	سے حدیثیں یاد کر رکھی تھیں ۔

کلثم بنت عمرو القرشیہ، رجال کی کتابوں میں ان کے نام کے ساتھ بھی صاحبۃ عائشہ کا لقب لکھا جاتا ہے، بعض حدیثیں اُن سے بھی مروی ہیں ۔

عائشہ بنتِ طلحہ حضرت طلحہؓ کی صاحبزادی، صدیق اکبرؓ کی نواسی اور حضرت عائشہؓ کی بھانجی تھیں، خالہ کی گود میں پلی تھیں، ابن معین ان کی نسبت کہتے ہیں، ثقۃ حجۃ، عجلی کے الفاظ ہیں مدینة تابعیة ثقة ابوزرعہ دمشقی کا قول ہے ۔

حدث عنہا الناس لفضلہا	لوگوں نے ان کی بزرگی اور ان کا ادب
وادبہا ۔	دیکھ کر ان سے حدیث روایت کی ۔

معاذہ بنت عبداللہ العدویہ، بصرہ وطن تھا، حضرت عائشہؓ سے تلمذ تھا، احادیث میں ام المومنین کی حدیثیں ان کی زبانی بھی کثرت سے مروی ہیں، بڑی عبادت گزار تھیں، شوہر کی وفات کے بعد بستر پر کبھی نہ سوئیں، ایک دفعہ بیمار پڑیں، طبیب نے نبیذ تجویز کی، دوا جب تیار ہوئی، نبیذ کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور دُعا کی کہ خداوندا تو جانتا ہے کہ حضرت عائشہ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ سے منع فرمایا ہے، پیالہ اسی وقت ہاتھ سے گر پڑا اور وہ اچھی ہوگئیں[1]

افتاء

عنواناتِ سابقہ میں حضرت عائشہؓ کے فضل وکمال کے جو دلائل وشواہد گزرے ہیں، ان سے قیاس ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنی زندگی کے بقیہ چالیس برس کس مرجعیت عام اور مقتدایانہ حیثیت سے بسر کیے ہوں گے، لیکن ہمارے

---

[1] اس فصل کے تمام حالات کتب رجال خصوصاً ابنِ سعد اور تہذیب بن حجر سے ماخوذ ہیں ۔

پاس خوش قسمتی سے ایسی تحریری شہادتوں کا ذخیرہ بھی موجود ہے جس سے یہ قیاس یقین اور قطعیت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، خلفائے اسلام، علمائے صحابہؓ، عام مسلمانان بلاد مشکلات کی حالت میں اسی آستانہ کی طرف رجوع کرتے تھے، محدثین نے کثرت وقلت فتاوی کی بناپر علمائے صحابہ کے تین طبقات قرار دیئے ہیں، طبقۂ اول جس کے فتاوے اگر مستقلاً علیحدہ علیحدہ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے، طبقۂ دوم میں وہ اشخاص ہیں جنکے الگ الگ فتاویٰ ایک ایک رسالہ کے بقدر ہیں، تیسرے طبقہ کا مجموعۂ فتاویٰ ایک رسالہ کے برابر ہے طبقۂ اول میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور آخراً زوجۂ رسول، جگر گوشۂ صدیقؓ ام المومنین عائشہؓ، ان کے فتاویٰ اس کثرت سے احادیث میں مذکور ہیں، کہ اگر ایک جا جمع کیے جائیں تو ایک مستقل دفتر تیار ہو جائے[1]۔

خلفائے اسلام حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی اپنے پدر بزرگوار کی زندگی ہی میں مرجعیت عام اور منصب افتاء حاصل کر لیا تھا، اور آخر زمانہ تک بقیہ خلفائے راشدینؓ کے زمانوں میں بھی وہ ہمیشہ اس منصب پر ممتاز رہیں، حضرت قاسم جو صحابہ کے بعد مدینہ کے سات مشہور تابعیوں میں شمار ہوتے تھے، فرماتے ہیں۔

كانت عائشة قد استقلت	حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت
بالفتویٰ فی خلافة ابی بكر	ہی میں مستقل طور سے افتاء کا منصب
وعمر وعثمان وهلم	حاصل کر چکی تھیں، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ
جرا الى ان ماتت يرحمها	اور ان کے بعد آخر زندگی تک وہ برابر
الله[2]۔	فتوے دیتی رہیں۔

حضرت عمرؓ کہ مجتہد اسلام تھے، اس مشکوٰۃ سے بے نیاز نہ تھے،

---

[1] اعلام الموقعین ابن قیم مقدمہ۔ [2] ابن سعد جزء ۲ قسم ۲ ص ۱۲۶۔

کانت عائشہ تفتی فی	حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں
عہد عمر و عثمان بعدہٗ	اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں
یرسلان الیہا فیسئلانہا عن	فتویٰ دیا کرتی تھیں اور حضرت عمرؓ و حضرت
السنن[1]	عثمانؓ اُن سے حدیثیں پوچھوا بھیجتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مخصوص صحابۂ کبار کے علاوہ اور لوگوں کو افتاء کی اجازت نہ تھی، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت عائشہؓ کے علم اور واقفیت پر کس درجہ اعتماد تھا۔ امیر معاویہؓ دمشق میں حکومت کرتے تھے، لیکن ضرورت پڑتی تو قاصد شام سے چل کر باب عائشہؓ کے سامنے کھڑے ہو کر سلطان وقت کے لیے مسائل دریافت کرتا[2]، مواعظ و نصائح کا ذخیرہ چاہتا[3]۔

اکابر صحابہ مدینۂ طیبہ اکابر صحابہ کا مرکز تھا، خلافت شیخین تک حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابو درداءؓ، حضرت زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہم کاشانۂ اسلام کے اساطین علم فتویٰ تھے، حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان میں سے اکثر نے وفات پائی، ان کے بعد نوجوان صحابہؓ کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کے سرعسکر حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن زبیر، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم تھے، حضرت عائشہؓ اس صغر سنی اور کم عمری کے باوجود جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے اول ہی دور سے اکابر صحابہ کی زندگی ہی میں افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں، بڑے بڑے صحابۂ کبار معضلاتِ امور میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، جامع ترمذی میں ہے۔

ما اشکل علینا اصحاب محمد	ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کوئی مشکل
صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط فسالنا	مسئلہ پیش نہیں آیا، لیکن عائشہؓ کے پاس

[1] حوالۂ مذکور [2] مسند احمد جلد ۶ ص ۸۷ [3] جامع ترمذی بعد باب ما جاء فی حفظ اللسان۔

عائشۃ الا وجدنا عندھا علما، — اس کا علم موجود پایا۔

ابنِ سعد میں ہے۔

یسئلھا الاکابر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، — اُن سے بڑے بڑے صحابہ آکر مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔

مسروق تابعی قسم کھاکر کہتے تھے۔

لقد رایت مشیخۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسألونھا عن الفرائض — ہم نے شیوخ صحابہ کو ان سے مسائل پوچھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(ابن سعد وحاکم)

حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ جو فقہ اور اجتہاد میں حضرت عائشہؓ کے برابر تھے، وہ بھی بعض مسائل میں حضرت عائشہؓ سے پوچھ کر تسلی کر لیتے تھے[۱]، حضرت ابو موسیٰ اشعری علمائے صحابہ میں داخل ہیں، وہ بھی اس آستانہ سے بے نیاز نہ تھے[۲]۔

عامہ ممالک اسلامیہ | مدینہ ممالک اسلامیہ کا قلب تھا، لوگ زیارت و تبرک کے لیے ہر طرف سے ادھر کا رخ کرتے تھے، یہاں آتے تو زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر ضرور حاضر ہوتے دُور دراز ممالک کے لوگ آداب و رسوم سے ناواقف ہوتے، وہ پہلے حضوری کے آداب و رسوم سیکھتے، قاعدہ سے سلام کرتے[۳]، حضرت عائشہؓ اُن سے عزت و تعظیم سے پیش آتیں[۴]، بیچ میں پردہ حائل ہوتا[۵]، لوگ مختلف مسائل اور شکوک و شبہات پیش کرتے، جوابات سنکر تسلی پاتے، کسی سوال و پرسش میں اگر سائل کو شرم آتی، تو ان اللہ لایستحی من الحق کے مطابق اس کی ڈھارس بندھاتیں، فرماتیں میں تمہاری ماں ہوں، ماؤں سے کیا پردہ ہے[۶]۔

---

[۱] صحیح بخاری وتر و جنازہ، ونسائی، باب لبس الحریر [۲] موطا امام مالک باب الغسل۔ [۳] مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۶
[۴] ایضاً ص ۱۲۱۹ [۵] ایضاً ص ۲۱۹ و صحیح بخاری باب طواف النساء [۶] مسند احمد جلد ۶ ص ۹۷ و ۲۶۵

حضرت عائشہؓ کا سالانہ حج کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا، موسم حج میں حضرت عائشہؓ کے خیمہ[1] میں جو کوہ ثبیر کے دامن میں نصب ہوتا تھا، سائلوں اور مستفتیوں کا ہجوم[2] ہوتا، کبھی خانۂ کعبہ میں زمزم کی چھت کے نیچے بیٹھ جاتیں اور تشنگانِ علم کا سامنے پر اژدحام[3] جاتا، لوگ ہر قسم کے مسائل پوچھتے، اور وہ قرآن وحدیث سے سب کے جواب دیتیں۔

جن مسائل میں صحابہ میں اختلاف پیش آتا، لوگ فیصلہ کے لیے انہی کی عدالت میں رجوع کرتے، ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی مجھے ایک مسئلہ میں اصحابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختلاف بہت شاق گزرا، آپ کی رائے کیا ہے، حضرت عائشہؓ نے اس کا جواب دیا، حضرت ابوموسیٰ کو اس جواب سے تسلی ہوگئی، اور کہا کہ آپ کے بعد اب کسی سے اس مسئلہ کو نہ پوچھوں[4] گا، حضرت ابو درداؓ فتویٰ دیتے تھے کہ اگر اتفاقاً کسی نے وتر تہجد کے خیال سے نہیں پڑھی اور صبح ہوگئی تو وتر کا وقت نہیں رہتا، لوگوں کو تسکین نہ ہوئی حضرت عائشہؓ کے پاس آئے، آپ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح ہو جاتی تھی تب بھی وتر ادا فرما لیتے تھے[5]۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہ دونوں اکابر صحابہ میں سے ہیں، ان میں افطار کے وقت کی نسبت اختلاف تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ افطار کرتے تھے اور پھر فوراً ہی نماز مغرب کو کھڑے ہو جاتے تھے، حضرت ابوموسیٰؓ دونوں میں تاخیر فرماتے تھے، لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے فتویٰ چاہا دریافت کیا کہ ان میں تعجیل کون صاحب کرتے ہیں، لوگوں نے کہا عبداللہ بن مسعودؓ، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہی تھی[6]۔

اگر کوئی شخص حج کے لیے نہ جائے اور اپنی قربانی کا جانور یہیں سے کعبہ مکرمہ کو روانہ

---

[1] صحیح بخاری باب طواف النساء [2] مسند جلد ۶ ص ۲۲۵ و ۲۶۱ و ۲۵۹ و ۲۱۹ و ۲۹۵ و ۴۰ [3] صحیح بخاری باب طواف النساء، ومسند جلد ۶ ص ۹۵۔ [4] موطا امام مالک باب الغسل۔ [5] مسند جلد ۶ ص ۲۴۲، [6] ایضاً ص ۴۸ وسنن نسائی باب السجود۔

کردے، اس صورت میں اس شخص کی کیا حالت سمجھی جائے گی، حضرت ابنِ عباسؓ فتویٰ دیتے تھے کہ وہ بحالتِ حج سمجھا جائے گا اور حاجی پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں، وہ اس پر بھی عائد ہوتی ہیں، زیاد ابنِ ابیہ امیر معاویہ کی طرف سے حجاز کا والی تھا، اس نے استفتا حضرت عائشہ کی خدمت میں بھیجا، انھوں نے جواب دیا کہ ابنِ عباسؓ کا فتویٰ صحیح نہیں، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کی بدھیاں اپنے ہاتھ سے بٹی ہیں اور میرا باپ اس قربانی کو لے کر کعبہ گیا، لیکن جو چیزیں خدا نے حلال کی ہیں ان میں سے کسی چیز سے بھی آپ نے اس اثنا میں احتراز نہیں فرمایا[1]۔

بیہقی میں ہے کہ امام زہری نے کہا کہ اس مسئلہ میں سب سے پہلے جس نے کشف حقیقت کیا ہے، وہ ام المومنین عائشہؓ تھیں، لوگوں کو ان کا جب یہ فتویٰ معلوم ہوا تو سب نے اس کی تقلید کی، اور اس دن سے حضرت عباسؓ کے اس فتوے پر عمل متروک ہو گیا[2]۔

حضرت ابوہریرہؓ فتویٰ دیتے تھے کہ رمضان میں صبح ہو جائے اور انسان کو غسل کی ضرورت ہو تو اس کا روزہ اس دن کا درست نہ ہوگا، ایک صاحب نے حضرت عائشہؓ سے اور اسکے بعد حضرت اُم سلمہؓ سے جا کر فتویٰ پوچھا، انھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کے خلاف تھا، مروان ان دنوں امیر مدینہ تھا، اُس نے مستفتی کو حضرت ابوہریرہؓ کے پاس بھیجا، اُس نے جا کر ان کا اور ام المومنین کا فتویٰ بیان کیا، انھوں نے سُنا تو اپنے فتوے سے رجوع کر لیا[3]۔

حالتِ احرام میں موزہ پہننا درست نہیں، اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو موزہ کا بالائی حصہ کاٹ دینا چاہیئے کہ جوتا ہو جائے، حضرت ابن عمرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ عورتیں موزے کاٹ لیں، لیکن ایک تابعیہ نے ان سے حضرت عائشہؓ کا فتویٰ اس کے خلاف نقل کیا تو انھوں

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج۔ [2] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ سننِ بیہقی۔

[3] صحیح مسلم کتاب الصیام

اپنا قول واپس لے لیا[1]۔

ایک مجلس میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں بزرگ تشریف فرما تھے، مسئلہ یہ پیش ہوا کہ اگر کوئی حاملہ عورت بیوہ ہوگئی اور چند روز کے بعد اس کو وضع حمل ہوا تو اسکی عدت کا زمانہ کس قدر ہوگا، قرآن مجید میں دونوں کے الگ الگ احکام مذکور ہیں، بیوگی کے کے لیے چار مہینہ دس دن اور حاملہ کے لیے تا زمانہ وضع حمل، حضرت ابن عباسؓ نے کہا ان دونوں میں جو سب سے زیادہ مدت ہوگی، وہ زمانۂ عدت ہوگا، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ وضع حمل تک عدت کا زمانہ ہے، دونوں میں فیصلہ نہ ہوا تو لوگوں نے حضرت عائشہؓ (اور حضرت ام سلمہؓ) کے پاس آدمی بھیجا، انھوں نے وضع حمل تک بتایا، اور دلیل میں سبیعہ کا واقعہ پیش کیا جن کی بیوگی کے تیسرے ہی دن ولادت ہوئی اور اسی وقت ان کو دوسرے نکاح کی اجازت مل گئی[2]۔ یہ فیصلہ اس قدر مدلل تھا کہ اسی پر جمہور کا عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابوہریرہؓ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ جنازہ کے پیچھے چلنے میں ثواب ہے، یا نہیں، دوسرے صاحب ثواب کے مدعی تھے اور پہلے صاحب منکر تھے، فیصلہ حضرت عائشہؓ سے چاہا گیا، آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کی تصدیق کی[3]۔

حضرت عائشہؓ کے فتاوی گو ہر قسم کے جوابات ہیں لیکن زیادہ تر زنانہ مسائل زن و شو تعلقات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات آپ کے شبانہ عبادات اور ذاتی اخلاق کے متعلق ہیں اور بقول ابن حزم و حافظ ابن قیم اگر ان کے فتاوی کو یکجا کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے[4]۔

عراق[5]، شام[6]، اور مصر[7] سے زن و مرد فتوی لے لیکر آتے اور جواب سے تشفی پاتے، تلامذہ جو خدمت میں رہتے تھے، لوگ اپنی غرض مندی سے ان سے تقرب حاصل کرتے تھے، عائشہؓ بنت طلحہ جو اکثر خدمت گزاری کی عزت حاصل کرتی تھیں کہتی ہیں،

---

[1] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ شافعی و بیہقی و ابوداؤد و ابن خزیمہ [2] طیالسی و مسند عائشہؓ و ام سلمہؓ [3] صحیح بخاری کتاب الجنائز [4] مسند احمد جلد ۶ ص ۹۳ و ۹۵ [5] ایضاً ص ۱۷۳ [6] مسند جلد ۶ ص ۲۵۸۔

کان الناس یاتونہا من	لوگ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس ہر شہر
کل مصر فکان الشیوخ ینتابونی	سے آتے تھے مُسن آدمی میرے انکے
لمکانی منہا وکان الشباب	تعلقات کی بنا پر مجھ سے ملنے آتے تھے
یتاخونی فیھدون الیٰ و	جوان آدمی مجھ سے برادرانہ وخواہرانہ رشتے
یکتبون الیٰ من الامصار فاقول	قائم کرلیتے تھے، مجھکو لوگ تحفے بھیجا کرتے
لعائشۃ یاخالۃ ھٰذا کتاب	تھے اور شہر شہر سے خط لکھتے تھے، میں
فلان وھدیتہ فیقول لی	حضرت عائشہ رضؓ سے عرض کرتی، خالہ جان!
عائشۃ ای بنیۃ فاجیبیہ و	یہ فلاں شخص کا خط اور تحفہ آیا ہے، فرمائیں
اثیبیہ[1]۔	اس کا جواب لکھ دو اور معاوضہ میں تم بھی کچھ بھیجو۔

لیکن بایں ہمہ علم وفضل اگر ان کے سامنے کوئی ایسا استفتا پیش ہوتا جس کے متعلق انکو کوئی مستند واقفیت نہ ہوتی یا ان سے بہتر اس کا کوئی جواب دینے والا موجود ہوتا تو مستفتی کو اس کے پاس جانے کا حکم دیتیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے سفر میں موزوں پر مسح کرنیکے متعلق استفسار کیا، فرمایا، علیؓ سے جاکر پوچھو وہ اکثر سفروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں۔[2] ایک دفعہ عصر کے بعد نماز پڑھنے کی بابت کسی نے سوال کیا، بولیں، اُمِ سلمہ سے جاکر پوچھو،[3] ایک کا واقعہ ہے کہ ایک سائل نے حریر پہننے کی نسبت پوچھا، جواب دیا کہ عبداللہ بن عمر کے پاس جاؤ۔

اِرشاد

کسی مذہب میں تجدید کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ داعیِ مذہب کی آواز ایک مدت کے بعد پست پڑجاتی ہے، لیکن قرب عہد میں اس بات کی

---

[1] ادب المفرد امام بخاری باب الکتابۃ الی النساء [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۵ [3] سنن نسائی باب التشدید فی لبس الحریر۔

حاجت ہوتی ہے کہ اس آواز کو بار بار کی صدائے بازگشت سے خاموش نہ ہونے دیا جائے، اور اسی کا نام ارشاد ہے، حضرت عائشہ رضؓ نے فریضہ ارشاد کو جس حد تک ادا کیا وہ دیگر صحابہ کی کوششوں سے کسی طرح کم نہیں ہے، وہ اپنے حجرہ میں، مجمع میں، موسم حج میں، غرض کہیں بھی اس فرض سے غافل نہیں رہتی تھیں۔

حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں سازشوں کا جو جال پھیل رہا تھا، اس سے مذہب کا تار و پود اُدھڑ رہا تھا، اُس کو دیکھ کر حضرت عائشہ رضؓ کا دل دُکھتا تھا، جنگِ جمل کی شرکت بھی اسی دردِ دل کا نتیجہ تھا۔

مصر و عجم کی ریشہ دوانیوں سے لوگوں میں حضرت عثمانؓ کی طرف سے اس قدر ناراضی پھیلنی شروع ہوئی کہ بعض لوگ ان پر لعنت بھیجنے لگے، مخارق بن شمامہ بصرہ کے ایک رئیس تھے، انھوں نے اپنی بہن کو حضرت عائشہ رضؓ کے خدمت میں بھیجا کہ اس ابتلائے عام کی نسبت وہ اپنی رائے ظاہر کریں، فرمایا کہ میرے بیٹوں سے میری طرف سے سلام کے بعد کہدو کہ میں نے اسی حجرے کے اندر یہ منظر دیکھا ہے کہ جبرئیل وحی لاتے ہوتے، آپ تشریف فرما ہوتے عثمانؓ پاس ہوتے، آپ ان کے کاندھے پر ہاتھ مار کر کہتے "ہاں عثمانؓ یہ لکھو"۔ خدائے پاک یہ رتبہ فرو تر لوگوں کو نہیں عطا کر سکتا، اس بنا پر جو عثمانؓ کو گالیاں دے اس پر خدا کی لعنت ہو[1]۔

امام احمد نے مسند میں اسی روایت کو اور الفاظ میں بیان کیا ہے، حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا جو ان پر لعنت بھیجے اس پر خدا کی لعنت، میں نے دیکھا ہے کہ وحی آتی ہوتی اور آپؐ عثمانؓ کے بدن سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوتے، اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں دیں، کتابت وحی کی خدمت اُن کے سپرد کی، خدا یہ رُتبہ اور تقرب اُس کو نہیں عطا کر سکتا تھا، جو خدا اور اس رسول کے نزدیک معزز نہ ہو[2]۔

ابو سلمہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے صاحبزادے تھے، ایک زمین کی نسبت

---

[1] ادب المفرد امام بخاری باب بقص شیٔ من الاسم۔ [2] مسند جلد ۶ ص ۲۶۱ و ص ۲۵۰

چند لوگوں کو ان سے نزاع تھی، حضرت عائشہ رضؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے ابو سلمہؓ کو بلا کر سمجھایا کہ اے ابو سلمہ! اس زمین سے باز آؤ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بالشت بھر زمین کے لیے بھی اگر کوئی ظلم کریگا تو ساتوں طبقے اس کے گلے میں ڈالے جائیں گے۔[۱]

مدینہ میں جب بچے پیدا ہوتے تو پہلے تبرکاً وہ حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں لائے جاتے، وہ ان کو دعائیں دیتیں، ایک بچہ آیا تو اس کے سر تلے لوہے کا ایک استرا نظر آیا، پوچھا یہ کیا ہے، لوگوں نے کہا اس سے بھوت بھاگتے ہیں، یہ سنکر حضرت عائشہ رضؓ نے استرا اٹھا کر پھینک دیا اور بولیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شگون سے منع کیا ہے ایسا نہ کیا کرو۔[۲]

مسلمانوں اور ایرانیوں میں اختلاط عہدِ فاروقی میں ہوا، لیکن حضرت عمر رضؓ کے زور و قوت کا یہ نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں عجمیت کے جراثیم سرایت نہ کر سکے، عہدِ عثمانی میں اس اختلاط نے عرب کی آب و ہوا کو مسموم کرنا شروع کر دیا، کبوتر بازی، شطرنج بازی، نرد بازی، یہ تمام لہو و لعب اور تضییع اوقات کے طریقے، اس زمانہ میں پھیلنے لگے، صحابہ چونکہ زندہ تھے انھوں نے سخت دار و گیر شروع کر دی، حضرت عائشہ رضؓ کے ایک گھر میں کرایہ دار رہتے تھے، انکی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں، سخت برافروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی۔[۳]

ابنِ ابی السائب تابعی مدینہ کے واعظ تھے، واعظین گرمیِ مجلس کے لیے نہایت مسجع دعائیں بنا بنا کر پڑھا کرتے اور اپنے تقدس کے اظہار کے لیے موقع بے موقع ہر وقت وعظ کے لیے آمادہ رہتے ہیں، حضرت عائشہ رضؓ نے ان سے خطاب کر کے کہا، تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو، ورنہ میں بزور تم سے باز پرس کروں گی۔" عرض کی یا ام المومنین! وہ کیا باتیں ہیں، فرمایا دعاؤں میں عبارتیں مسجع نہ کرو، کہ آپ اور آپ کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے، ہفتہ میں صرف

---

[۱] صحیح بخاری باب اثم من ظلم شیاً من الارض [۲] ادب المفرد امام بخاری باب الطیرۃ من الجن۔

[۳] ایضاً باب الادب واخراج اہل الباطل۔

ایک دن وعظ کہا کرو، اگر یہ منظور نہ ہو تو دو دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن، لوگوں کو خدا کی کتاب سے اُکتانہ دو، ایسا نہ کیا کرو کہ لوگ جہاں بیٹھے ہوں، آکر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنا وعظ شروع کردو، بلکہ جب ان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کریں، تب کہو"[۱]

اسلام میں حکم ہے کہ مطلقہ عورتیں عدت کے دن اپنے شوہر ہی کے گھر میں گزاریں، اس حکم کے مخالف صرف ایک فاطمہ بنت قیس کی شہادت ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق دیدی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں جاکر رہیں، فاطمہ اس واقعہ کو بیان کر کے اجازتِ انتقالِ مکان پر استدلال کرتی تھیں، حضرت عائشہ رضؓ کے عہد میں اسی واقعہ کی سند سے ایک معزز باپ نے اپنی مطلقہ بیٹی کو شوہر کے یہاں سے بلوا لیا، حضرت عائشہ رضؓ نے اس عام حکم اسلامی کی مخالفت پر سخت اعتراض کیا، مروان اس زمانہ میں مدینہ کا گورنر تھا، اس کو کہلا بھیجا کہ تم سرکاری حیثیت سے اس معاملہ میں دخل دو، اور نفس مسئلہ کی نسبت فرمایا کہ اس واقعہ سے عام استدلال جائز نہیں، واقعہ یہ تھا کہ فاطمہ رضؓ کے شوہر کا گھر شہر کے کنارے پر تھا اور رات کو جانوروں کا خوف رہتا تھا، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی تھی[۲]۔

عجم کے فتح ہونے کے بعد عرب شراب کے جدید اقسام اور اس کے نئے ناموں سے آشنا ہو گئے تھے، جن میں سے ایک "باذق" تھا، یعنی بادہ عربی میں لغتہً "خمر" کا اطلاق شراب کی خاص قسموں پر ہوتا ہے، اس بنا پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان نئی شرابوں کا کیا حکم ہے؟ حضرت عائشہ رضؓ نے اپنی مجلس میں بالاعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک نہ بھگوئے جائیں، پھر مخصوص عورتوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا، اگر تمہارے خم کے پانی سے نشہ پیدا ہو تو وہ بھی حرام ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر منشی چیز کو منع فرمایا ہے[۳]۔

قدرۃً مردوں سے زیادہ آپ کی خدمت میں عورتیں حاضر ہوتیں، عام نسوانی مسائل

---

[۱] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۱۷، [۲] صحیح بخاری باب قصۂ فاطمہ بنت قیس، [۳] سنن نسائی، کتاب الخمر۔

کے ساتھ ان کے مردوں کے متعلق ہدایات دیتی تھیں کہ اپنے اپنے شوہروں کو آگاہ کر دیں بصرہ سے کچھ عورتیں حاضر خدمت ہوئیں، ان کو ہدایت کی کہ مجھے مردوں کو ٹوکتے ہوئے شرم آتی ہے، اپنے اپنے شوہروں کو مطلع کردو کہ پانی سے طہارت کریں کہ یہ مسنون ہے[1]۔

ایک دفعہ کوفہ کی چند بیبیاں حاضر خدمت ہوئیں، دریافت فرمایا کہاں سے آئی ہو، عرض کیا کوفہ سے، اس نام سے ان کو کچھ تکدر رہا، اس کے بعد ان میں سے ایک نے مسئلہ کی ایک صورت پیش کی، یہ صورت حضرت زید بن ارقم مشہور صحابی کے ساتھ پیش آئی تھی، فرمایا تم دونوں نے برا معاملہ کیا، زید سے کہدینا کہ انھوں نے اپنے جہاد کا ثواب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کیا تھا باطل کر دیا، لیکن یہ کہ وہ توبہ کرلیں[2]۔ ایک دفعہ شام کی عورتیں زیارت کو آئیں، وہاں حمام میں جاکر عورتیں برہنہ غسل کرتی تھیں، فرمایا کہ تم ہی وہ عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو عورت اپنے گھر سے باہر اپنے کپڑے اتارتی ہے، وہ اپنے میں اور خدا میں پردہ دری کرتی ہے[3]۔

موسم حج میں حضرت عائشہ کی قیام گاہ لاکھوں مسلمان قلوب کا مرکز بن جاتی تھی، عورتیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں، وہ امام کی صورت میں آگے آگے اور تمام عورتیں ان کے پیچھے پیچھے چلتیں[4]، اسی درمیان میں ارشاد و ہدایت کے فرائض بھی انجام پاتے جاتے، ایک دفعہ ایک عورت کو دیکھا جسکی چادر میں صلیب کے نقش ونگار بنے تھے، دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو اُتار دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے[5]۔

عورتوں کو ایسا زیور پہننا جس سے آواز پیدا ہو ممنوع ہے، نیز گھنٹے وغیرہ کی آواز منع ہے ایک دفعہ ایک لڑکی گھنگرو پہنکر حضرت عائشہ رض کے پاس آئی، فرمایا پہنا کر میرے پاس نہ لایا کرو اس کے گھنگرو کاٹ ڈالو، ایک عورت نے اس کا سبب دریافت کیا، بولیں کہ آپ نے فرمایا ہے

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۹۳ و ۹۵ [2] سنن بیہقی کتاب البیوع [3] مسند جلد ۶ ص ۱۷۳ [4] مسند جلد ۶ ص ۲۲۵، موطا کتاب الحج، نیز دیکھو باب افتخار کا بیان۔

کہ جس گھر میں اور جس قافلہ میں گھنٹا بجتا ہو، وہاں فرشتے نہیں آتے[1]۔

حفصہ بنت عبدالرحمن آپ کی بھتیجی تھیں، وہ ایک دن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر پھوپھی کے پاس آئیں، دیکھنے کے ساتھ اُن کے دوپٹہ کو غصّہ سے چاک کر ڈالا، پھر فرمایا، تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں خدا نے کیا احکام نازل کیے ہیں، اس کے بعد دوسرا گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا[2]۔

حضرت عائشہ رضؓ نے ایک مکاتب غلام آزاد کیا، رخصت کرتے وقت نصیحت کی کہ جاؤ اور جہادِ الٰہی میں شریک ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان آدمی کے اندر خدا کی راہ میں گرد و غبار نہیں پہنچتا، لیکن خدا جہنّم کی آگ اُس پر حرام کر دیتا ہے[3]۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر رضؓ ان کے پاس آئے اور معمولی طرح سے جھٹ پٹ وضو کر کے چلے، حضرت عائشہ رضؓ نے فوراً ٹوکا، عبدالرحمن وضو اچھی طرح کیا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کہتے ہوئے سُنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگیں گے، اس پر جہنّم کی پھٹکار ہو[4]۔

ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اتریں، دیکھا کہ صاحبِ خانہ کی دو لڑکیاں جو اب جوان ہو چلی تھیں، بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں، تاکید کی کہ آیندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے[5]۔

یہودیوں کا دستور تھا کہ کسی عورت کے بال چھوٹے ہوتے تو وہ مصنوعی بال جوڑ کر بڑے کر لیتی، ان کو دیکھ کر عرب عورتوں میں اس کا رواج ہو گیا تھا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے آکر عرض کی کہ میری ایک بیٹی دُلہن بنی ہی، بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں، کیا بال جوڑ دوں، فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بال جوڑنے والیوں

---

[1] ایضاً ص ۲۲۵ و ۲۴۰ [2] ” ص ۲۴۲، [3] موطا امام مالک کتاب اللباس [4] مسند جلد ۶، [5] ” ۲۸۵۔
[6] مسند جلد ۶۔ ص ۹۶۔

اور جوڑوانے والیوں پر لعنت بھیجی ہے[1]۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید جس قدر جلدی پڑھ کر ختم کرلیں گے، اسی قدر زیادہ ثواب ملے گا۔ ایک شخص نے آکر پوچھا، اے ام المومنین! بعض لوگ ایک شب میں قرآن دو، دو، تین تین بار پڑھ ڈالتے ہیں، فرمایا، ان کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام تمام رات نماز میں کھڑے رہتے تھے، لیکن بقرہ، آل عمران اور نسائ سے آگے نہیں بڑھتے تھے (گویا انہی تین سورتوں تک پہنچتے پہنچتے رات آخر ہو جاتی تھی) جب کسی بشارت کی آیت پر پہنچتے، تو خدا سے دعا مانگتے، اور جب کسی وعید کی آیت پر پہنچتے تو پناہ مانگتے[2]۔

حضرت اسید بن حضیر رض بڑے پایہ کے صحابی تھے، حج کا قافلہ واپس آرہا تھا جب مکہ معظمہ کے قریب پہنچا تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، منھ پر کپڑا رکھ کر رونے لگے، محبت کی خوبی سے کس کو انکار ہے مگر اس طرح منھ چھپا کر عین مجمع میں رونا صبر و حلم کے نمونوں کے لیے مناسب نہ تھا، قافلہ میں حضرت عائشہ رض بھی تھیں، انھوں نے حضرت اسید رض سے خطاب کرکے کہا، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، آپ کو اسلام کی

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۱۱۱، یہ حدیث اور کتابوں میں بھی ہے، اور صحیح ہے، مدت تک اس فعل کی ممانعت اور اس پر اس سخت وعید کی علت میری سمجھ میں نہیں آئی، اتفاق سے ایک دفعہ کسی رسالہ میں یورپ کا حال پڑھ رہا تھا کہ خوبصورت بالوں والی عورتیں جب مرتی ہیں تو زینت و آرائش کی کمپنیاں ان کے بال خرید لیتی ہیں، اور ان کو دوسری لیڈیاں اپنے بالوں میں مصنوعی طور سے جوڑنے کے لیے خرید لیتی ہیں، چونکہ یہ انتہائی دنائت اور خلافِ انسانیت اور حرمتِ جنازہ کے خلاف فعل ہے، اس لیے سزاوار لعنت ہے، عرب کے یہودیوں میں بھی اسی قسم کا دستور ہو گا، چونکہ یہ لوگ بیحد لالچی اور روپے کے حریص تھے، اس لیے عجب نہیں کہ ایسا کرتے ہوں، ورنہ اپنی زندگی میں کسی عورت سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی ہے کہ دوسروں کے حسن و جمال کے لیے اپنی بدصورتی و بدجمالی کو گوارا کرتی ہو اور اپنے بال کٹوا کر فروخت کے لیے دیتی ہو۔ [2] مسند جلد ۶ ص ۱۱۔

اولیت کا شرف حاصل ہے، آپ ایک عورت کے لیے روتے ہیں[1]۔

کعبہ پر ہر سال ایک نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور پرانا اُتار لیا جاتا ہے، حضرت عائشہ رضؓ کے زمانہ میں کعبہ کے متوّلی پرانے غلاف کو ادب کی بنا پر زمین میں اس لیے دفن کر دیتے تھے کہ اس کو کوئی ناپاک ہاتھ نہ لگنے پائے، شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے، بیان کیا کہ ہم سارے غلاف کو اکٹھا کر کے ایک گہرا کنواں کھود کر اس میں دفن کر دیتے ہیں، تاکہ ناپاکی کی حالت میں لوگ اس کو نہ پہن لیں، شریعت کے نکتہ شناس نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے جس کا خدا اور رسول نے حکم نہیں دیا، اور ممکن ہے کہ آیندہ اس سے کوئی سوء اعتقاد پیدا ہو، اُم المومنین نے شیبہ سے فرمایا، یہ تو اچھی بات نہیں، تم بُرا کرتے ہو، جب وہ غلاف کعبہ سے اتر گیا، تو اگر کسی نے ناپاکی کی حالت میں اس کو پہن بھی لیا تو کوئی مضائقہ نہیں، تم کو چاہیئے کہ اس کو بیچ ڈالا کرو اور اس کے جو دام آئیں وہ غریبوں، اور مسافروں کو دیدیا کرو[2]، غالباً اسی کے بعد یہ پُرانا غلاف مسلمانوں کے ہاتھ پھاڑ پھاڑ کر فروخت کر دیا جاتا ہے اور مشتاق مسلمان اس کو خرید کر گھروں میں لاتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں، اس فیض کے لیے مسلمانوں کو ام المومنین حضرت عائشہ کا ہی ممنون ہونا چاہیئے جن کے بدولت ان کے ہاتھ یہ دولت آئی۔

ایک دفعہ ایک صاحب (غالباً حضرت ابوہریرۃ رضؓ) مسجد نبوی میں آئے اور حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے کے پاس بیٹھ کر جلدی جلدی اور ان کے سنانے کے لیے زور زور سے حدیثیں بیان کرنے لگے، میں نماز میں تھی، اور وہ اٹھ کر چلے گئے، اگر مجھ سے ملاقات ہوتی تو میں کہتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمھاری طرح جلدی جلدی باتیں نہیں کرتے تھے[3]۔ ام المومنین کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ حدیث نبوی کا شغل رکھتے ہیں، ان کے قول و عمل میں مطابقت چاہیے ورنہ حدیث بے اثر رہے گی۔

---

[1] مسند جلد ۴ ص ۳۵۲، [2] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ سنن بیہقی، [3] صحیح بخاری، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حج کے موسم میں منیٰ میں ایک خیمہ میں تھیں، لوگ ملاقات کو آرہے تھے، چند قریشی نوجوان ہنستے ہوئے آئے، ہنسنے کا سبب دریافت کیا، عرض کیا، ایک صاحب خیمہ کی ڈوری میں پھنسکر ایسے گرے کہ ان کی آنکھ ہی چلی جاتی، یا گردن ٹوٹ جاتی، ہم لوگوں کو یہ دیکھکر بیساختہ ہنسی آگئی فرمایا، ہنسنا نہ چاہیئے، کسی مسلمان کو کانٹا چبھ جائے یا اس سے بھی معمولی مصیبت اس پر آئے تو خدا اس کا درجہ بڑھاتا ہے اور اس کا گناہ معاف فرماتا ہے[1]۔

جنسِ نسوانی

پر

حضرت عائشہ رضؓ کے احسانات

اب ہم کتاب کے آخری باب پر پہنچ گئے ہیں، اور اب ہمارے اس علمی سفر کی یہ آخری منزل ہے، حضرت عائشہ رضؓ کی پاک زندگی کے کارناموں کا خاتمۃ الباب وہ خدماتِ جلیلہ ہونی چاہئیں جو انھوں نے اپنی ہم جنس بہنوں کے لیے مختلف طریقوں سے انجام دیں۔

جنسِ نسوانی پر ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے دنیا کو یہ بتا دیا کہ ایک مسلمان عورت پردہ میں رہ کر بھی علمی، مذہبی، اجتماعی اور سیاسی اور پند و موعظت اور اصلاح و ارشاد اور امت کی بھلائی کے کام بجا لا سکتی ہے، غرض اسلام نے عورتوں کو جو رتبہ بخشا ہے اور انکی گزشتہ گری ہوئی حالت کو جتنا اونچا کیا ہے، ام المومنینؓ کی زندگی کی تاریخ اس کی عملی تفسیر ہے، صحابہؓ میں اگر ایسے لوگ گزرے ہیں جو مسیح اسلام کے خطاب کے مستحق[2] اور عہد محمدی کے ہارون بننے کے سزاوار تھے[3] تو الحمد للہ کہ صحابیات میں بھی ایک ایسی ذات تھی جو مریم اسلام کی

---

[1] صحیح مسلم باب ثواب المومن فیما یصیب، [2] حضرت ابوذر مسیح اسلام تھے، استیعاب اور اصابہ میں ان کا حال دیکھو [3] حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ کو آپ نے فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔

حیثیت رکھتی تھی[1]۔

صحابیات اپنی عرضداشتیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک ام المومنین کی وساطت سے پہنچاتی تھیں، اوران سے جہاں تک بن پڑتا تھا ان کی حمایت کرتی تھیں، حضرت عثمان بن مطعون ایک پارسا صحابی تھے اور راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے، ایک دن ان کی بیوی حضرت عائشہ رضؓ کے پاس آئیں، دیکھا کہ وہ ہر قسم کی زنانہ زیب وآرایش سے خالی ہیں سبب دریافت کیا، کیا کہہ سکتی تھیں، پردہ پردہ میں بولیں کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نماز پڑھا کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو حضرت عائشہ رضؓ نے باتوں باتوں میں اس کا تذکرہ کیا، آپ حضرت عثمان کے پاس گئے اور فرمایا کہ عثمان ہم کو رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے، کیا میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں، میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، اور اس کے احکام کی سب سے زیادہ نگہداشت کرتا ہوں[2]، یعنی پھر بھی بیویوں کے فریضہ کو ادا کرتا ہوں۔

حولاءؓ ایک صحابیہ تھیں، جو رات بھر سوتی نہ تھیں، برابر نمازیں پڑھا کرتی تھیں، اتفاق سے وہ ایک دفعہ سامنے سے گزریں، حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ حولاء ہیں لوگ کہتے ہیں کہ یہ رات بھر نہیں سوتیں، آپ نے تعجب سے فرمایا کہ رات بھر نہیں سوتیں؟ پھر فرمایا کام اتنا کرو جو نبھ سکے[3]۔

ایک عورت کو چوری کے جرم میں سزا دی گئی تھی، اس کے بعد وہ تائب ہو کر نیک ہو گئی شاید اور بی بیاں اس حالت میں بھی اس سے ملنا پسند نہ کرتی تھیں، لیکن وہ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس آتی تھی اور وہ اس سے ملتی تھیں بلکہ ضرورت پڑتی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی اس کی درخواست پہنچا دیتی تھیں[4]۔ ایک صحابیہ کو ان کے شوہر نے مارا جس سے

---

[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ہے کہ عورتوں میں صرف چار کاملہ گزری ہیں، مریم .... اور عائشہ رضؓ کی بزرگی ایسی ہے، جیسے کھانوں میں ثرید کی [2] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۲۶ [3] ،، ص ۲۴۷، [4] صحیح بخاری باب شہادۃ القاذف۔

بدن پر جا بجا نیل پڑ گئے، وہ سیدھی ام المومنین کے پاس آئیں اور اپنا بدن دکھایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو ام المومنین نے عرض کی۔

مَارأیت مثل مَا یلقی المؤمنات	مسلمان بیویاں جو تکلیف اُٹھاتی ہیں ہیں نے
لجلدھا اشدّ خضرۃً من	اسکی مثال نہیں دیکھی، اس بیچاری کا بدن
ثوبھا۔	اس کے کپڑے سے زیادہ سبز ہو رہا ہے۔

ان کے شوہر کو معلوم ہوا کہ ان کی بیوی بارگاہِ نبوت میں پہنچی ہے، وہ بھی دوڑے آئے اور اظہار سے فریقین کا قصور ثابت ہوا[1]۔

عورتوں کو جو لوگ ذلیل سمجھتے تھے، ام المومنینؓ ان سے سخت برہم ہوتی تھیں، کسی مسئلہ سے اگر ان کی ذلت اور حقارت کا پہلو نکلتا تھا تو وہ اس کو صاف کر دیتی تھیں، بعض صحابیوں نے روایت کی ہے کہ عورت، کتا اور گدھا اگر نمازمیں نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا انّ المرأۃ اذا دابۃ سوء تو عورت بھی ایک بدجانور ہے، بئس ماعدلتمونا بالحمار والکلب" تم نے کیسا برا کیا کہ ہم کو گدھے اور کتے کے برابر کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آپ کے آگے لیٹی رہتی تھی"۔ یہ طیالسی کی روایت ہے[2]۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ فرمایا "آپ سجدہ کرنا چاہتے، میرے پاؤں دبا دیتے، میں سمیٹ لیتی[3]"۔ بعض فقہاء کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن ام المومنین کی یہ روایت ان کی اس خطائے اجتہادی کے پردہ کو چاک کر دیتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے، گھوڑا، گھر اور عورت، یہ سنکر حضرت عائشہؓ کو بہت غصہ آیا، بولیں قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ پر قرآن اُتارا، آپنے یہ ہرگز نہیں فرمایا، یہ البتہ فرمایا ہے کہ اہلِ جاہلیت ان سے

---

[1] صحیح بخاری باب الثیاب الخضر، [2] مسند طیالسی ص ۳۵ طبع حیدرآباد، [3] ابوداؤد باب المرأۃ لا تقطع الصلوٰۃ۔

نحوست کی فال لیتے تھے

بعض ایسے فقہی احکام جن میں صحابہ مختلف الرائے تھے، انھوں نے ہمیشہ وہ پہلو اختیار کیا جس میں عورتوں کے لیے سہولت اور آسانی ہوتی تھی کہ ان کی جنسی ضرورتوں کو وہی بہتر جانتی تھیں، اس پر کتاب وسنت سے استدلال کرتی تھیں، چنانچہ عموماً فقہا کا فیصلہ انہی کے حق میں رہا اور اکثر اسلامی ملکوں میں انہی کے فتوؤں پر عمل ہے

حضرت ابنِ عمرؓ کا فتویٰ تھا کہ عورتیں شرعی طہارت کے لیے اپنے چونڈے منڈوا ڈالیں، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غسل کرتی تھی اور صرف تین دفعہ پانی ڈال لیتی تھی[1]، اور ایک بال بھی نہیں کھولتی تھی[2]

حج میں سر کے بال منڈوانا یا ترشوانا بھی حاجیوں کے لیے ضروری ہے، عورتوں کے لیے کسی قدر بال کٹوا دینا کافی ہے، حضرت ابنِ زبیرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ ناپ کر چار انگل ترشوانا چاہیئے، حضرت عائشہؓ کو ان کا فتوی معلوم ہوا تو فرمایا کہ تم کو ابنِ زبیر کی بات پر تعجب نہیں ہوا کہ وہ محرم عورت کو چار انگل بال کٹوانے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ کسی طرف کا ذرا سا بال لے لینا کافی ہے[3]۔

احرام کی حالت میں مردوں کو موزے نہیں پہننا چاہئیں، اگر کسی مجبوری سے پہنیں تو ٹخنے سے کاٹ دیں، حضرت ابنِ عمرؓ عورتوں کے لیے بھی یہی فتوے دیتے تھے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ مردوں کے لیے مخصوص ہے، عورتوں کو موزہ ٹخنے سے کاٹنا ضروری نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی ہے۔ یہ سنکر حضرت ابنِ عمرؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع کیا[4]

احرام کی حالت میں خوشبو کا استعمال منع ہے کہ اس سے حاجی کی فطری ابراہیمی صورت

---

[1] صحیح مسلم باب الغسل [2] نسائی باب الغسل [3] عین الاصابہ سیوطی بحوالہ مناسک کبیر امام ابن حنبل، [4] ابوداؤد باب مایلبس المحرم۔

میں فرق آتا ہی، اس سے بعض صحابہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ احرام کے وقت بھی خوشبو ملنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ ہم (ازواج) احرام کے وقت خوشبو مل لیتے تھے اور پسینہ سے وہ خوشبو ڈھل کر بعضوں کے چہروں پر آجاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم یہ دیکھتے تھے اور منع نہیں فرماتے تھے[1]۔

حضرت ابنِ عمر رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی ہو کہ احرام میں چہرہ پر نقاب نہیں ڈالنا چاہیے (عرب میں مرد بھی گرمی اور تپش سے بچنے کے لیے چہرہ پر نقاب ڈالتے تھے) لیکن عورتوں کے لیے اس پر دائمی عمل مشکل تھا حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا "ہم لوگ جب آپکے ساتھ حجۃ الوداع میں چلے، قافلے ہمارے سامنے سے گزرتے تھے، جب مقابل آجاتے، ہم سر سے چادر ڈال لیتے، جب وہ نکل جاتے ہم مُنھ کھول دیتے[2]۔ چنانچہ قرن اوّل کی عورتوں کا حضرت عائشہ رضؓ ہی کے فتوے پر عمل تھا۔

ایک تابعہ جس نے حضرت عائشہ رضؓ کی بہن حضرت اسمار رضؓ کے ساتھ حج کیا تھا بیان کرتی ہو کہ ہم مُنھ چھپاتے تھے اور وہ منع نہیں کرتی تھیں[3]۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی ہو کہ ایک صحابی کے جواب میں آپنے فرمایا، احرام کی حالت میں کرتا، پاجامہ، عمامہ، ٹوپی اور موزہ نہ پہنا جائے، اور نہ زعفران اور کوسوم (ورس) سے رنگے ہوئے کپڑے پہنے جائیں (صحیح بخاری باب مایلبس المحرم من الثیاب)

اس حدیث کے رو سے عورتوں کو بھی زعفران اور اس کے رنگے ہوئے کپڑوں کے پہننے سے بعضوں نے منع کیا ہو مگر ذرا تامل سے معلوم ہوگا کہ یہ پورا حکم مردوں سے متعلق ہے اور ایک مرد ہی کے سوال کے جواب میں آپنے فرمایا، چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ خود احرام کی حالت میں زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں، بلکہ عورتوں کو بحالتِ احرام زیور پہننے اور سیاہ اور گلابی

---

[1] ابوداؤد باب مذکور [2] ؍؍ ؍؍ [3] موطا امام مالک باب تخمیر المحرم وجہہ۔

رنگ کے کپڑوں اور موزوں کے پہننے میں بھی اُن کے نزدیک کوئی حرج نہیں[1]۔

سونے اور چاندی کے استعمالی زیور پر زکوٰۃ ہی یا نہیں، حضرات صحابہؓ کا اس میں اختلاف ہی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہ اور تابعین اور ائمہ کے نزدیک اس میں زکوٰۃ ہی، فقہائے احناف کا اسی پر عمل ہی حضرت ابن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ان میں زکوٰۃ نہیں ہی، امام شافعیؒ، امام مالک اور امام احمد کا یہی مذہب ہے، زیوروں کا تعلق زیادہ تر عورتوں سے ہی، اس لیے حضرت عائشہؓ کی رائے اس بارہ میں زیادہ معتبر ہو سکتی تھی، مگر ان کا طرزِ عمل بھی اس بارہ میں واضح نہیں، ایک طرف تو جیسا کہ موطا میں ہی، وہ اپنی یتیم بھتیجیوں کے زیوروں کی جن کی وہ متولیہ تھیں زکوٰۃ نہیں دیتی تھیں[2]۔

دوسری طرف ابوداؤد اور دارقطنی میں ایک حدیث ہی کہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں چاندی کے چھلّے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں، فرمایا کہ آتش دوزخ سے بچو[3]۔ ظاہر ہی کہ اس تہدید کو سنکر ناممکن ہی کہ وہ زیوروں میں زکوٰۃ نہ دیتی ہوں، چنانچہ سنن دارقطنی (باب زکوٰۃ الحلی) میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہی کہ جس زیور

---

[1] صحیح بخاری باب مایلبس المحرم من الثیاب والاردیۃ، [2] ترمذی اور موطا امام مالک باب زکوٰۃ الحلی، [3] اس روایت کا ایک راوی دارقطنی کی روایت میں محمد بن عطا ہی، دارقطنی نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہی کہ اس میں محمد عطا مجہول راوی ہی، لیکن ابوداؤد میں تصریح ہی کہ یہ محمد بن عمرو بن عطا ہی جو مشہور راوی ہی اس لیے بہ تصریح علمأ دارقطنی کی یہ جرح صحیح نہیں، امام ترمذی کا بیان ہی کہ زیوروں کی زکوٰۃ کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ثابت نہیں، الفاظ یہ ہیں لا یصح فی ھٰذا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیء، لیکن دارقطنی میں فاطمہ بنت قیس کی روایت ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیور میں زکوٰۃ ہی، ابن لہیعہ سے بذریعہ عمرو بن شعیب ایک روایت ہی کہ دو بیویاں جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضورؐ نے دریافت فرمایا، کہ کیا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو، انھوں نے عرض کی کہ نہیں، یا رسول اللہ، ارشاد ہوا، کہ کیا تم آگ کے کنگن پہننا پسند کروگی۔ عرض کی

کی زکوٰۃ دی جائے، اس کا پہننا جائز ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ زیورول میں زکوٰۃ کے وجوب کی قائل تھیں۔

موطا کی اس حدیث کا جس میں ذکر ہے کہ وہ اپنی یتیم بھتیجیوں کے زیوروں کی زکوٰۃ نہیں دیتی تھیں، یہ جواب ہو سکتا ہے کہ وہ نابالغ پر زکوٰۃ کو واجب نہیں جانتی تھیں جیسا کہ بہت سے صحابہ اور فقہا کا مسلک ہے، اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ وہ پھر اپنے نابالغ بھتیجوں کے مال کی زکوٰۃ جیسا کہ موطا میں مذکور ہے، وہ کیوں دیتی تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نابالغ کے مال میں وجوب زکوٰۃ کی قائل تھیں، بلکہ استحباب کی قائل تھیں، زیور چونکہ بعینہٖ رکھے تھے ان کو بیچ کر یا بدل کر تجارت میں نہیں لگایا تھا کہ اس میں اضافہ ہو، اور لڑکیوں کے لیے بہرحال ان کی ضرورت تھی، اس لیے یتیم یا نابالغ لڑکیوں کے لیے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ان کے زیور کی زکوٰۃ دیکر اس کو کم نہ کریں، اور یتیم نابالغ بھتیجوں کے مال کو انھوں نے جیسا کہ موطا کے اسی مقام پر ہے، تجارت میں لگا دیا تھا، اس لیے اس میں ان کو زکوٰۃ ادا کر دینے کا پہلو زیادہ مناسب معلوم ہوا،

کسی مقتول کے بدلہ میں اگر خون بہا ادا کرنا چاہتا ہے تو درجہ بدرجہ اس کے تمام وارثوں

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۶) کہ نہیں یا رسول اللہ فرمایا تو اسکی زکوٰۃ دیا کرو (ترمذی) امام ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے، اس معنی کی اور بھی روایتیں ہیں، بہرحال اس باب میں صحابہؓ و تابعین کی روایتیں اور اقوال مختلف ہیں اور فریقین کے دلائل کتابوں میں مذکور ہیں، زیوروں میں وجوب زکوٰۃ کی بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں سونا اور چاندی کو کنز کرنے یعنی بغیر زکوٰۃ ادا کیے اپنی ملک میں رکھنے پر شدید وعید آئی ہے، والذین یکنزون الذھب والفضۃ الآیۃ، اور سنن ابی داؤد میں ام المومنین حضرت ام سلمہ سے یہ روایت ہے کہ وہ سونے کے کچھ زیور پہنے تھیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کیا یہ بھی کنز ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ اگر زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ جائے اور اسکی زکوٰۃ دیدی جائے، تو کنز نہیں، اس حدیث سے کنز کی تفسیر معلوم ہو گئی اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ جس زیور کی خواہ وہ استعمال ہی میں ہو زکوٰۃ نہ دی جائے وہ کنز کے حکم میں ہے، اور اس پر قرآن پاک کی وعید شدید لازم ہے۔

رضامند کرنا چاہیئے، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے، وان کانت امراۃ[1]
یعنی اگر وارثوں میں عورتیں ہوں تو ان کو راضی کرنا بھی ضروری ہے صرف مردوں کی رضامندی
کافی نہیں ہے کیونکہ وراثت کا حق صرف مردوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔

عرب میں اسلام سے پہلے وراثت میں عورت کا حق نہ تھا، اسلام نے آکر ان کو بھی ان کا
حق دلایا، وراثت کے اکثر مسائل تو قرآن مجید ہی میں مذکور ہیں، اس میں لڑکیوں کے حصہ کی
بھی تفصیل ہے لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں جن کے حل کرنے کے لیے کتاب وسنت سے
فکرو استنباط کی ضرورت پیش آتی، ان موقعوں پر حضرت عائشہ رضؓ نے اپنی جنسی بہنوں کا حق فراموش
نہیں کیا، ایک صورت یہ ہے کہ اگر لڑکا وارث نہ ہو، صرف بیٹیاں، پوتیاں اور پوتے ہوں تو تقسیم
کیونکر ہوگی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پوتیوں کا حصہ نہیں دلاتے، صرف پوتوں کا حصہ دیتے
ہیں، حضرت عائشہ رضؓ پوتیوں کا بھی حصہ لگاتی ہیں[2]۔

عورتیں بارگاہِ نبوت میں مسائل دریافت کرنے کو آیا کرتی تھیں بعض پردہ کے مسائل
ہوتے تھے، جو کم فہم بی بیوں کی سمجھ میں نہ آتے اور آپ خود حیا سے اس کی تفصیل نہیں فرما سکتے
تھے تو ایسے موقع پر ام المومنین ہی اپنی بہنوں کی امداد فرماتی تھیں اور اپنے پاس بلاکر آپ کا
مطلب سمجھا دیتی تھیں[3]۔ اور ان کے سوالات آپ کی خدمت میں پیش کر کے انکے جوابات
ان کو بتاتی تھیں۔

عرب میں دامن کا اتنا بڑا رکھنا کہ زمین پر گھسٹتا ہو لے چلے، فخر اور عزت کی علامت
سمجھی جاتی تھی، آپ نے فرمایا کہ جو شخص غرور سے اپنا دامن گھسیٹ کر چلے گا، خدا اسکی طرف
نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ یہ سنکر حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کی یا رسول   بکے متعلق
کیا حکم ہے، فرمایا، ایک بالشت نیچے لٹکائیں، بولیں کہ اتنے میں پنڈلیاں

---

[1] ابوداؤد کتاب الدیات باب عفو النساء۔ [2] مسند دارمی کتاب الفرائض۔ [3] صحیح بخاری باب الاحکام
التی تعرف بالدلائل۔

کھُل جائیں گی"۔ تو فرمایا "ایک ہاتھ"[1]

اسلام میں نکاح کے جواز کے لیے لڑکیوں کی رضامندی حاصل کرنی ضروری ہے آپ نے فرمایا کہ کنواری عورتوں سے اجازت لی جائے اور بیوہ سے اس کا حکم طلب کیا جائے۔ لیکن خدا نے عورتوں کو جو فطری حیا اور شرم عطا کی ہے اسکی بنا پر زبان سے رضامندی کا اظہار تقریباً محال ہے، اُم المومنین اس مشکل سے آگاہ تھیں، عرض کی، فرمایا، کہ ان کی خاموشی ان کی رضامندی ہے[2]۔

بعض اولیاء لڑکی کی رضامندی کے بغیر صرف اپنے اختیار سے نکاح کر دیتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، عورتوں کی عدالت عالیہ حضرت عائشہ ہی کا حجرہ تھا، لڑکی اسی آستانہ پر حاضر ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نہ تھے، حضرت عائشہ رضؓ نے اس کو بٹھا لیا، جب آپ تشریف لائے تو صورتِ واقعہ عرض کی، آپ نے لڑکی کے باپ کو بُلایا، اور لڑکی کو اپنا مختار آپ بنایا، یہ سنکر لڑکی نے عرض کی، یارسول اللہ! میرے باپ نے جو کچھ کیا میں اب اس کو جائز ٹھہراتی ہوں، میرا مقصد صرف یہ تھا کہ عورتوں کو اپنے حقوق معلوم ہو جائیں[3]۔

جس عورت کو اس کے شوہر نے ایک یا دو بار طلاق دی ہو زمانہ عدت تک اس کا نفقہ اور سکونت مرد پر متفقاً فرض ہے، لیکن اگر تین طلاقیں دیدیں تو ایسی حالت میں اختلاف ہے، کہ نفقہ یا سکن مرد پر واجب ہوگا یا نہیں، بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ نفقہ اور سکونت کی ذمہ داری مرد پر عائد نہیں ہوگی، دلیل یہ پیش کی کہ قرآن میں جہاں اس مسئلہ کا ذکر ہے کہ شوہر کے گھر سے نہ نکلیں اور نہ شوہر ان کو گھر سے نکالیں، اسکے بعد یہ ہے لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا

[1] مسند احمد جلد ۶، ص ۷۵ و ۱۲۳۔ بعض حدیثوں میں یہ واقعہ حضرت اُم سلمہؓ کی طرف منسوب ہے، ممکن ہے کہ دونوں بیویوں نے اپنی اپنی جگہ پر عرض کیا ہو۔ [2] صحیح بخاری، باب النکاح۔ [3] نسائی باب البکر یزوجہا ابوہا وہی کارہۃ، دار قطنی کتاب النکاح (من مراسیل ابن بریدہ)

شاید خدا اس کے بعد کوئی بات پیدا کر دے، یعنی مقصود یہ ہے کہ زمانۂ عدت تک شوہر کے گھر سے مطلقہ کو دوسرے گھر میں اس لیے منتقل نہ ہونا چاہیے کہ شاید ایک گھر میں چند مہینے ساتھ رہنے سے اتفاقی کدورتیں مٹ کر اگلا سا اخلاص پیدا ہو جائے، لیکن جب تین طلاقیں پڑ گئیں تو اب رجعت ہو نہیں سکتی، اس لیے ایک گھر میں رہنے کی علت مفقود ہو گئی، اس لیے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا یہ حکم طلاق رجعی سے متعلق ہے، بائن سے نہیں[1]۔

درحقیقت یہ استدلال کسی قدر غلط ہے، یہ کہنا صحیح ہے کہ زمانۂ عدت میں مرد کے گھر میں رہنے کا سبب یہ بھی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں کہ تمام تر سبب یہی ہے، اس حکم میں اور مصلحتیں یہ ہیں کہ جب اس کو پہلے شوہر نے طلاق دیدی، اور یہ دریافت کرنے کے لیے کہ آیا اس کو اس سے حمل تو نہیں اس کو چند مہینے انتظار کرنا پڑے گا، اس لیے وہ دوسری شادی ابھی نہیں کر سکتی، چونکہ یہ نقصان اس کو شوہر اول کی وجہ سے پہنچا ہے اس لیے زمانہ انتظار اس کے طعام و قیام کا ذمہ دار اسی کو ہونا پڑیگا چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ نے فاطمہ کے استدلال کی نہایت سخت مخالفت کی، اور فرمایا کہ فاطمہ کیلئے خیر نہیں کہ اپنے واقعہ کو استدلال میں پیش کرے، اس کے پہلے شوہر کا گھر چونکہ غیر محفوظ تھا اس لیے آپ نے اس کو دوسرے گھر میں منتقل ہونے کی اجازت دی تھی، مروان کے زمانہ میں جب اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، اور مروان نے فاطمہ کی اسی روایت سے استدلال کیا، تو حضرت عائشہ رضؓ نے اس کو کہلا بھیجا کہ یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا، فاطمہ کا واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں میاں بیوی میں بنتی نہ تھی، بعض اور روایتوں میں ہے کہ فاطمہ زبان کی تیز تھیں، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسری جگہ منتقل کر دیا[2]۔

شوہر کی وفات کے بعد عورت کو چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا چاہیے اور گھر سے باہر نکل کر کسی دوسرے مقام پر نہیں جانا چاہیے، اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر وہ شوہر کے ساتھ ہے، تو شوہر کی وفات جہاں ہو، اور اگر ساتھ نہیں ہے تو جہاں اس کو خبر

---

[1] ابوداؤد کتاب الطلاق۔ [2] صحیح بخاری، ابوداود، موطا، کتاب الطلاق

معلوم ہو، اس کو وہیں ٹھیر کر عدت کے دن گزارنے چاہئیں، یعنی اس حالت میں سفر اس پر حرام ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں احادیث سے جس قدر دلائل وہ پیش کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ وطن اور گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے[1]۔ حالانکہ ثابت یہ کرنا چاہیئے کہ باہر سے گھر بھی نہیں آنا چاہیئے، اور مسافرت سے وطن میں بھی وہ منتقل نہیں ہو سکتی، چنانچہ ام المومنین رضؓ نے اسی بنا پر ان کے استدلال کو تسلیم نہیں کیا، ان کی ایک بہن کا نام ام کلثوم تھا اور وہ حضرت طلحہ رضؓ سے بیاہی تھیں، جنگِ جمل میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھیں، حضرت طلحہ رضؓ نے وہاں شہادت پائی، عام خیال کے مطابق ان کو زمانۂ عدت وہیں بسر کرنا چاہیئے تھا، لیکن حضرت عائشہ رضؓ ان کو اپنے ساتھ مدینہ لے آئیں، راستہ میں مکّہ معظمہ میں بھی ان کا قیام رہا۔ لوگوں میں اس کا چرچا پھیلا، ایوب ایک تابعی تھے انھوں نے جواب دیا کہ یہ گھر سے باہر نکلنا نہیں ہے بلکہ گھر کے اندر آنا ہے، حضرت عائشہ رضؓ نے مسافرت سے ان کو وطن میں منتقل کر دیا[2]، یہ جواب بالکل صحیح تھا، واقعات کی رُو سے غور کرنا چاہیئے کہ اگر حضرت عائشہ رضؓ اس مسئلہ کو واضح نہ کرتیں تو اس حالت میں بہت سی عورتوں کو کتنی مشکلات کا سامنا ہوتا۔

طلاق تمام مباح امور میں سب سے بُرا کام اور فسادِ معاشرت کا آخری چارۂ کار ہے۔ اس لیے جہاں تک ممکن ہو اس دائرہ کو محدود کرنا چاہیئے۔ شوہر اگر بیوی کو مفارقت کا اختیار دیدے اور وہ اس اختیار کو واپس کر کے شوہر ہی کی زوجیت کو قبول کرے تو بعض صحابہ کا فتویٰ تھا کہ ایک طلاق پڑ جائے گی، حضرت عائشہ رضؓ نے سختی سے اس فتویٰ کا انکار کیا اور دلیل میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ پیش کیا کہ آپ نے آیتِ تخییر کے بعد تمام بیویوں کی علیحدگی کا اختیار دیدیا لیکن کوئی علیحدہ نہیں ہوئی، تو کیا ہم لوگوں پر ایک طلاق پڑ گئی، اور پھر یہ اخلاق اور وفا شعاری کا خون نہیں ہے کہ ایسی شوہر پرست اور وفا شعار بیوی کو اپنے لائق تحسین ایثار کا جواب شریعت

---

[1] ابوداؤد اور موطا وغیرہ میں فریعہ بنت مالک کی ایک حدیث ہے، اس کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

[2] ابن سعد جزء نسا، ص ۳۳۹۔

کی طرف سے ایک معاشرتی داغ کی صورت میں ملے، چنانچہ جمہور فقہاء اور محدثین کا عمل حضرت عائشہ رضؓ کے اسی فتوے پر ہے۔

اسی طرح اگر زبردستی کوئی شخص کسی کو مجبور کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدی ورنہ قید یا قتل کردیا جائیگا یا اس کو کوئی سزا دی جائے گی اور شوہر ڈر کر اس کی تعمیل کردے تو عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ یہ طلاق شرعاً صحیح نہ ہوگی، ابو حنیفہ کے سوا اور تمام فقہا، اور محدثین نے اس اصول کو تسلیم کرلیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر قانون اسلامی میں یہ دفعہ نہ ہوتی تو شرافت مآب خاتونوں کا ظالم اور جابر امرا، اور سلاطین کے دستِ ستم سے محفوظ رہنا مشکل ہو جاتا۔[1]

جاہلیت میں عورتوں کی نازک گردنیں رسوم وعوائد کی جن آہنی طوقوں سے گرانبار تھیں ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اس زمانہ میں نہ طلاق کی تعداد کی تعیین تھی اور نہ طلاق کے بعد زمانہ رجعت کی کوئی تجدید تھی، سنگدل شوہر عورت کو طلاق دیدیتا اور جب رجعت کا زمانہ ختم ہونے لگتا پھر زوجیت میں لے لیتا، پھر طلاق دیدیتا، اگر چاہتا تو عمر بھر عورت کو اس جال سے نکلنے نہ دیتا، اس طرح یہ مسکین دائمی رنج وکوفت میں گرفتار رہتی، اور کبھی اس کے پنجۂ ستم سے آزاد نہ ہوسکتی، لیکن مسلمان عورتوں پر ام المومنین رضؓ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے انکو جاہلیت کی اس لعنت سے ہمیشہ کے لیے آزاد کرادیا، زمانۂ اسلام میں اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، مظلوم بیوی چارہ گری کے لیے ام المومنین رضؓ کے پاس دوڑی آئی، انھوں نے یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، اس پر یہ آیت اتری۔[2]

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (بقرۃ - ۲۹)	وہ طلاق جس کے بعد رجعت جائز ہے، دو بار ہے، اسکے بعد یا بحسن اسلوب اس کو زوجیت میں رکھ لینا ہے یا بخیر وخوبی اس کو رخصت کردینا۔

---

[1] بخاری ومسلم وغیرہ میں حدیث طلاق فی اغلاق دیکھو۔ [2] یہ مفصل واقعہ ترمذی کتاب الطلاق میں ہے۔

حج کا زمانہ اوائلِ تاریخ قمری میں واقع ہوتا ہے، اور یہ زمانہ عورتوں کی شرعی معذوری کا ہوتا ہے، ایسی حالت میں اگر مناسکِ حج ان کے لیے تاطہارت ناجائز ہو جائیں تو میدانِ حج وعمرہ، میدانِ قیامت ہو جائے، یعنی ہزاروں کو انتظار میں پڑا رہنا پڑے اور پھر ان کے ساتھ ان کے اعزہ کو بھی رُکنا پڑے، یا حج کو ناتمام چھوڑ دینا پڑے اور یہ دونوں صورتیں عورتوں کے حق میں سخت ترین مصائب ہیں، اُم المومنین رض نے اس مشکل کا حل خود اپنے واقعہ سے فرمادیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں فتویٰ پوچھا، فرمایا، اے عائشہ رض طواف کے سوا اور تمام مناسک ادا کیے جا سکتے ہیں، جو حاجی ادا کرتے ہیں، اور اگر یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کے قریب یہ واقعہ پیش آئے، تو آخری طواف ضروری ہی، اسی بنا پر حضرت عائشہ رض عورتوں کو لیکر حج کرتی تھیں، تو انھیں جن کے متعلق شبہہ ہوتا تھا ان کو طواف آخری سے پہلے رخصت کر دیتی تھیں، اور اگر طوافِ آخر کے بعد ایسا معاملہ پیش آتا تو اسی حالت میں وہ بقیہ اعمال (نفر) ادا کراتیں، صحابہ میں سے حضرت زید رض، حضرت ابن عمر رض اور حضرت عمر رض کو ان مسائل میں حضرت عائشہ رض سے اختلاف تھا، بعد میں حضرت زید رض اور حضرت ابن عمر رض نے اپنے فتووں سے رجوع کیا، حضرت عمر رض نے اپنا فتویٰ قائم رکھا، بلکہ عملاً انھوں نے ایک عورت کو جب ایسا واقعہ پیش آیا، تو اس کو مکہ میں تاطہارت روک رکھا، ایک دفعہ حضرت عائشہ رض کے سامنے لوگوں نے اس مسئلہ کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو منیٰ کے میدان میں چھ ہزار عورتیں بیک وقت رُکی پڑی رہیں، پھر عملِ جمہور سے اس کی تائید کی۔ (دیکھو موطا زرقانی باب افاضۃ الحائض) ان مسائل میں کون صاحبِ سند ہے، اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

عالمِ نسوانی میں حضرت عائشہؓ کا درجہ

آپ صدیقۂ کبریٰ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی سیرتِ مبارک کا ایک ایک حرف پڑھ چکے، ان کی مقدس زندگی کا ایک ایک واقعہ آپ کی نظر سے گزر چکا، آپ دنیا کی سیکڑوں بڑی بڑی خواتین کے حالات سے آگاہ ہوں گے، تاریخ نے آپکے سامنے دنیا کی مشہور خواتین کی زندگیوں کے بے شمار مرقعے پیش کیے ہوں گے، لیکن کبھی آپنے ان کا باہم مقابلہ بھی کیا۔

دنیا کی غیر مسلم مشہور عورتوں کی فہرست میں جو نام داخل ہیں، اس میں زیادہ تر ایسی عورتیں ہیں جن سے اپنی سطحِ جنسی سے ذرا بلند کوئی ایک اتفاقی کارنامہ ظہور میں آگیا وہی ان کی شہرت کا بال و پر بن گیا، ایک عورت نے کسی پُرجوش مجمع میں کوئی تقریر کردی، کسی تدبیر سے دشمنوں کی سازش کو توڑ دیا، یا اپنی قوتِ بازو سے کسی میدان کو مار لیا، یہ فوری اسباب اس کی تاریخی بقا اور شہرت کا ذریعہ بن گئے، غور سے دیکھئے کیا اس کا مقابلہ ایک مسلسل، بانظام اور مستمر العمل کارنامہ سے ہوسکتا ہے، حُسن و جمال کی غیر معمولی سحر کاری اور کسی محروم الولد خاندان شاہی کے تاجِ زرنگار نے بھی اکثر جنس نسوانی کے چہروں کو روشن کیا ہے، لیکن دیکھ لیجئے تاریخ نے ہمیشہ حسرت و ناکامی ہی پر اس منظر کا خاتمہ کیا ہے، مصر و ایران اور روم کی تاریخی روداد بھی آپکے سامنے ہے، اس سے ایک کامیاب، مقدس اور پارسایانہ زندگی کا موازنہ کیا سو را دب نہیں۔

ان عمومی حیثیتوں کو الگ کرکے مذہب، اخلاق اور تقدس کا پہلو سامنے لائیے تو معلوم ہو جائے گا کہ کائناتِ نسوانی کا ایک ستارہ بھی اس افق سے طلوع ہونے کے قابل نہیں، ہندوستان کی بعض معصوم صورت دیبیاں آگے بڑھ کر اپنا استحقاق پیش کریں گی، لیکن آپ پوچھ سکتے ہیں کہ عفیفو! طبیعت کی پاکیزگی اور شوہر پرستی کی مسلم دلیلوں کے علاوہ کوئی اور سند بھی اپنے پاس رکھتی ہو، صدیقۂ کبریٰ رضؓ کے سوا دنیا کی کون خاتون ہے جس نے مذہب، اخلاق،

اور تقدس کے ساتھ مذہبی، علمی، سیاسی، معاشرتی، غرض گوناگوں فرائض انجام دیئے ہوں، اور جس نے اپنی زندگی کے کارناموں سے خداپرستی کے نمونوں سے اخلاق کی عملی مثالوں سے روحانیت کی پاک تعلیموں سے اور کسی دین وشریعت اور قانون کی تعلیم وتشریح سے دنیا کی تقریباً دس[1] کروڑ عورتوں کے لیے ایک کامل زندگی اور گراں بہا عملی نمونہ چھوڑا ہو، اور جس نے اس عظیم الشان تعداد نسوانی کو اپنے مذہبی، اجتماعی اور علمی احسانات سے گرانبار کیا ہو۔

مسلمان عورتوں کی تاریخ میں ازواج مطہراتؓ اور بنات طاہراتؓ کے سوا حضرت عائشہؓ کی زندگی کا کس سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے؟ تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اسلام میں حضرت خدیجہؓ الکبریٰؓ حضرت فاطمہ زہراؓ اور حضرت عائشہؓ صدیقہ عورتوں میں سب سے افضل ہیں، جمہور علماء نے سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ پھر حضرت خدیجہؓ اور تیسرے درجہ میں حضرت عائشہؓ کا نام رکھا ہے۔ لیکن یہ ترتیب کسی نص شرعی یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں، بلکہ علماء نے اپنے اپنے قیاس واجتہاد اور ذوق سے یہ ترتیب قائم کی ہے، ان تینوں خواتین کے الگ الگ فضائل اور مناقب احادیث میں مروی ہیں، اسی بنا پر بعض علما نے اس باب میں توقف مناسب سمجھا ہے، علامہ ابن حزم نے تمام علماء کے برخلاف علانیہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نہ صرف اہلبیت میں، نہ صرف عورتوں میں بلکہ صحابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں۔ اس دعویٰ پر ان کے بہت سے دلائل ہیں جن کو شوق ہو وہ ملل ونحل میں فضل صحابہؓ کی بحث کی طرف رجوع کرے، ہمارا اعتقاد اس بارہ میں علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ کے ساتھ ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ فضیلت سے مقصود اگر درجۂ اخری ہے تو اس کا حال خدا ہی کو معلوم ہے لیکن دنیاوی حیثیت سے حقیقت یہ ہے کہ ان کے فضائل مختلف الجہات ہیں، اگر نسبی شرافت کا اعتبار ہے تو حضرت فاطمہ زہراؓ سب سے افضل ہیں، اگر ایمان کی سابقیت، اسلام کی ابتدائی مشکلات کے مقابلے اور اس زمانہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت وتسکین خاطر کی حیثیت سے دیکھئے تو حضرت

---

[1] مسلمان عورتوں کی تخمینی تعداد۔

خدیجہ کبریٰ کی بزرگی سب پر مقدم ہے، لیکن اگر علمی کمالات، دینی خدمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کے نشر واشاعت کی فضیلت کا پہلو سامنے ہو توان میں صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا کوئی حریف نہیں ہوسکتا، (زرقانی بر مواہب جلد ۳ صفحہ ۲۶۹، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حال)

اگرچہ حضرت مریم کی بزرگی کا ہم کو اسلام کے ذریعہ سے علم ہے، لیکن انجیل کی روات ان کو ایک ذرہ بھی ممتاز نہیں کرسکتیں، فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بھی اسلام میں فضیلت کی مستحق قرار گئی ہیں، لیکن توراۃ اُن کے شرف کے اظہار سے خاموش ہے، اس بنا پر عقیدۃً ہم کو ان کی اجمالی فضیلت اور بڑائی سے انکار نہیں، لیکن واقعات اور تاریخ کی زبان سے اس کا جواب سکوتِ محض ہے، بہرحال وحی کی معصوم زبان نے جو فیصلہ کردیا ہے، اس سے زیادہ سچا فیصلہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

عن ابی موسیٰ الاشعری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمل من الرجال کثیر و لم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران وآسیۃ امرأۃ فرعون و فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام، (بخاری ومسلم مناقب)	ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں میں بہت سے کامل گزرے لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے سوا کوئی کامل پیدا نہ ہوئی، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید[1] کو کھانوں کے دوسرے اقسام پر۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَالْاَطْھَارِ وَاَصْحَابِہِ الْکِرَامِ وَاَزْوَاجِہِ الْمُطَھَّرَاتِ

---

[1] ایک عربی کھانا ہے جو روٹی کو شوربے میں بھگو کر تیار کیا جاتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عربوں میں بہت اعلیٰ غذا سمجھی جاتی تھی۔

باسمه سبحانه

عين الإصابة

فيما

استدركته السيدة عائشة على الصحابة

للإمام الهمام جلال الدين السيوطي

بتصحيحات عديدة وتعليقات مفيدة

للسيد سليمان الندوي

طبع في أردو اكيڈمي سندھ بكراشي بپاكستان

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، هذا جزء لخصت فيه كتاب الاجابة لايراد ما استدركته عائشة على الصحابة للامام بدر الدين الزركشي مع زيادة ما يتسر وسميته "عين الاصابة فى استدراك عائشة على الصحابة"، وقد سبق الشيخ بدر الدين الى التاليف فى ذلك الاستاذ ابو منصور الحسن بن محمد بن على بن طاهر البغدادى الفقيه المحدث المشهور فعمد فى ذلك كتابا اورد فيه خمسة وعشرين حديثا باسانيده عن شيوخه وقد انبأنى به ابو عبد الله بن مقبل عن الصلاح بن ابى عمر عن ابى الحسن بن البخارى عن الخشوعى عن ابى عبد الله بن الحسين بن محمد بن خسرو۔

باب فضل عائشة رض

اخبرنا المصنف سماعا اخرج الحاكم فى المستدرك[1] عن عروة قال ما رأيت احدا اعلم بالحلال والحرام والعلم والشعر والطب من عائشة رض، واخرج الحاكم وصححه عن عروة قال قلت لعائشة قد اخذت السنن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم والشعر والعربية عن العرب فممن اخذت الطب فقالت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان رجلا سقاما وكان اطباء العرب ياتونه فاتعلم منهم، واخرج الحاكم عن مسروق قال والله لقد رأيت الصحابة يسألون عائشة عن الفرائض[2]، واخرج الحاكم عن عطاء قال كانت عائشة افقه الناس واعلم الناس واحسن الناس رايا فى العامة واخرج الحاكم

---

[1] والطبرانى بسند صحيح كما فى زرقانى على المواهب صفحه ۲۲۳/۳ ۔

[2] راجع ايضا الطبقات لابن سعد جلد ۲ ص ۱۲۶،

عن الزهری قال لو جمع علم الناس کلهم ثم علم ازواج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) لکانت عائشۃ اوسعھم علماً، واخرج الحاکم عن موسی بن طلحہ قال ما رایت احداً افصح من عائشۃ واخرج الحاکم عن الاحنف قال سمعت خطبۃ ابی بکر وعمر وعثمان و علی والخلفاء ھلم جراً فما سمعت الکلام من فم مخلوق افخم ولا احسن منہ من فی عائشۃ رضی اللہ عنھا واخرج الحاکم صححہ عن عائشۃ قالت خلال لی تسع لم تکن لاحد من النساء قبلی الا ما اتی اللہ عزوجل مریم بنت عمران، واللہ ما اقول ھٰذا انی افخر علی احدٍ من صواحباتی، قیل وما ھن قالت جاء الملک بصورتی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتزوجنی وانا ابنۃ سبع سنین واھدیت الیہ وانا ابنۃ تسع وتزوجنی بکراً وکان یاتیہ الوحی وانا وھو فی لحاف واحدٍ وکنت من احب الناس الیہ ونزل فی ایات من القران کادت الامۃ تھلک فیھا ورأیت جبریل ولم یرہ احد من نسائہ غیری وقبض فی بیتی لم یلیہ احد غیر الملک الا انا۔

بَابُ الطہارۃ

روی یعقوب بن سفیان القسری حدثنا محمد بن مصفی حدثنا یحییٰ بن سعد القطان الانصاری حدثنا عثمان بن عطاء عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن قال دخلت علی عائشۃ فقلت یا امتاہ ان جابر بن عبد اللہ یقول الماء من الماء فقالت اخطاء جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل ایوجب الرجم ولا یوجب الغسل، اخرج ابو منصور البغدادی فی کتابہ بسند فیہ من مجمل عن عبدۃ بن ابی لبانہ عن محمد الخزاعی عن ابی بن کعب اتی عائشۃ فقال لھا ان علی بن ابی طالب یقول ما ابالی علی ظھر حمارٍ مستحب ام علی التاخین فقالت عائشۃ ارجع الیہ فقل لہٗ ان عائشۃ تنشدک ھل علمت ما علم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم بعد تنزیل سورۃ المائدۃ فاتاہ فقال ان عائشۃ اخبرتنی ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما نزلت علیہ سورۃ المائدۃ لم یزد علی المسح
علی التساخین فلما اخبرہ ذلک انتہی، الی قول عائشۃ وعمل بہ علی التساخین[1]
الخفاف، قال ثعلب لا واحد لھا واخرج الدارقطنی[2] فی سننہ من طریق ہشام
بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ انھا بلغھا قول ابن عمر فی القبلۃ الوضوء فقالت کان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل وھو صائم ثم لا یتوضأ واخرج مسلم والنسائی
عن عبید بن عمیر قال بلغ عائشۃ ان ابن عمر یامر النساء اذا اغتسلن ان ینقضن
رؤسھن قالت افلا یامرھن ان یحلقن رؤسھن لقد کنت اغتسل انا ورسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من اناء واحد ما ازید علی ان افرغ علی راسی ثلاث افراغات
ولفظ النسائی وما انقض لی شعرا[3]، واخرج ابو منصور البغدادی فی کتابہ من طریق
محمد بن عمرو بن یحیی بن عبد الرحمن بن حاطب عن ابی ھریرۃ رض انہ قال من غسل
میتا اغتسل ومن حملہ توضأ فبلغ ذلک عائشۃ فقالت او ینجس موتی المسلمین
وما علی رجل لو حمل عودا۔

باب الصلوٰة

اخرج الطبرانی فی الاوسط من طریق محمد بن عمرو بن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ

---

[1] التساخین الخفاف لا واحد لھا مثل التعاشیب، وقال ثعلب لیس للتساخین واحد من لفظھا کالنساء لا واحد لھا وقیل الواحد تسخان وتسخن وفی الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث سریۃ فامرھم ان یمسحوا علی المشاوذ والتساخین، المشاوذ العمائم والتساخین الخفاف قال ابن الاثیر وقال حمزۃ الاصبھانی فی کتاب الموازنۃ التسخان تعریب تشکن وھو اسم غطاء من اغطیۃ الراس، کان العلماء والموابذۃ یاخذونہ علی رؤسھم خاصۃ دون غیرھم قال وجاء ذکر التساخین فی الحدیث فقال من تعاطی تفسیرہ ھو الخف حیث لم یعرف فارسیۃ، والتاء فیہ زائدۃ (لسان العرب الجزء ١٧ ص ٦٩ فصل السین حرف النون) "سخن" [2] سنن دارقطنی جلد ا ص ٥٠

[3] مسلم باب افاضۃ الماء ونسائی باب ترک المرأۃ نقض راسھا.

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من لم یوتر فلا صلاۃ لہ فبلغ ذلک عائشۃ فقالت من سمع ھذا من ابی القاسم ما بعد العھد و ما نسینا انما قال ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم من جاء بصلوات الخمس یوم القیامۃ حافظا علی وضوئھا ومواقیتھا ورکوعھا وسجودھا لم ینتقص منہ شیئا کان لہ عند اللہ عھد ان لا یعذبہ ومن جاء وقد انتقص منھن شیئا فلیس لہ عند اللہ عھد ان شاء رحمہ وان شاء عذبہ[1] واخرج ابو القاسم عبد اللہ بن محمد البغوی من طریق ابی القاسم بن محمد قال بلغ عائشۃ ان ابا ھریرۃ یقول ان المراۃ تقطع الصلوۃ فقالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فتقع رجلی بین یدیہ او بحذائہ فیصرفھا فاقبضھا واصلہ فی الصحیح و اخرج البیھقی فی سننہ عن ابی نھیک ان ابا الدرداء خطب فقال من ادرک الصبح فلا وتر لہ فذکر ذالک لعائشۃ فقالت کذب ابو الدرداء کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصبح فیوتر واخرج مسلم عن انس قال کان عمر یضرب الایدی علی الصلاۃ بعد العصر واخرج عن طاؤس[2] عن عائشۃ قالت وھم عمر انما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتحری طلوع الشمس وغروبھا۔

بَابُ الجنائز

اخرج مسلم عن عباد بن عبد اللہ بن الزبیر ان عائشۃ امرت ان یمر بجنازۃ سعد بن ابی وقاص فی المسجد فیصلی علیہ فانکر الناس ذلک علیھا فقالت ما اسرع ما نسی الناس، ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سھل بن البیضاء الا فی المسجد و اخرج الشیخان عن عبد اللہ بن ابی ملیکۃ قال توفیت ابنۃ[3] لعثمان بن عفان فجئنا لنشھدھا وحضرھا ابن عمر و ابن عباس فقال عبد اللہ بن

---

[1] اخرجہ احمد فی مسندہ جلد ۶ ص ۲۳۴ [2] ایضاً جلد ۶ ص ۱۲۴ [3] اسمھا ام ابان و توفیت بمکۃ کما عند مسلم

عمر لعمرو بن عثمان الا تنهی عن البکاء فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المیّت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ، فقال ابن عباس قد کان عمر یقول بعض ذٰلک، فذکر ذٰلک لعائشۃ فقالت یرحم اللہ عمر لا واللہ ماحدث رسول اللہ علیہ وسلم[1] ان اللہ یعذب المؤمن ببکاء احد ولکن قال ان اللہ یزید الکافر عذابًا ببکاء اھلہ علیہ قال وقالت عائشۃ حسبکم القراٰن وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، قال ابن ملیکۃ فواللہ ما قال ابن عمر[2] شیئًا، واخرج الشیخان عن عمرۃ ان عائشۃ ذکر لھا ان عبد اللہ بن عمر یقول ان المیّت لیعذب ببکاء الحی، فقالت عائشۃ یغفر اللہ لابی عبد الرحمٰن اما انّہ لم یکذب ولکنہ نسی او اخطاء انما مرّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی یھودیۃ یبکی علیھا اھلھا فقال انّھم یبکون علیھا وانّھا لتعذب فی قبرھا، واٰخرج مسلم[3] عن عروۃ قال قیل لعائشۃ انّھم یزعمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفن فی برد حبرۃ قالت قد جاء وابرد حبرۃ ولم یکفنوہ واخرج الطبرانی فی الاوسط عن موسٰی بن طلحۃ قال بلغ عائشۃ ان ابن عمر یقول ان موت الفجاءۃ تخفیف علی المومنین وسخطۃ علی الکافرین، واخرج البخاری عن ابن عمر قال وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قلیب بدر فقال ھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا ثم انّھم الاٰن یسمعون ما اقول فذکر ذٰلک لعائشۃ فقالت انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّھم لیعلمون الاٰن ما کنت اقول لھم حق واخرج الدارقطنی من طریق مجاھد عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا احبّ العبد لقاء اللہ احبّ اللہ لقاءہ واذا کرہ العبد لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ فذکر ذالک لعائشۃ فقالت یرحمہ اللہ حدّثکم باٰخر الحدیث ولم یحدّثکم باوّلہ قالت عائشۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد اللہ بعبد خیرًا بعث الیہ

---

[1] ولفظ البخاری ان اللہ لیعذب المومن ببکاء اھلہ علیہ [2] کما عند البخاری وعند مسلم من شیٔ۔ [3] ایضًا فی مسند احمد ص ۱۶۳/۲،

ملکاً فی عامہ الّذی یموت فیہ فیسددہ ویبشرہ فاذا کان عند موتہٖ اتیٰ ملک

الموت فقعد عند راسہ فقال ایتھا النفس المُطمئنّۃ اخرجی علی مغفرۃ من اللہ

ورضوان وتتہوع نفسہ رجلاً فتخرج فذالک حین یحب لقاء اللہ ویحب اللہ لقاءہ واذا اراد بعبد

شراً بعث الیہ شیطاناً فی عامہ الّذی یموت فیہ فاغراہ فاذا کان عند موتہ

اتاہ ملک الموت فقعد عند راسہ فقال ایتھا النفس اخرجی الی سخط مِنَ اللہ

وغضب فتتفرق فی جسدہ فذالک حین یبغض لقاء اللہ ویبغض اللہ لقاءہ، قال

الدّارقطنی غریبٌ مِن حدیث مجاھد عن ابی ھریرۃ وعائشہ تفرد بہ عطاء

بن السائب عنہ ولا اعلم احداً احدث بہ عنہ غیر محمّد بن فضیل، واخرج

ابوداؤد وابن حبان والحاکم[۱] وصحّحہ عن ابی سعید الخدری انّہ لمّا حضرہ الموت

دعا بثیاب جدد فلبسھا ثمّ قالت سمعت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یقول

ان المیّت یبعث فی ثیابہ الّذی یموت فیھا قال الزرکشی رأیت فی کتاب اصول

الفقہ لابی الحسن احمد بن القطان من قدماء اصحابنا مِنْ اصحاب ابن جریح فی

الکلام علی الروایۃ بالمعنی ان اباسعید رضی اللہ عنہ فھم من الحدیث انّ النبی

صلی اللہ علیہ وسلّم اراد بالثیاب الکفن وانّ عائشۃ رضی اللہ عنھا انکرت ذالک

علیہ وقالت یرحم اللہ اباسعید انّما اراد النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم عملہ الّذی مات علیہ

قد قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یحشر النّاس حفاۃ عراۃ غرلا انتھیٰ

وآخرج ابومنصور البغدادی مِن طریق محمّد بن عبید الطنافسی عن الاعمش عن

خثیمۃ عن ابی عطیۃ قال دخلت انا ومسروق علیٰ عائشۃ فقال مسروق قال

عبد اللہ بن مسعود من احبّ لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ

اللہ لقاءہ فقالت عائشۃ یرحم اللہ اباعبد الرّحمٰن حدّث باوّل الحدیث ولم

---

[۱] المستدرک للحاکم ص۳۴۱ ۔

تسألوہ عن اٰخرہٖ انّ اللہ اذا اراد بعبدہٖ خیراً قیض لہٗ قبل موتہٖ بعام ملکا یوفقہٗ ویسددہ حتی یقول النّاس مات فلان علیٰ خیر ماکان فاذا حضر ورای ثوابہ من الجنۃ تھوع بنفسہٖ اوقال تھوعت نفسہ فذالک حین احب لقاء اللہ واحب اللہ لقاءہٗ واذا اراد بعبدٍ سوءً قیض لہ قبل موتہٖ بعام شیطاناً فافتنہ حتی یقول النّاس مات فلان علیٰ شرّ ماکان فاذا حضر رای ما نزل علیہ من العذاب فبلغ نفسہ ذالک حین کرہ لقاء اللہ وکرہ اللہ لقاءہٗ ۔

بَابُ الصِّیَام

اَخرَج احمدؒ[1] عن یحیی بن عبد الرّحمٰن عن ابی عمر عن النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم الشھر تسع وعشرون فذکروا ذالک لعائشۃ فقالت یرحم اللہ اباعبد الرّحمٰن انّما قال الشھر قد یکون تسعاً وعشرین واَخرج ابن ابی شیبہ عن سعید بن عمر ان عبد اللہ بن عمر حدّثھم انّ النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم قال انا امۃ امیّۃ لانکتب ولا نحسب الشھر کذا وکذا واُضرب الثّالثۃ وقبض الابھام فقالت عائشۃ یغفر اللہ لابی عبد الرّحمٰن انّما ھجر النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نساءہٗ شھراً فنزل لتسع وعشرین فقیل یارسول اللہ انّک اٰلیت شھراً فقال وانّ الشھر یکون تسعاً وعشرین، و اَخرج مُسلم عن عبد الملک بن ابی بکر بن عبد الرحمٰن عن ابی بکر بن عبد الرحمٰن قال سمعت اباھریرۃ یقص یقول فی قصصہ من ادرکہ الفجر جنباً فلا یصم قال فذکرت ذالک لعبد الرحمٰن بن الحارث فذکرہ لابیہ فانکر ذالک فانطلق عبد الرحمٰن وانطلقت مَعہٗ حتّٰی دخلنا علیٰ عائشۃ وامّ سلمۃ فسألھما عبد الرحمٰن عن ذالک قال فکلتاھما قالت کان النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم یصبح جنباً من غیر حلم

---

[1] فی مسند ص ۲۴۳ ج ۲

ثم یصوم قال فانطلقنا حتی مروان فذکر ذالک له عبد الرحمن فقال مروان عزمت علیک الا ما ذهبت الی ابی هریرة فرددت علیه ما یقول قال فجئنا ابا هریرة فذکر له عبد الرحمن فقال ابو هریرة اهما قالتا قال نعم قال هما اعلم ثم رد ابو هریرة ما کان یقول فی ذالک الی الفضل بن عباس قال سمعت ذالک من الفضل ولم اسمعه من النبی صلی الله علیه وسلم فرجع ابو هریرة عما کانت یقول فی ذالک قال البزار فی مسنده ولا نعلم روی ابو هریرة عن الفضل بن العباس الا هذا الحدیث الواحد۔

باب الحج

اخرج البیهقی فی سننه[1] عن سالم عن ابی عمر سمعت عمر یقول اذا رمیتم وحلقتم فقد حل لکم کل شیء الا النساء والطیب قال سالم وقالت عائشة کل شیء الا النساء انا طیبت[2] رسول الله صلی الله علیه وسلم لحله قال سالم وسنة رسول الله احق ان تتبع واخرج البخاری ومسلم عن عمرة بنت عبد الرحمن ان زیاد بن ابی سفیان کتب[3] الی عائشة ان عبد الله قال من اهدی هدیا حرم علیه ما یحرم علی الحاج حتی ینحر الهدی وقد بعث بهدیی فاکتبی الی بامرک فقالت عمرة قالت عائشة لیس کما قال ابن عباس انا فتلت قلائد هدی رسول الله صلی الله علیه وسلم بیدی ثم قلدها رسول الله صلی الله علیه وسلم بیده ثم بعث بها مع ابی فلم یحرم علیه شیء احله الله له حتی نحر الهدی واخرج البیهقی فی سننه[4] عن الزهری قال اول من کشف العمی عن الناس وبین لهم السنة فی ذالک عائشة فاخبرنی عروة وعمرة ان

---

[1] راجع النسخة المطبوعة ص ۱۳۵/۵، [2] واخرجه احمد فی مسنده بلفظ اخر ص ۱۷۵/۶ ۔

[3] وهذا لفظ مسلم، [4] راجع النسخة المطبوعة ص ۲۳۴/۵

عائشة قالت انی کنت لافتل قلائد ھدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیبعث بھدیہ مقلدا وھو مقیم بالمدینة ثم لا یجتنب شیئا حتی ینحر ھدیہ فلما بلغ الناس قول عائشة ھذا اخذوا بہ وترکوا فتوی ابن عباس واخرج البخاری ومسلم والنسائی عن محمد بن المنتشر قال سألت ابن عمر عن الطیب عند الاحرام قال لان اطلی بالقار احب الی من ان ینضح طیبا فذکرت ذالک لعائشة فقالت یرحم اللہ اباعبد الرحمن قد کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیطوف فی نسائہ ثم یصبح محرما ینضح طیبا واخرج الشیخان عن مجاھد ان عروة سال ابن عمر کم اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اربع عمر احداھن فی رجب وکرھنا ان نرد علیہ وسمعنا استنان عائشة فی الحجرة فقال عروة الا تسمعین یا ام المومنین الی ما یقول ابو عبد الرحمن قالت وما یقول قال یقول اعتمر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اربع عمر احداھن فی رجب فقالت یرحم اللہ اباعبد الرحمن ما اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا وھی معہ وما اعتمر فی رجب قط، واخرج ابوداود والنسائی وابن ماجة عن مجاھد قال سئل ابن عمر کم اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مرتین فقالت عائشة لقد علم ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اعتمر ثلاثا سوی التی قرنھا بحجة الوداع واخرج الشافعی والبیھقی عن سالم عن ابیہ انہ کان یفتی النسآء اذا احرمن ان یقطعن الخفین حتی اخبرتہ صفیة عن عائشة انھا تفتی النسآء اذا احرمن ان لا یقطعن فانتھی عنہ واخرج ابوداؤد وابن خزیمة عن سالم بن عبد اللہ بن عمر کان یصنع ذالک ثم حدثتہ صفیہ بنت ابی عبید ان عائشة حدثتھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد کان رخص النسا فی الخفین فترک ذالک واخرج الامام احمد فی کتاب المناسک الکبیر عن مجاھد ان عائشة کانت تقول الا تعجبون من ابن الزبیر یفتی المرأة المحرمة ان تاخذ من شعرھا اربع اصابع وانھا یکفیھا

من ذالك الطرف واخرج البیهقی فی سننه عن ابی اسحق عن البراء قال اعتمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث عمر كلهن فی ذی القعدة فقالت عائشة لقد اعتمر اربع عمر بعمرته التی حج معها واخرج البیهقی فی سننه عن ابی علقمة قال دخل شيبة بن عثمان على عائشة فقال یا امّ المومنین ان ثیاب الکعبة تجمع علینا فتکثر فنعمد الی ابار فنحفرها فنعمقها ثمّ ندفن ثیاب الکعبة فیها کیلا یلبسها الجنب والحائض، فقالت عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثیاب الکعبة اذا نزعت منها لم یضرها ان یلبسها الجنب والحائض ولکن بعها واجعل ثمنها فی المساکین وابن السّبیل،

بابُ البیع

اخرج عبد الرزّاق فی المصنّف والدارقطنی والبیهقی فی سننهما عن ابی اسحاق السبیعی عن امراته انها دخلت علی عائشة فی نسوة فسالتها امرأة فقالت یا ام المومنین كانت لی جاریة انّی بعتها من زید ابن ارقم بثمان مائة الی عطائه وانّه اراد بیعها فابتعتها بستمائة درهم نقدًا فقالت عائشة بئسما اشتریت وبئس ما اشتریت فابلغی زیدًا انّه قد ابطل جهاده مع رسول الله صلی الله علیه وسلّم الّا ان یتوب فقالت المرأة لعائشة أرأیت ان لم اٰخذ منه الّا راس مالی قالت فمن جاءه موعظة من ربّه فانتهی فله ما سلف[1]۔

بابُ النّكاح

اخرج الحاكم وصحّحه عن ابی ملیكة قالت سألت عائشة عن متعة النّساء فقالت بینی وبینکم کتاب الله وقرأت هذه الآیة وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ

[1] هذه رواية دارقطنی ص۳۱۱ ج۲ واخرج البیهقی بالفاظ اخر ص۳۳۱ ج۵

إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ[1]
ما زوجه الله اوما ملكه فقد عدا واخرج مسلم والاربعة عن الشعبى قال دخلت
على فاطمة بنت قيس فسألتها عن قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم عليها فقالت
طلقها زوجها البتة فخاصمته الى النبى صلى الله عليه وسلم فى السكنى والنفقه
قالت فلم يجعل لى سكنى ولا نفقة وآخرج البخارى تعليقًا وابوداؤد عن عروة
قالت لقد عابت عائشة اشد العيب يعنى حديث فاطمة وقالت انها كانت فى
منزل وحش فخيف على ناحيتها فلذالك قضى لها رسول الله صلى الله عليه وسلم
واخرج مسلم عن عروة قال تزوج ابن سعيد بن العاص ابنة عبد الرحمن بن الحكم
فطلقها فاخرجها من عنده فعاب ذالك عليهم عروة فقالوا ان فاطمة قد خرجت
قال عروة فاتيت عائشة فاخبرتها بذالك فقالت ما لفاطمة بنت قيس خير فى
ان تذكر هذا الحديث۔

باب جامع

اخرج البخارى من طريق القاسم عن عائشة قالت من زعم ان محمدًا راى ربه
فقد اعظم ولكن راى جبريل فى صورته وخلقه سادًا ما بين الافق، واخرج مسلم
عن مسروق قال قالت لعائشة يا اماه هل راى محمد ربه فقالت لقد قف شعرى
مما قلت من حدثك بان محمدًا راى ربه فقد كذب ثم قرأت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ
وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ولكنه راى جبريل فى صورته مرتين۔
واخرج البخارى[2] عن ابى مليكة قال قرأ ابن عباس حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا
أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا خفيفة وتلا[3] حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ

---

[1] وفى القرآن ذالك فاولئك هم العدون فكانما فسرت عائشة ذالك بقولها، [2] فى تفسير
سورة البقرة، [3] قرء ذالك ابن عباس تفسيرا للآية وليس من القرآن۔

فلقيتُ عروة بن الزبير فذكرت لهُ ذٰلك فقال قالت عائشة معاذ الله والله ما
وعد الله رسوله من شيء قطّ الا علم انّه كائن قبل ان يموت ولكن لم تزل البلايا
بالرسل حتّٰى خافوا ان يكون من معهم يكذبونهم فكانت تقرؤها قد كذّبوا مثقلة.
واخرج الطيالسى فى مسنده[۱] عن مكحول قال قيل لعائشة ان ابى هريرة يقول
قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم الشوم فى ثلاثة فى الدار والمرأة والفرس
فقالت عائشة لم يحفظ ابو هريرة انه دخل ورسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقول
قاتل الله اليهود يقولون ان الشوم فى ثلاث فى الدار والمرأة والفرس فسمع
آخر الحديث ولم يسمع اوّلهٗ، واخرج احمد[۲] عن ابى حسان الاعرج ان رجلين دخلا
علىٰ عائشة ان اباهريرة يحدث ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يقول انّما الطيرة
فى المرأة والدّابة والدّار فقالت الّذى نزل الفرقان على ابى القاسم ماهكذا كان
يقول ولكن كان يقول كان اهل الجاهلية يقولون الطيرة فى المرأة والدّابة والدّار
ثم قرأت عائشة مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ نَّبْرَاَهَا الاية واخرج البزار عن علقمة قال قيل لعائشة ان اباهريرة يروى
عن النّبى صلّى الله عليه وسلّم ان امرأة عذبت فى هرّة فقالت عائشة ان المرأة كانت
كافرة قال ولا نعلم روى علقمة عن ابى هريرة الا هذا الحديث، واخرج[۳] قاسم بن
ثابت السرقسطى فى غريب الحديث عن علقمة بن قيس قال كنّا عند عائشة رضى اللهُ
عنها ومعنا ابو هريرة فقالت يا اباهريرة انت الّذى تحدّث عن رسول الله صلى الله
عليه وسلم ان امرأة عذبت بالنّار فى جرء هرّة لا واطعمتها ولا سقتها ولا هى تركتها
تاكل من خشائش الارض حتّٰى ماتت، قال ابو هريرة سمعت من رسول الله صلى الله

---

[۱] فى نسخة المطبوعة ص ۲۱۵، [۲] مسند جلد ۶ ص ۲۴۶ واخرج فى صفحة ۲۴۰ بلفظ
اٰخر [۳] ايضاً فى مسند الطيالسى فى مسند عائشة ص ۱۹۹-

عليه وسلم قالت عائشة المؤمن اكرم عند الله من ان يعذبه في جريرة امّا انّ المرأة
من ذلك كانت كافرة يا ابا هريرة اذا حدثت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فانظر
كيف تحدث واخرج البخاري ومسلم عن عروة عن عائشة قال ان ازواج النبي صلى الله
عليه وسلم حين توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم اردن ان يبعثن عثمان بن عفان الى ابي بكر
يسألنه ميراثهن من رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت عائشة لهن اليس قد قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نورث ما تركناه صدقة واخرج ابو عروبة الحسين بن محمد
الحراني وابو منصور البغدادي عن الكلبي عن ابي هريرة قال لان يمتلي جوف احدكم قيحا
ودما خير له من ان يمتلي شعرا فقالت عائشة لم يحفظ الحديث انما قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم لان يمتلي جوف احدكم قيحا ودما خير له من ان يمتلئ شعرا هجيت[١]
به واخرج الحاكم وصححه[٢] والبيهقي في سننه عن عروة قال بلغ عائشة ان ابا هريرة يقول
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لان امتع بسوط في سبيل الله احب الي من اعتق ولد الزنا
وان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ولد الزنا شر الثلاثة وانّ الميت يعذب ببكاء الحي فقالت
عائشة رض رحم الله ابا هريرة اساء سمعا فاساء اجابة اما قوله لان امتع بسوط في سبيل الله
احب الي من ان اعتق ولد الزنا انها لما نزلت فلا اقتحم العقبة وما ادراك ما العقبة
فك رقبة قيل يا رسول الله ما عندنا ما نعتق الا ان احدنا له جارية سوداء تخدمه
وتسعى عليه فلو امرناهن فزنين فجئن بالاولاد فاعتقناهم فقال رسول الله صلى الله
عليه وسلم لان امتع بسوط في سبيل الله احب الي من ان امر بالزنا ثم اعتق الولد واما
قوله ولد الزنا شر الثلاثة فلم يكن الحديث على هذا انما كان رجل من المنافقين
يؤذي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال من يعذرني من فلان قيل يا رسول الله صلى الله
مع ما به ولد زنا فقال هو شر الثلاثة والله تعالى يقول ولا تزر وازرة وزر
اخرى واما قوله ان الميت يعذب ببكاء الحي فلم يكن الحديث على هذا ولكن رسول الله

---

[١] قال الشوكاني في موضوعاته انه موضوع ص ١٠١، [٢] المستدرك للحاكم كتاب العتق جلد ٢ ص ٢١٥

صلی اللہ علیہ وسلم مربّنا رجل من الیہود قدمات واہلہ یبکون علیہ وانّہ لیعذب واللہ عزّوجل یقول لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا۔ وَاَخرج البخاری عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال ان بلالاً یوذن بلیل فکلوا واشربوا حتّی یوذن ابن ام مکتوم، واخرج البیہقی عن عروۃ عن عائشۃ رضؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابن ام مکتوم رجل اعمٰی فاذا اذن فکلوا واشربوا حتّی یوذن بلال وکان بلال یبصر الفجر وکانت عائشۃ تقول غلط ابن عمر، ھذہ اٰخرما اوردہ الزرکشی، وقد حذفت منہا اوردہ اشیاء لانہا لیست من باب الاستدراک۔ وھذہ زیادات لم یذکرھا، اخرج الائمۃ الستۃ الا اباداؤد عن ابی ھریرۃ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلحم فرفع الیہ الذراع وکانت تعجبہ واخرج الترمذی عن عائشۃ قالت ماکانت الذراع احب الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ولکن کان لا یجد اللحم الا غبًّا فکان یعجل الیہ لانّہ اعجلہا نضجًا، واخرج ابن ابی شیبۃ عن ابی رزین قال خرج الینا[٢] ابوھریرۃ یضرب بیدہ علی جبھتہ ثمّ قال انکم تحدثون انّی اکذب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اشہد لسمعت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یقول اذا انقطع شسع احدکم فلا یمشی فی الاخری حتّی یصلحھا وقال ابن ابی شیبۃ حدثنا ابن عیینۃ عن عبد الرحمٰن بن القاسم عن ابیہ انّ[٣] عائشۃ کانت تمشی فی خف واحدٍ وتقول لاحتقن اباھریرۃ انتہٰی واللہ اعلم۔ تمّ کتاب عین الاصابۃ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا علی الصحابۃ تالیف العلامۃ المحدث سیدنا ومولانا الجلال السیوطی تغمدہ اللہ بالرحمۃ والرضوان ونفعنا بہ وببرکات علومہ ونفحاتہ وجلوتہ ورحمنا بہ۔

ل فلانہ ثبت عن عائشۃ فی البخاری ص٢٧٨، ٢ فی جامع الترمذی باب ماجاء فی کراھیۃ المشی فی النعل الواحدۃ ص٣٠١، ٣ الترمذی ایضًا۔